سوانح ملفوظات و فضائل
اعلیحضرت قدوۃ الکبریٰ محبوب یزدانی تارک سلطنت سلطان مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی
لطائف اشرفی
حصہ اول اردو
مؤلفہ
شیخ العارفین حضرت نظام یمنی

حصہ اوّل

لطائف الاشرفی

اردو

قدوۃ الکبریٰ محبوب یزدانی حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس اللہ سرہ العزیز

کے

سوانح فضائل اور ملفوظات

ماخوذ از

لطائف اشرفی

مؤلفہ

حضرت نظام یمنی رح

مترجمہ

مشیر احمد صاحب کاکوروی لکھنوی

حسب الحکم

افضل العلماء مولٰینا حکیم شاہ سید عبد الحیٔ اشرف صاحب سجادہ سرکار کچھوچھہ شریف

شائع کردہ

مولٰینا شاہ بدر الدین محمد عاقل اشرف قادری چشتی اویسی

مجاز خلافت و بیعت

مطبوعہ انٹرنیشنل پریس کراچی

اشاعت گاہ

مکتبہ بزم قادری ۱/۱۲۷۲ ڈرگ کالونی۔ کراچی ۲۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گذارش

حضرت سید اشرف جہانگیر رحمۃ اللہ علیہ کا مرقدِ مبارک کچھوچھہ ضلع فیض آباد میں زیارت گاہ خاص و عام ہے ان کے سوانح حیات، ارشادات و ملفوظات آپ کے مرید خاص شیخ نظام یمنی نے قلمبند کئے تھے اور مجموعہ کا نام لطائف اشرفی رکھا تھا۔ اس کتاب کے قدیم قلمی نسخے اب تقریباً نایاب ہیں۔ ایک بار یہ کتاب ۱۲۹۷ھ میں چھپی تھی مگر اب وہ بھی کمیاب ہے۔ شیخ نظام عرب کے باشندے تھے لیکن ان کی تالیف فارسی انشاء پردازی کا اعلیٰ نمونہ ہے اور کسی دوسری زبان میں اس کا صحیح اور پُر لطف ترجمہ نہیں کیا جاسکتا۔ زبان بہت دقیق ہے اور تصوف کے نازک مسائل اصطلاحات منطق و فلسفہ کی آمیزش سے بہت پیچ دار ہو گئے ہیں۔

تالیف کتاب کو ساڑھے پانچسو برس کا عرصہ ہوا لیکن شاید انہی دشواریوں کے باعث کسی شخص نے اس وقت تک اردو میں ترجمہ کرنے کی جرأت نہیں کی حالانکہ تخمیناً ڈھائی سو برس سے ہندوستان کی عام زبان اردو ہو گئی ہے مولوی مشیر الدین مرحوم ایڈیٹر اخبار کاکوری کی فرمائش سے ۱۳۶۲ھ میں اس نادر کتاب کا خلاصہ مرتب کیا گیا حضرت کے سوانح و فضائل لطائف اشرفی سے اخذ کر کے اور بعض تواریخ و تذکروں سے تطبیق کر کے مقدمۃ الکتاب میں

لکھے گئے اور ان کی بیش بہا تعلیمات اصل تالیف کی ترتیب کے موافق بعد کو منشی امیر احمد صاحب کاکوری نے درج فرمائی ہیں جو حضرات اس کتاب سے مستفیض ہوں وہ خطا کار خلاصہ نگار کے حق میں دعائے خیر کریں اور اس کی تحریر یا ترجمہ میں کوئی غلطی ہو تو معاف فرمائیں۔

نوشتہ بماند سیہ بر سفید
نویسندہ را نیست فردا امید

مولینا شاہ بدر الدین محمد عاقل اشرفی القادری
مجازِ خلافت وبیعت از صاحب سجادہ سرکار مخدوم پاک
کچھوچھہ شریف۔ بانی مدرسہ عالیہ اشرفیہ
ڈرگ کالونی کراچی

۲۹۰ھ تک خود مختاری کی ہوا کھائی بعد ازاں آل سامان کا عروج ہوا جنھوں نے ۱۳۰ برس تک سمرقند، فرغانہ، ہرات، ماوراء النہر بلکہ خراسان اور ایران تک حکومت کی اس خاندان کا بانی ایک ایرانی الاصل بہادر اسد بن سامان نام بہرام چوبیں کی نسل سے تھا خلیفہ مامون الرشید کے حکم سے اس کی اولاد کو سمرقند اور ہرات وغیرہ کی حکومت ملی تھی مگر صفاریوں کا خاتمہ کرنے کے بعد اسد کے پرپوتے اسمٰعیل نے ۲۷۹ھ میں آلِ سامان کی خود مختار سلطنت کا بنیادی پتھر رکھا وہ عدل و انصاف شان و شوکت جاہ و جلال میں خلفائے عباسیہ کا ہمسر تھا اور اس کے جانشینوں کے احسانات زبانِ فارسی کسی طرح فراموش نہیں کر سکتی اس خاندان میں نو حکمران ہوئے جن کے نام عنصری نے یوں نظم کئے ہیں۔

نہ کس بودند ز آل سامان مذکور — دائم بہ امارت خراسان مشہور
اسمعیلے و احمدے و نصرے — دو نوح و دو عبدالملک دو منصور

آلِ سامان نے بخارا و ماوراء النہر سے فارس تک کل علاقہ پر تصرف کر لیا تھا اور ۳۸۹ھ تک ان کی حکومت رہی جب یہ ختم ہوا تو آلِ سبکتگین کی قسمت کا ستارا چمکا اور خلافت عباسیہ صرف حصولِ برکت کے لئے باقی رکھی گئی خاندانِ سامانیہ کے دوسرے بادشاہ احمد بن اسمٰعیل کے طفیل سے جو ۲۹۵ھ سے ۳۰۱ھ تک مسند فرمان دہی پر جلوہ افروز رہا تھا ریاست سمنان معرضِ وجود میں آئی جس سے ہم کو اس وقت تعلق ہے، کہتے ہیں کہ احمد سامانی نے اپنے وزیر سید تاج الدین[1] بہلول کو

---

[1] بن سید محمود نوربخشی بن میر سید مہدی بن میر سید اکمل الدین بن میر سید جمال الدین بن میر سید حسین لنیف بن میر سید ابو حمزہ احمد بن میر سید ابو موسیٰ علی بن میر سید اسمٰعیل ثانی بن میر ابو الحسن بن میر سید اسمٰعیل اعرج بن حضرت امام جعفر صادق بن حضرت امام محمد باقر بن حضرت امام زین العابدین بن حضرت امام حسینؓ شہید کربلا بن حضرت علی

لطائف اشرفی

مقدمہ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد اشرف المرسلین

شفیعٌ مطاعٌ نبی کریم — قسیمٌ جسیمٌ نسیمٌ وسیمٌ

کریم و کرم گستر و کارساز — خدا در حقیقت بقولِ مجاز

وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ریاستِ سمنان تیسری صدی ہجری کے وسط سے خلافتِ عباسیہ کے آفتابِ اقبال پر زوال شروع ہوا ہارون الرشید کی دانشمندی مامون الرشید کی علم دوستی اور معتصم باللہ کی شجاعت داولوالعزمی نے جو سطوت وعظمت خلافتِ عباسیہ کی دنیا میں قائم کردی تھی وہ مٹنا شروع ہوئی اور طوائف الملوکی کا آغاز ہوگیا طاہریہ خاندان مامون الرشید کے سپہ سالار طاہر کی طرف منسوب تھا خراسان پر قابض ہوا اور ۲۵۹ھ تک حکومت کی۔ اس کے بعد صفاریوں کا دور رہا جن کا مورثِ اعلیٰ یعقوب صفار ذات کا ٹھٹھیرا لیکن ہمت وجرات کا بادشاہ تھا اس خاندان نے خراسان اور فارس پر قبضہ کیا اور

جن کا نسب نامہ دس واسطوں سے حضرت امام جعفر صادق تک پہنچتا تھا اور جن کو
آلِ سامان سے کچھ نسبتی تعلق بھی تھا عراق و خراسان کی حکومت نیابتاً سپرد کی تھی اور
یہ زرخیز صوبے بالفاظ دیگر اپنے حدود اختیار سے خارج کر دیئے تھے سید تاج الدین
نے شہر سمنان کو دار الحکومت بنایا جو تقریباً چار سو برس تک کبھی باجگزارانہ اور کبھی
خود مختارانہ حیثیت سے ان کی اولاد کے قبضہ میں رہا یہ قدیم شہر اس وقت بھی ایران کے
رقبہ مملکت میں موجود ہے اور طول البلد ۵۳، اور عرض البلد ۳۵ کے درمیان واقع
ہے یہ دریائے خضر سے جس کو اب بحیرۂ کیسپین کہتے ہیں تقریباً ۱۰۰ میل کاشان سے ۱۵۰
میل اور اصفہان سے ۲۰۰ میل کے فاصلہ پر ہے انھیں سید تاج الدین کی نسل سے
ایک سلطان سید ابراہیم[1] تھے جو ساتویں صدی ہجری کے آخر ربع میں سمنان کے
فرمانروا ہوئے سلطان ابراہیم سے سید تاج الدین تک ۳۰۰ برس کی مدت
میں کئی پشتیں گذری ہوں گی لیکن ان میں سے صرف چار کے نام معلوم ہیں سلطان
ابراہیم نیک طبیعت خلیق متقی اور پرہیزگار تھے انھوں نے شہر سمنان کو بہت ترقی
دی گلزار مملکت کو عدل و داد سے سیراب کیا رعایا و برایا کے رفاہ و فلاح کی فکر رکھتے
تھے علوم دینی کی طرف بہت توجہ تھی ان کے عہد میں بارہ ہزار طالب علم علوم و فنون
میں کامل و فاضل ہو کر فارغ التحصیل ہوئے وہ فقراء و مشائخ علماء و فضلاء کے عقیدتمند
تھے اور سمنان کی مشہور خانقاہ سکاکیہ انھوں نے بنوائی تھی جس کو ۱۶ برس شیخ رکن الدین

---

[1] سید ابراہیم بن سید عماد الدین بن سید نظام الدین علی شیر بن سید ظہیر الدین از اولاد
سید تاج الدین بہلول (اذکار اشرفی ص۱)

علاء الدولہ سمنانی نے آباد رکھا۔

شیخ علاء الدولہ ملوک سمنان سے نسبتی تعلق رکھتے تھے اور ذوعمری میں سلطان ابراہیم کے وزیر اعظم تھے میدان جنگ میں طلب حق کا جذبہ طاری ہوا اور وزارت چھوڑ کر فقیر ہوگئے[1] ملفوظات مشائخ نقشبندیہ میں ان کا نام بڑی عزت اور حرمت سے لیا جاتا ہے کیونکہ ان کو حضرت محی الدین ابن العربی کے مسئلہ وحدت الوجود سے اختلاف تھا اور اس مسئلہ پر شیخ عبدالرزاق کاشانی سے انھوں نے خط و کتابت کی تھی جس کا تذکرہ آئندہ اوراق میں انشاء اللہ درج ہوگا۔ ان کے تقوی و پرہیزگاری کے ثبوت میں صرف یہ قصہ کافی ہے کہ بادشاہ نے ان کی خدمت میں ایک ہرن بطور تحفہ کے اس پیام کے ساتھ حاضر کیا کہ یہ گوشت شکار کا ہے اس کو آپ تناول فرمائیں شیخ فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھ کو حکایت امیر نوروز کی یاد آئی کہ وہ خراسان میں تھے اور میں زیارت مشہد کے لئے طوس گیا تھا وہ پچاس سوار لے کر اپنے ساتھ میرے پاس آئے اور کہا کہ جب تک آپ خراسان میں رہیں میرے ہمراہ رہیئے ان کے اصرار سے میں چند روز ساتھ رہا ایک دن وہ دو خرگوش لائے اور کہا کہ میں نے خود ان کو شکار کیا ہے آپ ملاحظہ فرمائیں میں نے کہا کہ میں خرگوش کا گوشت نہیں کھاتا کیونکہ بقول امام جعفر صادق کے وہ حرام ہے اور ایک بزرگ نے اس کو حرام سمجھا ہے تو نہ کھانا

سلہ نفحات الانس میں ہے کہ وہ سنہ ۶۷۲ھ میں بغداد جا کر شیخ نورالدین عبدالرحمٰن کے مرید ہوئے سنہ ۶۸۱ھ میں خلافت پائی اور اس کے بعد سنہ ۷۲۰ھ سے ۱۶ سال تک خانقاہ سکاکیہ میں مسند ارشاد کو زیب و زینت دی ۱۴۰ چلے کھینچے ۷۷ سال کی عمر میں ۲۲ رجب سنہ ۷۳۶ھ کو راہی جنت ہوئے۔

اس کو بہتر ہے وہ چلے گئے اور دوسرے روز ایک ہرن لائے اور کہا کہ اس کو میں نے خود شکار کیا ہے اور جس تیر سے مارا ہے وہ میں نے خود بنایا تھا اور جس گھوڑے پر بیٹھ کر شکار کیا ہے وہ میرے گھر میں پیدا ہوا تھا۔ میں نے جواب دیا کہ یہ حکایت مولانا جمال الدین کی سی معلوم ہوتی ہے کہ ہمدان کے حوالی میں ایک مغل امیر ان کا معتقد تھا وہ ایک دن دو مرغیاں لایا اور کہا کہ ان کو میرے باز نے پکڑا ہے۔ یہ حلال ہیں۔ مولانا نے جواب دیا کہ مرغابی پر اعتراض نہیں مگر سوال یہ ہے کہ تیرے باز نے کل کس بڑھیا کا مرغ کھایا تھا جس کی بدولت آج اس کو باز پکڑنے کی قوت ہوئی اور تیرے گھوڑے نے کل کس مظلوم کے جو کھائے تھے جو آج اس کو دوڑنے کی طاقت ہوئی یہ مرغابیاں لے جا میرے قابل نہیں ہیں شیخ فرماتے ہیں یہ قصہ مجھکو یاد آیا اور میں نے اس ہرن کا گوشت نہیں کھایا لیکن درویشوں کو اس کے کھانے کی اجازت دے دی کیونکہ نیازمندی سے لایا تھا۔

علاوہ شیخ علاء الدولہ کے اور بزرگانِ دین بھی اس وقت سمنان میں موجود تھے نیک نیت بادشاہ کی نیازمندی اور سعادت و اقبال نے علماء و فقراء کاملین کا ہجوم کر دیا تھا ایک مجذوب شیخ ابراہیم نام تھے جن کی بابت مشہور تھا کہ وہ ہفتوں کچھ نہیں کھاتے ہیں اور جب یاد آتا ہے تو طعام پختہ ہو یا غلہ کچا بے شمار نوش جان فرماتے ہیں۔ ایک رات مسجد میں بہت زیادہ غلہ مختلف اقسام کا اور کچھ کچا گوشت کھا گئے تھے جس کی تفصیل آئندہ مذکور ہو گی۔

سلطان ابراہیم کو جب تاج و تخت ملا تو ان کی عمر صرف ۱۲ سال کی تھی سن شریف ۲۵ کا ہوا تو ایک سیدزادی خدیجہ بیگم سے عقد کیا۔

جو حضرت خواجہ احمد یسوی[1] رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھیں۔

یہ بیگم بڑی پرہیزگار اور عابدہ تھیں دن کا بڑا حصہ قرأت قرآن اور ادائے نوافل میں صرف فرماتیں۔ راتیں قیام اور سجود میں بسر کرتیں اکثر صائم رہتی تھیں۔ اور نماز تہجد کبھی ترک نہیں کی دو تین لڑکیاں پیدا ہوئیں لیکن اس کے بعد آٹھ برس تک کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ فرزند نہ ہونے سے سلطان دل تنگ تھے اور فقراء و مشائخ سے استمداد کے متمنی رہتے تھے۔ ایک روز صبح کے وقت سلطان اور بیگم دونوں جائے نماز پر بیٹھے تھے کہ ابراہیم مجذوب یکایک سامنے آگئے پہلے تعجب ہوا کہ ان کو محل کے اندر داخلہ کی اجازت کیسے ملی۔ جب معلوم ہوا کہ کسی نے اجازت نہیں دی ہے بلکہ وہ روحانی تصرف سے اندر پہنچ گئے ہیں تو سلطان نے استقبال کیا۔ ان کو تخت شاہی پر بٹھایا اور خود دست بستہ تخت کے نیچے کھڑے ہو گئے، مجذوب بولے کہ اے ابراہیم میں تم کو بہت ملتفت دیکھتا ہوں بیٹا مانگتے ہو؟ سلطان بہت خوش ہوئے اور کہا کہ آپ حاکم ہیں جو عنایت ہو تو مہربانی ہے مجذوب نے کہا کہ میں تم کو عجوبۂ روزگار دوں گا لیکن اس کی قیمت بہت زیادہ ہے بادشاہ نے عرض کی کہ "جو حکم ہو" فرمایا کہ ہزار شاہی اشرفیاں چاہئیں اشرفیاں فوراً منگائی گئیں اور آپ کے دامن میں ڈال دی گئیں وہ خوش خوش اٹھے اور کہا کہ اے ابراہیم تم نے ابراہیم سے بازی کی اور سودا بہت سستا لیا وہ رخصت ہوئے

---

[1] خواجہ احمد یسوی خواجہ یوسف ہمدانی کے خلیفہ تھے اور ترکستان میں مشیخت وارشاد کا سلسلہ انھوں نے جاری کیا پیشوائے عارفین اور مقتدائے کاملین ترکستان تھے۔

تو بادشاہ چند قدم تک ان کے عقب میں ہمراہ چلے فقیر نے مڑ کر دیکھا اور کہا کہ اب کیا چاہیئے ایک بیٹا ے چکے اچھا ایک اور سہی اور یہ کہہ کر چلے گئے چند روز کے بعد محلِ مبارک میں آثارِ حمل نمودار ہوئے سلطان ابراہیم نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی حضور نے ارشاد فرمایا کہ اے ابراہیم اللہ تجھ کو دو فرزند عطا کرے گا ایک کا نام اشرف رکھنا اور دوسرے کا اعرف۔ اشرف بڑا عارف و کامل ہوگا اور اس کے علم و فضل سے ایک جہان مستفیض ہوگا جس روز فرزند کی ولادت ہوئی ابراہیم مجذوب یکایک دوبارہ تشریف لائے اور بادشاہ سے کہا کہ اس لڑکے کی بہت ہوشیاری سے تربیت کرنا یہ ایک امانت ہے جو پروردگار نے تمہارے سپرد کی ہے۔

سلطان نے مولودِ مسعود کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اشرف رکھا اور بڑے ناز و نعمت سے پرورش کی، حضرت اشرف بڑے ذہین اور ذکی تھے۔ سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا ہفت قرأت سے قرآن مجید پڑھتے تھے۔ چودھویں برس تمام علومِ حدیث تفسیر ادب فلسفہ کلام اور منطق وغیرہ سے فارغ التحصیل ہو گئے صغر سنی سے درویشوں اور عارفوں کی خدمت میں حاضری اور حصولِ فیض کا شوق تھا۔ شیخ علاء الدولہ سمنانی سے باطنی نعمتیں اور برکتیں حاصل کرتے تھے۔ جب سن ۱۵ سال کا ہوا والد بزرگوار نے وفات پائی ارکانِ دولت اور اعیانِ سلطنت نے آپ کو تختِ حکومت پر بٹھایا رعایا پروری اور عدل و انصاف کا ایسا شہرہ ہوا کہ شاہانِ اطراف رشک کرتے تھے۔ اس عہد کی دو حکایتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

(۱) ایک مرتبہ سلطان نے دو تین روز صید گاہ میں قیام کیا سپاہی ہر طرف

شکار کی جستجو میں جاتے تھے باز سے صید ہوتا تھا مگر کوئی سوار چڑیا پکڑ کر لاتا تو شکار کو باز کے پنجے سے چھڑا کر آزاد کر دیتے تھے کیونکہ کسی جانور کے ذبح کرنے کے روادار نہ تھے حضرت کا عقیدہ تھا کہ کسی حیوانِ ناطق یا غیر ناطق کو رنج نہ پہنچانا چاہیئے۔

میازار مورے کہ دانہ کش است

کہ جاں دارد و جاں شیریں خوش است

فرماتے تھے کہ اولیاء اللہ کے طبقہ میں ایک مختصر گروہ "ابدال" کا ہوتا ہے اور وہ کسی جاندار کو تکلیف نہیں دیتے جس شخص کو فرشتوں سے ملاقات کا شوق ہو جانور دل کو دکھ نہ دے ایک بچھو بھی مارا یا چیونٹی کو ہلاک کیا تو دنیا میں ملائکہ کی زیارت سے محروم ہو جائے گا غرض ایک بوڑھی عورت دادطلب آئی کہ سپاہیوں نے اس کا دہی زبردستی چھین لیا ہے بادشاہ نے حکم دیا "ملزم کی شناخت کرو" شکاری حاضر کئے گئے ملزم ان میں نہ تھا اتفاقاً اسی وقت ایک سوار شکار لئے ہوئے دور سے آتا نظر آیا ضعیفہ نے کہا کہ یہی ظالم میرا دہی لے گیا ہے۔ سوار سے دریافت کیا گیا تو اس نے جرم سے انکار کیا گواہ طلب کئے گئے بڑھیا کوئی شہادت نہ پیش کر سکی بادشاہ نے فرمایا کہ میں ایک حکمت سے اس کا جھوٹ سچ دریافت کئے لیتا ہوں۔ چند مکھیاں ملزم کو کھلائی گئیں فوراً استفراغ ہوا دہی اس وقت تک ہضم نہ ہوا تھا باہر نکل آیا جرم ثابت ہو گیا۔ گھوڑا مع زین کے معاوضہ میں دلایا اور سوار کی خوب مرمت کی۔

(۲) آپ تخت سلطنت پر بیٹھے تھے کہ ایک دادخواہ آیا اور عرض کی کہ میں فلاں جماعت کے ساتھ سو رہا تھا۔ بیدار ہوا تو دیکھا کہ چالیس سونے کے سکے جو میری کمر میں تھے غائب ہو گئے۔ جماعت والے چوری سے انکار کرتے ہیں اور مال نہیں دیتے حضرت

نے اس جماعت کو طلب کر کے سوال کیا کہ درویش کا سامان تم نے کیوں لوٹ لیا۔ جماعت نے انکار کیا اور قسم کھائی کہ ایسا برا کام نہ کیا ہے اور نہ کبھی کریں گے۔ آپ نے ارکانِ دولت سے کہا کہ شریعت کے مطابق قسم کے بعد کچھ تدارک نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایک حکمتِ معقول میرے خیال میں آئی ہے اور اس پر عمل کرتا ہوں جماعت کے سب چھوٹے بڑے حاضر تھے یکے بعد دیگرے ہر ایک کے سینے پر ہاتھ رکھتے تھے اور ہٹا لیتے تھے۔ دس آدمیوں کے سینے پر ہاتھ رکھا اور کچھ پتہ نہ چلا آخر ایک شخص سامنے آیا جس کے سینے پر ہاتھ رکھا متفکر ہوئے ہاتھ اٹھا لیا اور دوبارہ پھر سینہ پر ہاتھ رکھا تھوڑی دیر کے بعد حکم دیا کہ فقیر کا سامان اس گنہگار سے وصول کیا جائے۔ ملازمانِ سرکار نے ذرا سی سختی کی تو ملزم نے جرم کا اقرار کر لیا اور زرِ مسروقہ حاضر کر دیا۔ جب اشرفیاں شمار کی گئیں تو صرف ایک کم تھی جو اس شخص نے خرچ کر ڈالی تھی۔

اسی زمانہ میں جہاد کا شرف بھی حاصل ہوا سمنان کی سرحد مغلستان سے ملی ہوئی تھی جہاں کافروں کی حکومت تھی۔ اس علاقہ کے ایک سردار نے بہت فوج جمع کی اور سمنان پر حملہ کر دیا حضرت کی شجاعت کو جوش آیا۔

اور نصرتِ اسلام کے واسطے اپنی فوج ظفر موج لے کر جہاد کے لئے روانہ ہوئے دونوں لشکر مقابل میں صف آرا تھے اور قریب تھا کہ جنگ شروع ہو حضرت نے حکم دیا "رجال الغیب[1] کا دائرہ دیکھا جائے۔" نقشہ دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ رجال الغیب

---

[1] رجال الغیب کا دائرہ اور ان سے استمداد لطائف اشرفی میں درج ہے۔ ترجمہ ملخص میں ملاحظہ ہو۔

سامنے ہیں اس دن لڑائی ملتوی کردی اور دوسرے دن دشمن کی فوج پر حملہ کیا اتوار کا
دن تھا اور ربیع الاول کی تیرہویں تاریخ جنگ بہت سخت ہوئی۔ کفار کا جمع کثیر تھا۔
مگر فتح و نصرت غازیوں کے ہاتھ آئی پچاس ہزار مغل مقتول ہوئے سردار فرار ہوا
بیس ہزار غلام اور آٹھ ہاتھی گرفتار ہوئے اس کے علاوہ بے شمار مالِ غنیمت ہاتھ
آیا ایام سلطنت میں اگرچہ فوج و لشکر کی نگرانی میں وقت صرف ہوتا تھا امور ملکی و
مالی در پیش رہتے تھے لیکن فرائض و سنن واجبات و نوافل اس وقت بھی ترک نہ
ہوتے تھے اور سخاوت کا یہ عالم تھا کہ کوئی سائل درگاہِ عالم پناہ سے محروم نہ جاتا تھا۔
ظاہر میں حکومت کے افکار تھے لیکن باطن میں سلوک و سیر طریق کا اشتیاق تھا جس
درویش کی زیارت ہوتی اس سے راہ سلوک دریافت کرتے لیکن حصہ دوسری جگہ
مقرر تھا اس لئے ایران و خراسان کے مشائخ تعلیم میں اغماز کرتے تھے شیخ عبد الرزاق
کاشانی جو شیخ علاء الدین سمنانی کے ہمعصر اور فصوص الحکم کے شارح تھے اس وقت
کاشان میں موجود تھے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ اس وقت فصوص الحکم کا
درس دے رہے تھے حضرت استماع میں شریک ہوئے اور ایک جلد فتوحات مکیہ و
اصطلاحات کبیرہ از تصنیفات شیخ اکبر محی الدین ابن العربی ان کی خدمت میں نذر
کی پہلے بیان ہو چکا ہے کہ شیخ کاشانی کو مسئلہ وحدت الوجود میں بہت غلو تھا
انھوں نے یہ عقیدہ حضرت کے قلب میں ایسا راسخ کردیا کہ شیخ علاء الدولہ سمنانی
کی صحبت بھی اس یقین و اعتماد میں رخنہ نہ ڈال سکی۔ میر سید علی ہمدانی جو ایک مدت
کے بعد ربع مسکون کی سیاحت میں حضرت کے ہمسفر ہوئے اس وقت شیخ عبد الرزاق
کاشانی کے حلقۂ درس میں شریک تھے وہ علم ظاہری و باطنی کے جامع تھے اور انہوں

نے بھی فصوص الحکم کی شرح لکھی ہے ان سے بھی قواعد سلوک حضرت نے دریافت کئے اور فوائد حاصل کئے غرض عارفان کامل کی جستجو تھی کہ ایک شب حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ تم کو ابھی امور سلطنت درپیش ہیں۔ لہذا کوئی سخت ریاضت نہیں بتلائی جا سکتی البتہ" اسم ذات اللہ کا بغیر مدد زبان کے قلب صنوبری میں تصور کیا کرو اور پاس انفاس کا دھیان رکھو" حضرت نے مشق شروع کی اور روز بروز اس کے فوائد ظاہر ہونے لگے۔ دو برس تک اس شغل کی مداومت کے بعد حضرت خواجہ اویس قرنی کی روح پاک کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور انھوں نے اذکار اویسیہ تعلیم کئے تین سال تک یہی شغل رہا ہر چند ان اذکار و افکار سے فیوض و برکات حاصل ہوتے تھے لیکن آپ کی خواہش تھی کہ کوئی مرشد ظاہری بھی ہونا چاہیئے جس کے دست حق پرست پر بیعت کی جائے مدت سلطنت دس برس ہو چکی تھی اور سن مبارک ۲۵ سال کا تھا کہ ماہ مبارک رمضان کے آخری عشرہ میں ستائیسویں شب کو حضرت خضر علیہ السلام دوبارہ تشریف لائے اور بزبان فصیح ارشاد فرمایا کہ اے اشرف تمہارا کام پورا ہو گیا اگر وصال الٰہی اور مملکت لامتناہی چاہتے ہو تو بادشاہی چھوڑو اور ملک ہند کی طرف کوچ کرو وہاں ایک بزرگ شیخ علاء الدولہ گنج نبات ہیں جو تانبے کو کندن بنا دیں گے۔ (شعر)

برخیز کہ کارے تو شد امروز تمام ۔۔۔ کارت بہ نظام آمد و معشوق بکام

یہ کلمات بشارت ارشاد فرما کر حضرت خضر نظر سے غائب ہو گئے اور صبح کی سپیدی نمودار ہوئی۔ حضرت نے ترک سلطنت کا عزم مصمم کیا۔ تخت شاہی پر اپنے چھوٹے بھائی محمد اعرف کو بٹھایا ان کو امور مالی و ملکی دینوی و آخروی

کے لئے مفید نصیحتیں کرکے اجازتِ سفر کے لئے والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ماں اپنے وقت کی رابعہ بصریہ تھیں۔ انھوں نے فرمایا کہ اے فرزند تیری ولادت سے پہلے حضرت خواجہ احمد لیسوی نے مجھ کو بشارت دی تھی کہ تجھ کو ایسا بیٹا نصیب ہوگا کہ آفاق اس کے خورشید ولایت سے منور ہو جائے گا۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ اس وعدہ کے پورا ہونے کا وقت آگیا میں تجھ کو خدا کے سپرد کرتی ہوں لیکن ایک وصیت میری ہے کہ جب شہر سمنان سے رخصت ہو تو آدابِ سلطنت اور دبدبۂ مملکت کے ساتھ باہر نکلو تاکہ میں سمجھوں کہ بیٹا کسی ملک کو فتح کرنے گیا ہے۔ مادرِ شفقہ کی تعمیل ارشاد کے لئے آپ بارہ ہزار لشکری ساتھ لے کر شہر سے باہر نکلے شیخ علاء الدولہ سمنانی چند کوس تک ہمراہ آئے اور مناسب حال نصائح کے بعد حضرت کو الوداع کہی۔ حضرت کو شعر و شاعری سے ذوق تھا ایک دیوان غزلیات مرتب ہو چکا تھا بوقت رخصت ایک غزل زبان مبارک پر تھی جس کے دو شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

ترکِ دنیا گیر تا سلطاں شوی — محرمِ اسرارِ با جاناں شوی
برگزر از خواب و خور مردانہ وار — تا براہ عشق چوں مرداں شوی

آغاز سیاحت

حضرت سمنان سے روانہ ہوئے تو بارہ ہزار سوار اور پیادے ہمرکاب تھے تین منزل تک ان کو ساتھ لائے اس کے بعد سے ہر منزل پر تھوڑی تھوڑی فوج واپس کرنا شروع کی بعض یاران مخلص ماوراء النہر تک ہمراہ تھے جب بخارا پہنچے تو ایک مجذوب سے ملاقات ہوئی انھوں نے حضرت کا سر مبارک اپنے سر سے رگڑا یہاں تک کہ حضرت کو

ایک بے شعوری پیدا ہو گئی تب مجذوب نے چھوڑا اور مشرق کی طرف اشارہ کر کے کہا اُدھر چلے جاؤ جب سمرقند پہنچے تو وہاں کے شیخ الاسلام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے دعوت ضیافت کی اس وقت تک دو خواص ہمراہ تھے حضرت کے دل میں ایک کلفت پیدا ہوئی کہ درویشوں کو ملازموں کی کیا ضرورت ہے سمرقند سے باہر نکلے تو ان ملازموں سے کہا کہ ہمارے ساتھ گھوڑوں کا رہنا موجب رسوائی ہے ان دونوں کے گھوڑے ایک غریب کو دلوا دیئے اور اپنا گھوڑا بھی ایک فقیر کی نذر کر دیا۔ پیادہ روی کی مشقت اختیار کی۔ رات کو ایک گاؤں میں پہنچے ہمراہی تھکے ماندے تھے سو رہے حضرت آدھی رات کو اُٹھے اور نیت کی کہ ان ہم صحبتوں سے بھی الگ ہونا چاہیئے۔ دونوں ہمراہیوں کو وہیں سوتا چھوڑا اور خود یکہ و تنہا آگے روانہ ہوئے سینکڑوں کوس کی مسافت طے کی جنگلوں، پہاڑوں اور دشوار گذار گھاٹیوں سے گذرتے ہوئے خطہ اوچھ میں پہنچے جو اس زمانہ میں ایک مشہور شہر تھا اور اس وقت تک اُچ کے نام سے ایک قصبہ ملتان کے قریب زیارت گاہ خاص و عام ہے وہاں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا مخدوم جہانیاں علم ظاہر و باطن فقر و استغنا میں بے نظیر تھے پہلے شیخ رکن الدین ابو الفتح سے تعلیم پائی تھی جو حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے تھے اس کے بعد زیارت حرمین شریفین کے لئے گئے اور عرب کے مشائخ سے استفادہ کیا چودہ خانوادوں کی خلافت حاصل کی۔

روایت ہے کہ جب وہ روضۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہہ میں پہنچے تو کہا کہ "السلام علیکم یا جدی" اور روضہ سے آواز آئی "وعلیکم السلام یا ولدی" ایک مدت

تک مکہ معظمہ میں امام عبداللہ یافعی کی صحبت میں رہے جن کا تذکرہ آئندہ نظر سے
گذرے گا۔ انھوں نے فرمایا کہ ہندوستان کے بلند مرتبہ مشائخ راہی عالم بقا ہوئے
اب دہلی کا چراغ نصیر الدین سے روشن ہے لہذا دنیا کی سیر و سیاحت کے بعد
سلطان محمد تغلق کے عہد میں دہلی آئے اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلی سے پیرانِ چشت
کا خرقہ پایا صوری و معنوی نعمتوں سے بہرہ مند ہو کر اُچ کی خانقاہ میں خود تربیت وارشاد
طالبان میں مصروف ہو گئے۔ حضرت سیّد اشرف اس شہر میں پہنچے اور مخدومِ جہانیاں
کی خدمت میں حاضری دی تو مدت کے بعد نسیم سیادت اور طلب صادق کی خوشبو
مخدوم کے دماغ میں پہنچی ارشاد ہوا کہ بڑا مردانہ کام کیا ہے یہ ہمت مبارک ہو۔ مگر
توقف مناسب نہیں میرے بھائی علاء الدین منتظر ہیں درگاہ مقصود تک رسائی سے
پہلے کہیں اقامت نہ کرنا اس کے بعد فرمایا کہ ہم سے بھی کچھ حصہ لیتے جاؤ اور تین رات
آپ کو مہمان رکھا پہلی شب ہوئی تو حضرت سیّد کو اپنی خلوت میں باریاب کیا
وہاں دیکھا کہ حضرت مخدوم جہانیاں کے ساتوں اعضا سات جگہ کٹے ہوئے الگ الگ
پڑے ہوئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک مختلف زبانوں میں حمد و تسبیح الٰہی میں مصروف
ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اعضا بہم ہو گئے اور ارشاد ہوا کہ برادر اشرف یہ تم کو مبارک
ہو۔ دوسری شب کو پھر خلوت میں بلایا دیکھا کہ مخدوم کا جسم مبارک تجلی لبسیط سے
اس قدر پھیل گیا ہے کہ خلوت گاہ بھری ہوئی ہے۔ مطلق گنجائش باقی نہیں بلکہ آپ کے
جسم کے کچھ حصے دروازوں اور روشندانوں کے سوراخوں سے باہر نکلے ہوئے ہیں تھوڑی
دیر کے بعد وہ حالت جاتی رہی اور ارشاد ہوا کہ برادر اشرف یہ بھی مبارک ہو۔ تیسری رات
کو آخری بار حاضری ہوئی دیکھا کہ جسم مبارک ایسا لطیف صاف اور شفاف ہو گیا ہے

کہ سر سے پاؤں تک بدن کا ہر ایک ذرہ آئینہ کی طرح جھلک رہا ہے یہ حالت دیکھکر حضرت سید کو دہشت معلوم ہوئی اور خلوت سے باہر نکل آئے۔ تھوڑی دیر کے بعد آئینہ مکدر ہوا تو حضرت سید کو مخاطب کر کے فرمایا کہ برادرم اشرف یہ بھی مبارک موضع کو الوداع کے وقت حلقۂ اصحاب میں ذکر جہر کی اجازت دی اور تمام کارہائے دینی و دنیوی کے لئے یا غفور کا تعویذ عنایت فرما کر رخصت کیا اور فرمایا کہ میرے اور تمہارے درمیان روز اول سے الفت و محبت مقرر تھی اور ہمارے باہم وہ وابستگی ہے جو جسم کو جان سے ہوتی ہے۔

غرض ان نعمتوں سے سرفراز ہو کر حضرت پیادہ پا روانہ ہوئے۔ منزل بمنزل سفر کرتے ہوئے دہلی پہنچے وہاں ایک یوسف صورت جوان سے ملاقات ہوئی جو اس وقت دہلی کے صاحبِ ولایت تھے انھوں نے کہا کہ اشرف خوب آئے مگر خبردار راستہ میں اقامت نہ کرنا میرے بھائی علاء الدین تمہارے منتظر ہیں۔ حضرت سید پر ایک عجیب حالت طاری تھی اور حواس ظاہری بالکل معطل ہو گئے تھے۔ بازار سے گذر رہے تھے کہ ایک مست ہاتھی سامنے آیا جس کے پاؤں میں ۲۰ من کی وزنی زنجیریں پڑی ہوئی تھیں اور پانچ ہتھیاں اس کے تعاقب میں تھیں جن پر پانچ فیلبان آلاتِ جراحت سے مسلح بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے درویش کو راہ میں دیکھا تو بہت غل شور مچایا لیکن حضرت کو خبر نہ ہوئی بازار والوں نے ہائے ہائے کے نعرے لگائے ہاتھی پاس سے گذر گیا اور حضرت سے معترض نہ ہوا۔ شہر میں بڑا غوغا ہوا لیکن آپ دریائے شہودِ سے ساحلِ شعور پر نہ آئے اور اسی حالتِ بے شعوری میں سلسلۂ سفر جاری رکھا مراحل بمراحل چلتے چلتے قصبہ پنڈوہ کے قریب پہنچے جو بنگال میں واقع ہے اور جہاں حضرت

شیخ علاء الدین گنج نبات سید کے قدوم میمنت لزوم کے منتظر تھے شیخ علاء الدین صحیح النسب ہاشمی علم و فضل میں بے نظیر تھے بشباب کے وقت جملۃ الملک حاکم بنگال کے وزیر اعظم تھے اور اپنا خطاب گنج نبات مشہور کیا تھا حضرت سلطان نظام الدین اولیاء دہلوی کو کسی نے خبر دی کہ بنگال میں ایک امیر عالم ہے جو خود کو گنج نبات مشہور کرتا ہے سلطان المشائخ کو غصہ آیا کہ میرے پیر گنج شکر ہیں (آپ کے پیر حضرت شیخ فرید الدین کا خطاب گنج شکر تھا) اور یہ امیر ایسا متکبر ہے کہ میرے پیر سے بھی افضل گنج نبات بنتا ہے خدا کرے کہ اس کی زبان بند ہو جائے۔ ادہر حضرت سلطان نے یہ حکم دیا ادہر گنج نبات گونگے ہو گئے ایک مدت کے بعد سلطان المشائخ نے اپنے مرید با اختصاص شیخ سراج الدین اخی عثمان (المتوفی ۷۵۸ھ) کو خلافت سے سرفراز فرمایا اور ولایت مشرق ان کے سپرد کی تو انھوں نے عرض کی کہ وہاں شیخ علاء الدین بڑے زبردست عالم ہیں ان کے سامنے میری نصیحت و ہدایت کون مانے گا۔ سلطان نے فرمایا کہ "تم اوپر علاء الدین تلے" جاؤ وہ تمہارا مرید ہوگا۔ حضرت اخی سراج پورب میں آئے تو شیخ علاء الدین عوارض میں گرفتار تھے حصول دعا کے لئے خدمت اقدس میں آئے اور فقر و عرفان کا جلوہ دیکھ کر مرید ہو گئے۔ تمام مال و منال ترک کیا پیر روشن ضمیر کی خدمت میں سرگرم ہوئے شیخ سفر کو جاتے تو خادم کھانے کی گرم دیگ ان کے سر پر رکھتا اور وہ سواری کے ساتھ دوڑتے تھے۔ دیگ کی بار برداری سے سر کے بال جلتے رہے تھے ننگے پاؤں دوڑتے ہوتے اور آپ کے اقربا جو متمول اور رئیس تھے۔ راستہ میں مل جاتے وہ آپ کو مجنوں سمجھ کر افسوس کرتے مگر آپ کے دل پر کچھ بھی اثر نہ ہوتا تھا صرف پیر کی خدمت اور رضامندی کی دھن تھی اور یاد حق میں استغراق۔

ان خدمات نے مرتبہ ولایت کو پہنچایا اور یہ نعمت عطا ہوئی کہ سیّد اشرف کے سے شہباز بلند پرواز کی تربیت ان کے سپرد کی گئی۔ مولّف مراۃ الاسرار نے لکھا ہے کہ حضرت محبوب الٰہی کے تمام خلفا عالی مرتبہ تھے لیکن دو بزرگوں کے پاس عجیب و غریب چاشنی تھی جن میں سے ایک شیخ نصیر الدین چراغ دہلی تھے۔ دوسرے شیخ اخی سراج الدین جن کو سلطان نظام الدین نے آئینہ ہندوستان کا خطاب دیا تھا بلکہ حضرت محبوب آلہیٰ کا سلسلۂ ولایت بھی انہی دونوں بزرگوں سے جاری ہوا خدا کرے کہ قیامت تک قائم رہے۔

کہتے ہیں کہ مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہونے کے بعد شیخ علاء الدین کی خانقاہ میں بہت خرچ تھا ہزاروں خادم و مسافر آتے جاتے اور سب کو کھانا ملتا تھا جب یہ خبر بادشاہ کو ہوئی اس نے وزرا سے کہا کہ میرا خزانہ اس فقیر کے آگے ناچیز ہے ایسے شخص کا اپنے شہر میں رکھنا مصلحت نہیں۔ بادشاہ کے حکم سے وہ شہر چھوڑنا پڑا۔ مگر اپنے خادموں کو حکم دیا کہ آج سے دونا خرچ کیا جائے ظاہرا کوئی صورت آمدنی کی نہ تھی مگر اللہ تعالےٰ خزانہ غیب سے عطا کرتا تھا۔

بیعت حضرت ہنوز راہ میں تھے اور صعوبات سفر برداشت کر رہے تھے تقریباً دو برس سمنان سے پنڈوہ تک سفر میں گذر چکے تھے کہ شیخ علاء الدین گنج نبات نے اپنے اصحاب کو بشارت دی کہ میں دو سال سے جس دوست کے انتظار میں تھا وہ امروز فردا میں آنے والا ہے۔ چند ہی روز کے بعد ایک دن شیخ قیلولہ فرما رہے تھے کہ یکبارگی خواب سے چونک پڑے اور مکان سے یہ کہتے ہوئے نکل آئے کہ دوست کی خوشبو آتی ہے اپنا محفہ اور وہ سکھ پال جو حضرت شیخ اخی سراج الدین

نے تبرگاً عنایت کیا تھا ہمراہ لے کر بستی سے باہر آئے شہر میں غوغا ہوا کہ صاحب مقام کسی عزیز کے استقبال کے لئے باہر جا رہے ہیں چھوٹے اور بڑے پیادہ اور سوار باہر نکلے اور شہر سے کوس بھر آگے استقبال کے لئے جمع ہوئے ایک سنبھل کے درخت کے نیچے حضرت مرشد مع اپنے اصحاب کے منتظر تھے کہ مسافروں کی جماعت دور سے آتی نظر آئی خادم استفسار حال کے لئے مسافروں کی طرف دوڑایا گیا وہ جواب لایا کہ سمنان کے رہنے والے ایک صاحب اشرف نام جن کی صورت بڑی نورانی ہے جماعت کے ساتھ ہیں مرشد کو بڑی خوشی ہوئی اور چند قدم آگے بڑھے جذب خاطر نے اُدھر بھی اثر کیا حضرت سید دوڑتے ہوئے آئے اور شیخ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ مرشد نے سر پاؤں سے اٹھایا اور جھک کر بغلگیر ہوئے تھوڑی دیر کنار عافیت میں لینے کے بعد اپنے اصحاب سے تعارف کرایا ملاقات سے فراغت ہوئی تو سید مودب ہو کر دو زانو بیٹھ گئے اور عرض کی۔

چہ خوش باشد کہ بعد از انتظارے

بہ امیدے رسد امید وارے

مرشد نے فرمایا کہ جس روز سے تم اپنے گھر سے نکلے ہیں منزل بمنزل تمہارا نگراں رہا ہوں، الحمد للہ کہ مجاہدہ مشاہدے سے تبدیل ہوا اب تم میرے محفہ پر سوار ہو اور خانقاہ چلو حضرت نے ازراہ انکسار عرض کی کہ "خواجہ سوار اور بندہ بھی سوار" مرشد نے اصرار کیا تو مجبوراً محفہ پر سوار ہوئے اور حضرت کے ہمراہ چلے جب خانقاہ عالم پناہ نظر آئی تو بے اختیار سواری سے کود پڑے۔ حضرت نے پھر بغل میں لیا اور خانقاہ لے جا کر اپنے پہلو میں جگہ دی عبد اللہ خادم کو حکم دیا کہ دسترخوان لاؤ ملازم ہاتھ دھلانے

آئے تو آپ نے سید سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ دونوں جہان کے مقاصد سے ہاتھ دھو تب وصل کے خوان پر پہنچے گا۔ حضرت نے عاجزی سے کہا کہ میں نے اپنے نفس سے ہاتھ دھو لیا ہے۔ تب اس درگاہ میں حاضری کی نعمت ملی ہے قسم قسم کے کھانے دسترخوان پر چنے گئے۔ مرشد نے اول چار لقمے اپنے مبارک ہاتھ سے حضرت سید کے منہ میں رکھے جن کو آپ نے بڑی تعظیم سے تناول کیا حاضرین محفل کو حیرت تھی کسی عزیز و بیگانہ کو یہ سرفرازی نہیں حاصل ہوئی جو اس پردیسی مسافر کے حال زار پر مبذول ہے۔ مگر وہ لوگ کھانے میں مصروف تھے اور حضرت اپنے مرشد کے چہرۂ مبارک کے دیدار میں مشغول چند ہی لقمہ کھائے آخر میں پن بھتہ حاضر کیا گیا جو اس عہد کے درویشوں کی مرغوب غذا تھی اور پختہ چاول پانی میں سرد کر کے بنائی جاتی تھی۔ مرشد نے کہا کہ پن بھتہ کھاؤ بیابان طلب کے پیاسوں کو اس غذا سے سیرابی ہوتی ہے۔ ارشاد کی تعمیل کی کھانے سے فراغت ہوئی پان کے بیڑے آئے تو مرشد نے ایک ایک بیڑا سب حاضرین کو دیا اور ایک بیڑا اپنے مبارک ہاتھ سے حضرت کو خود کھلایا۔ اس کے بعد تین بیڑے یکے بعد دیگرے کھلائے چار بیڑوں کے بعد بیعت کے لئے اشارہ کیا۔ خدام ہٹ گئے اور جو طریقہ بیعت کا سرکار میں مروج تھا اس کے مطابق کیا اور اپنی کلاہِ مبارک حضرت کے سر پر رکھدی۔ حاضرینِ مجلس نے مبارک باد دی حضرت کے خلفا میں سے ایک فاضل مولا علی نام حاضر مجلس تھے انھوں نے فی البدیہ دو شعر عرض کئے۔

مرید عشق را از پیر ارشاد	ز بندِ روزگار آزاد کردہ
در آورده بسر تیغ ارادت	جہاں آمد مبارکباد کردہ

مرشد اپنے مرید جدید کو حجرے کے اندر لے گئے اور اسرارِ وحدت سے آگاہ کرکے خود باہر نکل آئے مرید کو تنہا حجرے میں چھوڑ دیا اور ایک پہر کے بعد اندر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ مرید خم وحدت سے مست ہیں اور عجیب وغریب حال طاری ہے۔ مرید کو ہاتھ پکڑ کر باہر لائے چہرہ آفتاب کی طرح چمکتا تھا مرشد نے اپنے پہلو میں بٹھایا زاویۂ حرم سے اپنے مشائخ کے تبرکات باہر لائے تمام اصحاب کو جمع کیا اور فرمایا کہ تم لوگ خبردار رہو کہ یہ امانت برسوں سے میرے پاس تھی۔ اب اس کا مستحق آگیا تو میں اس کے سپرد کرتا ہوں۔ اصحاب نے عرض کی کہ حضرت مرشد مختار ہیں تب آپ نے سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کا خرقہ جو انھوں نے اخی سراج الدین کو دیا تھا اور انھوں نے شیخ علاء الدین گنج نبات کو پہنایا تھا۔ آپ نے حضرت سید کو عنایت فرمایا اس کے علاوہ اور بھی تبرکات مشائخ عطا ہوئے سید اشرف نے وہ سب تبرکات اسی دن ایک فقیر کو خیرات کر دیے بعض مریدین کو یہ فعل ناگوار ہوا۔ اور انھوں نے غصہ اور حسد سے اعتراض کیا کہ تبرک خاص دوسروں کو ایثار کرنا جائز نہیں اور یہ شکایت حضرت مرشد تک پہنچائی مرشد نے فرمایا کہ وہ فقیر کوئی فعل بے معنی نہیں کرسکتا ہے۔ اسی سے سوال کرو کہ تبرکات کیوں دوسرے کو دیدیے۔ حضرت سید سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ لباس عین پیر ہے یا غیر ظاہر ہے کہ لباس عینِ پیر تو ہو نہیں سکتا غیر پیر ہے۔ میرے پیر کی نظر غیر پر نہیں ہے اور مرید کو صفات پیر کا تابع ہونا چاہیے۔ اگر میں غیر پیر پر التفات کروں تو پیر سے فیض حاصل نہیں کرسکتا۔ اور پیر سے فیض حاصل نہ کیا تو کیا نسبت پیر سے رہی جب یہ جواب باصواب مرشد کی خدمت مبارک

میں پہنچا تو مرید کی بہت تعریف کی اور بارگاہِ الٰہی میں دعا کی کہ اس مرید کی خوشبو شرق سے غرب تک پہنچے۔ غرض تبرکات اور عنایات سے بہرہ مند ہو کر حضرت اپنے مرشد کی ملازمت میں حاضر رہے۔ خلوت گاہ خاص سے قریب ایک حجرہ ان کو عنایت ہوا۔ اسی میں عبادت کیا کرتے تھے۔ شیخ علاء الدین کا دستور تھا کہ اپنے مریدوں سے سخت ریاضت لیا کرتے تھے اور دس بارہ سال مشقت کراتے تھے خود اپنے صاحبزادے حضرت شیخ نور الحق سے آٹھ سال تک ہیزم کشی کرائی تھی۔ ایک روز شیخ کے بڑے صاحبزادے جو بنگال کے وزیر اعظم تھے خانقاہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ شیخ نور الحق لکڑی کا گٹھا سر پر لادے ہوئے آئے اور باورچی خانہ تک پہنچایا وزیر کو بھائی کا یہ حال دیکھ کر بہت رنج ہوا۔ چند سخت کلمات زبان پر لائے والد نے نظر اٹھا کر دیکھا تو لکڑی کا گٹھا مخدوم زادے کے سر سے ایک گز اونچا تھا خاموش ہوئے اور ہیزم کشی کے بجائے حکم دیا کہ جس جگہ بوڑھی عورتیں پانی کھینچتی ہیں وہاں مٹی بہت نم ہے اور نرم ہو گئی ہے اور ضعیفوں کے پاؤں پھسلتے ہیں تم ان ضعیفوں کے گھڑے اپنے سر پر اٹھا کر کچی زمین تک پہنچا دیا کرو۔ چار سال تک یہ خدمت ان کے سپرد رہی تھی۔ ان ریاضات شاقہ کا ثمرہ تھا کہ وہ مخدوم زادے شیخ نور منصبِ قطبیت سے سرفراز ہوئے آج تک مشرقی ہندوستان میں حضرت قطب عالم پنڈوی کے نام سے مشہور ہیں اور بعض اعمال اور منتروں میں ان کے نام کی دہائی دی جاتی ہے۔ مثلاً ایک مشہور منتر ہے۔

"بادان ہاتھ۔ بجر ہاتھ۔ بھسم کرے پیٹ کا بھات۔ دہائی حضرت شاہ قطب عالم پنڈوی کی۔"

غرض حضرت مرشد نے اگرچہ خود اپنے پیر کی بہت خدمت کی تھی۔ اور اپنے سب مریدوں سے ریاضت کے طلب گار رہتے تھے لیکن سید کو کسی خدمت پر مامور نہیں کیا انھوں نے کئی بار عرض کی کہ کوئی مشقت ان کے لئے بھی مقرر ہو مگر مرشد نے فرمایا کہ فرزند اشرف میں تم سے کیا خدمت لوں جب میں نے تم کو لباس پہنایا تو حضرت خضر علیہ السلام نے تمہاری تعریف میں اس قدر مبالغہ کیا تھا کہ مجھ کو تم سے کوئی محنت لیتے شرم آتی ہے تمہارے سپرد کوئی خدمت کی جائے تو میں حضرت ابو العباس کو کیا جواب دوں گا۔ غرض چار سال تک حضرت بارگاہ میں حاضر رہے کبھی کبھی جاروب کشی کرتے تھے مگر مرشد نے کسی خاص خدمت کا حکم نہیں دیا صرف ذکر و فکر کی تاکید تھی چار سال کے بعد مرشد نے فرمایا کہ سید کے لئے کوئی لقب ہونا چاہیئے۔ القاب آسمان سے نازل ہوتے ہیں غیب سے جو حکم ہوگا وہی لقب مقرر کیا جائے گا۔ مرشد نے پندرھویں شعبان کی مبارک شب میں وظائف سے فارغ ہو کر خلوت گاہ میں مراقبہ کیا صبح ہوتے در و دیوار سے آواز آنے لگی کہ "جہانگیر، جہانگیر" مرشد نے کہا الحمد للہ فرزند اشرف کو جہانگیری کا خطاب ملا اس وقت سید اپنے حجرے میں مشغول بحق تھے۔ جب نماز صبح کے لئے باہر آئے باجماعت نماز ادا کی۔ اور خانقاہ کے دستور کے مطابق سب اصحاب سے مصافحہ کیا تو ہر شخص کی زبان پر تھا کہ خطاب جہانگیری مبارک ہو۔ حضرت نے اسی وقت فی البدیہ قطعہ ذیل عرض کیا۔

مرا از حضرت پیر جہاں بخش   خطاب آمد کہ اے اشرف جہانگیر

کنوں گیرم جہانِ معنوی را که فرمان آمد از شاہم جہانگیر

حضرت کے ادب کا یہ حال تھا کہ بیعت کے دن سے سفر آخرت کے وقت تک پنڈوہ شریف کی طرف پیر نہیں پھیلائے اور نہ اس سمت تھوکا۔ اگرچہ بعض اوقات وہ دو ہزار کوس کے فاصلہ پر ہوتے تب بھی یہ احتیاط ملحوظ رکھتے تھے تقریباً بارہ سال پیر مرشد کی درگاہ میں متفرق اوقات پر حاضر رہے لیکن اس مدت میں شہر کے اندر پیشاب پاخانہ نہیں کیا حاجت کے وقت بستی سے باہر چلے جاتے تھے ایک دن اپنے اصحاب کے ساتھ سیر کر رہے تھے کہ آپ کی نظر ایک کتّے پر پڑی فرمایا کہ غالباً یہ وہی کتا ہے جو میں نے حضرت مخدوم کے آستانہ پر دیکھا تھا۔ بڑی محبت سے پاس بلایا جائے قیام تک ساتھ لے گئے اور وہاں اپنے دامن پر رکھ کر کچھ کھلایا تب رخصت کیا۔ ایک روز یہ قصہ پیش آیا کہ صبح کے وقت وضو کے بعد حضرت نے کسی دوسرے شخص کی پوستین غلطی سے پہن لی۔ اور مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے نماز کے بعد سب اصحاب حلقۂ ذکر میں بیٹھے مرشد نے تھوڑی دیر کے بعد مراقبہ سے سر اٹھایا اور بولے کہ مجلس میں کوئی بیگانہ معلوم ہوتا ہے دریافت کیا گیا تو کوئی غیر شخص موجود نہ تھا پھر مراقبہ کیا تھوڑی دیر کے بعد مکرر فرمایا خوب تلاش کرو کوئی بیگانہ ہے جمعیت میسر نہیں آتی صحبتِ ناقص کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ جب تیسری بار پھر آپ نے یہی فرمایا تو حضرت جہانگیر نے اپنی پوستین کی طرف دیکھا۔ معلوم ہوا کہ کسی دوسرے شخص کی ہے۔ خانقاہ سے باہر گئے اور اس پوستین کو اتار کر حلقہ میں شریک ہوئے جمعیتِ خاطر حاصل ہوئی اور یہ ثابت ہو گیا کہ صحبتِ

ناقص مبتدی اور متوسط کے لئے اس حد تک زہر قاتل ہے کہ اس کے لباس سے بھی وحشت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد ستائیسویں رمضان کی شب کو جو لیلۃ القدر مشہور ہے حضرت جہانگیر مرشد کی خدمت میں بیٹھے تھے اور سخنانِ معارف و اسرار سن رہے تھے کہ مرشد کی زبان مبارک پر آیا "فرزند اشرف میں نے اپنی استعداد کبھر تعلیم کر دی۔ اور ہدایت کا رو نہایت اسرار سے جو در کار تھا بتلا دیا خدا یہ دولت سب کو نصیب کرے۔"

صبح کے وقت حضرت کمر باندھ رہے تھے کہ حجرے سے نکل کر مرشد کے حضور میں جائیں یکبارگی پیر کے نعلین کی آواز آئی اور وہ خلوت کے دروازہ تک پہنچ گئے پوچھا کہ سید کس کام میں مشغول ہو۔ حضرت نے عرض کی کہ خدمت کے لئے کمر باندھ رہا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ کمر باندھتے ہو تو ایسی مضبوط باندھو کہ درمیان میں کچھ باقی نہ رہے۔ عرض کی میں آرزوئے نفس دل سے نکال ڈالی۔ اور جب تک زندہ رہوں گا اس کے خلاف نہ ہوگا ارشاد ہوا کہ مبارک ہو مگر حجرے سے باہر نکلے تو حضرت کو افسوس تھا کہ اب ان کا قائم مقام پیدا نہیں ہو سکتا۔ مرشد اس خطرے سے آگاہ ہو گئے اور کچھ دیر کے بعد بشارت دی کہ سید مبارک ہو تمہارے لئے میں نے ایک فرزند دینی پروردگار سے طلب کیا ہے جس کی بزرگی کا غلغلہ دور تک پہنچے گا۔ دنیا کے خاتمہ تک اس کا سلسلہ منقطع نہ ہوگا اور وہ فرزند تمہارے ہی خاندان کا جگر گوشہ ہوگا یہ بشارت سنکر حضرت نے مرشد کے قدم پر سر رکھدیا اور سب اصحاب نے مبارکباد دی خدمت مرشد میں چار برس پورے ہو چکے تھے کہ ایک روز

ارشاد ہوا فرزند اشرف مثل مشہور ہے کہ دو شیر ایک جنگل میں نہیں رہ سکتے۔
اور دو تلواریں ایک نیام میں نہیں رہتیں۔ مناسب ہے کہ تمہارے لئے کوئی اور مقام
تجویز کیا جائے تاکہ اہالی روزگار تم سے مستفید ہوں اور گم گشتگان ضلالت کی تم سے
ہدایت ہو حضرت نے باادب عرض کی کہ میں غریب الوطن ہو کر اس نیت سے حاضر
ہوا ہوں کہ حضرت کی درگاہ پر جبہ سائی کروں مگر حضور مجھ کو اس دولت سے محروم کرنا
چاہتے ہیں ارشاد ہوا کہ مرضئ الہٰی یونہی ہے اور تم جدا ہونے پر مجبور ہو۔ دو سال تک یہ
اصرار و اعتذار ہوتا رہا۔ آخر کار مرشد نے فرمایا کہ جدائی میں ایک حکمت ہے جس سے
تم مطلع نہیں ہو اور تم کو اس حکم پر راضی ہونا چاہیئے۔ بچوں کو عہد شیر خوارگی کے بعد
دودھ پلانا زہر کی خاصیت رکھتا ہے مجبوراً حضرت نے سر تسلیم خم کیا۔ مرشد نے ولایتِ
جونپور سپرد کی اور قرار پایا کہ رمضان ختم ہونے کے بعد سفر کا آغاز ہو۔

ظفر آباد

عید کے دن حضرت مرشد نے کوچ کا حکم دیا نقارہ و علم عطا کیا۔
مختلف انواع کے لباس حضرت جہانگیر کو پہنائے شہر کے سب اکابر و
اصاغر خانقاہ میں جمع تھے اور ہر دل عزیز مرید کی جدائی کا سب کو قلق تھا۔ حضرت نے
عرض کی کہ بندہ کو جونپور جانے کا حکم ہوا ہے مگر اس مرغزار میں ایک شیر رہتا ہے۔
مرشد نے فرمایا کہ تم شیروں کا غم نہ کرو تم کو خدا ایک شیر بچہ دے گا۔ جو مخالفوں کو زیر
کرے گا اور تمہاری پہلی فتح ظفر آباد میں ہوگی۔ حضرت رخصت ہوئے گھوڑے اور اونٹ
علم اور نشان ساتھ تھے۔ چلتے چلتے قصبہ منیر میں پہنچے وہاں ایک فقیر ثمن اردلی موجود تھے
انھوں نے یہ شاہانہ دبدبہ دیکھا تو ان کے دل میں خطرہ گذرا کہ درویشوں کو اس شان و
شکوہ سے کیا واسطہ حضرت نے فرمایا کہ میخ طویلہ گل میں ہے دل میں نہیں رکھتا اور

حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر کی یہ مشہور رباعی پڑھی۔

غرض از حاصل کار راست اے یار | بہر نوعے کہ ظاہر ہست گو باش
بہر کس نیست لازم راہ تجرید | چو او آن تو شد تو آن او باش

منزل بہ منزل کوچ کرتے ہوئے قصبہ محمد آباد گوہنہ تک آئے سواد قصبہ کے باہر ایک باغ میں حضرت کا خیمہ نصب ہوا اس دیار کے علماء و فضلا حضرت کی ملاقات کو آئے اور دیر تک معارف و حقائق کا بیان ہوتا رہا اتفاقاً مناقب اصحاب پر گفتگو شروع ہوئی۔ حضرت نے اہلِ سنت کے عقائد بیان کئے تمام حاضرین مجلس نے تعریف کی حضرت نے فرمایا کہ میں نے مناقبِ صحابہ میں ایک کتاب لکھی ہے اگر آپ لوگ اس کا مطالعہ کرنا چاہیں تو دیکھ سکتے ہیں۔ سب نے اشتیاق ظاہر کیا وہ تصنیف متبرکہ ہمراہ تھی پیش کی گئی۔ اکثر علماء نے تعریف کی لیکن ایک فاضل قاضی احمد نام نے اعتراض کیا کہ حضرت علی کی منقبت دوسرے اصحاب سے زیادہ لکھی ہے بعض دوسرے علماء بھی ان کے ہمزبان ہو گئے۔ بحث کو طول ہوا اور روایات و رسائل کے حوالے دیئے جانے لگے۔ حضرت کا تخطیہ کیا شہر جا کر ایک استفتا لکھا اور باہم طے کیا کہ آئندہ جمعہ کو جامع مسجد میں حضرت سے تعرض کیا جائے۔ اس خبر سے حضرت کو تردد ہوا مگر جمعہ کا وقت آیا تو ایسی شدید بارش ہوئی کہ شہر میں سیلاب آگیا اور کوئی شخص جامع مسجد تک نہ آسکا معترضین کی جماعت میں تفرقہ پڑ گیا ایک عالم سید خان نام تھے ان کو خواب میں ہدایت ہوئی کہ اشرف جہانگیر معمولی آدمی نہیں ہیں تم ان سے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے۔ خیریت اسی میں ہے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کرو۔ سید خان کی زوجہ منکوحہ بھی بہت صالحہ تھیں۔ اس نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا اور

شوہر کو صلاح دی کہ حضرت سے عذر خواہی کرو اور تمہارے کوئی لڑکا نہیں ہے اُن سے دعا کراؤ شائد ان کے طفیل سے اولاد نصیب ہو۔ اس واقعہ سے پیشتر وہ بی بی ایک رات خواب دیکھ چکی تھیں کہ ایک بزرگ پورب سے آئے ہیں۔ اور مجھ کو چار آم دیئے ہیں منکوحہ صالحہ کے مشورے کے مطابق سیّد خان آستاں بوسی کے لئے حاضر ہوئے۔ اور عرض کی حضرت کچھ تردد نہ کریں میں ان سب معترضین کو جواب دوں گا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ فقیر بھی جواب باصواب رکھتا ہے لیکن وہ لوگ بے انصافی سے قبول نہیں کرتے عرض کی بے شک ایسا ہی ہے لیکن اس مخلص معتقد نے دوسری تجویز سوچی ہے حضرت مسرور ہوئے بخوشی تمام چار آم ان کو عنایت کئے اور کہا کہ تم کو چار بیٹے مبارک ہوں۔ ایک طاہر دوسرا مطہر تیسرا طیب اور چوتھا محمدؐ لعد ان میں سے ہر ایک عالم فاضل ہوگا۔ سیّد خان خوش ہو کر واپس گئے۔ اور دوسرے جمعہ کو جب علمار نے استفتار پیش کیا تو سیّد خان نے کاغذ اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھا اور کہا کہ حضرت علی کے مناقب کے بابت تمہارا اعتراض بے جا ہے کیونکہ یہ نکتہ چینی سیّد کی کتاب پر درست نہیں اگر غیر سید ایسا لکھتا تو اعتراض کی گنجائش ممکن تھی کیونکہ اپنے باپ کی تعریف میں غلو معاف ہے علمار نے اس خیال کی سند مانگی تو سیّد خان نے ایک حدیث کا حوالہ دیا جس میں یہ الفاظ شامل ہیں کہ الناس ابناء الدنیا ولا یلام الرجل علی حب ابویہ ولعد حھما۔ یعنی آدمی دنیا کے فرزند ہیں اور کسی مرد پر اپنے والدین سے محبت رکھنے یا ان کی تعریف کرنے پر ملامت نہیں کی جاتی ہے۔

یہ روایت سنکر معترضین خاموش ہوئے اور شرمندہ ہو کر معذرت کرنے لگے حضرت نے سیّد خان اور ان کے ہمزبان علمار کے لئے دعا کی: "حق تعالےٰ تم کو اوہ

تمہاری اولاد کو کمالات دارین تک پہنچائے۔ مگر اعتراض کرنے والوں کے لیے دعائے خیر نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے ہر ایک مصیبت میں گرفتار ہوا۔ القصہ محمد آباد گوہنہ سے منزل بہ منزل سفر کرتے ہوئے ظفر آباد پہنچے۔ ہمراہیوں نے دریافت کیا کہ نزول کس مقام پر ہوگا۔ فرمایا کہ ہم اپنے مقررہ طریقہ پر مسجد میں قیام کریں گے چنانچہ مسجد ظفر خان میں اسباب سفر اتارا گیا اور بیل۔ گھوڑے۔ اونٹ وغیرہ صحن مسجد میں باندھے گئے شہر میں ہنگامہ ہوا کہ عجیب درویش آیا ہے جس نے باوجود عالم ہونے کے جانور مسجد میں باندھے ہیں۔ دو تین طالب علم امتحان و اعتراض کے لئے آئے مگر قبل اس کے کہ وہ حضرت سے سوال کریں انھوں نے دیکھا کہ ایک جانور نے حضرت کی طرف کچھ اشارہ کیا۔ آپ نے حکم دیا کہ اس کو باہر لے جاؤ یہ پیشاب کرے گا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک گھوڑے نے اشارہ کیا حکم ہوا کہ اس کو باہر لے جاؤ یہ لید کرے گا۔ اسی طرح چند جانور یکے بعد دیگرے باہر نکالے گئے۔ تب آپ آنے والوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ جانوروں کا مسجد میں باندھنا کثافت اور غلاظت کے خوف سے ممنوع ہے لیکن وہ علت باقی نہ رہے تو اس کے باندھنے میں کوئی حرج نہیں مگر مقتضائے معیب یہی ہے کہ جانوروں کو مسجد میں نہ باندھے ہم لوگ مسافر ہیں اور حفاظت کا کوئی انتظام نہیں کر سکتے۔ اس واسطے مجبوری سے ان جانوروں کو صحن مسجد میں باندھا ہے وہ لوگ متعجب ہوئے اور واپس چلے گئے۔

چند روز کے بعد بعض مسخروں نے یہ سوانگ بنایا کہ ایک شخص کو کفن پہنا کر اور مردے کی طرح چارپائی پر ڈال کر روتے ہوئے حضرت کے سامنے لائے اور کہا کہ نماز جنازہ پڑھا دیجئے۔ ان لوگوں کا منشا یہ تھا کہ جب نماز جنازہ شروع ہوگی تو

وہ مردہ ہنستا ہوا اٹھ کھڑا ہو گا۔ اور درویشوں سے مذاق کیا جائے گا۔ معلوم نہیں کہ یہ شرارت ان کو کس نے سوجھائی تھی یا خود ہی انھوں نے یہ تجویز دل سے نکالی تھی حضرت نماز اشراق سے فارغ ہو کر بیٹھے تھے کہ جنازہ لایا گیا مسخروں کی گریہ وزاری حد سے بڑھی تو حضرت نے اپنے اصحاب میں سے ایک کو اشارہ کیا کہ تم ان کی اجازت لیکر نماز جنازہ پڑھا دو۔ انھوں نے تین بار اجازت طلب کی اور اس کے بعد نماز کے لئے تکبیر کہی ادھر پہلی تکبیر ہوئی اور اُدھر اس مسخرے کی روح قالب سے پرواز کر گئی اس کے ساتھی انتظار میں تھے کہ یہ مُردہ اٹھے اور مذاق شروع کریں۔

حضرت کے اصحاب میں سے ایک نے اشارہ کیا کہ نعش لے جاؤ اور خاک کے سپرد کر دو۔ وہ مسخرے بدحواس ہوئے اور روتے دھوتے نعش لے کر واپس ہوئے۔ یہ خبر تمام شہر میں پھیل گئی اور مسجد میں خلقت کا اژدھام ہونے لگا۔ پردیسی درویش کا یہ غلغلہ حاجی چراغ ہند کو پسند نہ آیا جو اس وقت ظفر آباد کے مشہور صاحب ولایت تھے ان کا اسم مبارک شیخ صدر الدین تھا۔ اور اپنے ماموں زاد بھائی شیخ ابو الفتح رکن الدین خلیفہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید تھے علاوہ فضائل علوم صوری و معنوی کے حافظ قرآن تھے۔ سات بار مناسک حج پیادہ پا ادا کئے تھے۔ ہمیشہ جذب و استغراق کا غلبہ رہتا تھا۔ خرقۂ خلافت عطا ہونے کے بعد ولایت ظفر آباد سپرد ہوئی تھی اور وہاں ان کے فیوض جاری تھے۔ سرور پور کے ایک نوجوان کبیر نام کو بعد تحصیل و تکمیل علوم عربیہ سلوک اور ارادت کا شوق ہوا مرشد کی جستجو میں تھے کہ ایک شب خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ نورانی صورت میانہ قد سرخ بالوں والے آئے ہیں اور نان و شربت سے ان کی ضیافت کی ہے۔ خواب سے

چونکہ تو ان کے شوقِ ارادت میں اضافہ ہوا۔ اس دیار کے صاحب ولایت حاجی چراغ ہند تھے۔ لہٰذا وہم ہوا کہ جن بزرگ کو خواب میں دیکھا ہے وہی ہوں گے اپنے شاگردوں کو ساتھ لے کر ظفر آباد آئے اور حاجی صاحب کی خدمت میں بہ نیت بیعت حاضر ہوئے جب شرفِ زیارت حاصل کیا تو تردد پیدا ہوا کہ جو صورت خواب میں دیکھی تھی وہ نہیں ہے بیعت ملتوی رکھی اور غور و فکر کے لئے چند روز شہر میں مقیم رہے اس اثنا میں حضرت جہانگیر کی ولایت کی دھوم مچی۔ انھوں نے بھی غلغلہ سنا اور قصد کیا کہ ایک دن ان بزرگ کے پاس بھی جانا چاہیئے۔ یہاں حضرت جہانگیر مسجد ظفر خان میں مقیم تھے اور اپنے اصحاب سے کہتے تھے کہ ایک دوست کی خوشبو دماغ میں آتی ہے مگر اس کی صورت نظر نہیں آتی۔ اتنے میں شیخ کبیر سامنے آئے جیسے ہی حضرت کی نظر پڑی فرمایا کہ وہ دوست جس کو میں یاد کرتا تھا آگیا اور خادم سے کہا کہ نان و شربت تیار کرو شیخ کبیر نے حضرت کا جمال دیکھا تو پہچان لیا کہ صاحبِ خواب یہی ہیں فوراً پڑھا اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۵ اور دوڑ کر قدمبوس ہوئے اسی وقت بیعت کے لئے التجا کی اور حضور نے شرفِ ارادت سے معزز فرمایا۔ نان و شربت اپنے ہاتھ سے عزیز مرید کو عطا کیا۔ اصحاب سے مصافحہ کرایا اور ہر ایک نے مبارکباد دی۔

شرف چوں یافت از راہِ ارادت ہمہ یاراں مبارک باد کردند

شیخ کبیر کے مرید ہونے کی خبر حاجی چراغ ہند کو ملی تو ان کو ناگوار ہوا اور کہنے لگے کہ یہ شخص ہمارا مرید ہونے کے لئے آیا تھا آج دوسری جگہ چلا گیا یہ غصہ اگرچہ ان کے حال کے مناسب نہ تھا لیکن تقاضائے بشریت سے تعصب پیدا ہوا اسم ذوالجلال

کی تجلی ہوئی اور زبانِ مبارک سے نکلا کہ "کبیر جوان مرے"

شیخ کبیر کو اس تجلی کی خبر ہوگئی۔ حضرت جہانگیر بھی متاثر ہوئے اور فرمایا کہ فرزند کبیر غم نہ کرو اور اس بددعا کو پھیر دو۔ شیخ کبیر نے انکسار سے عرض کی کہ میں کیا کر سکتا ہوں جو بددعا انھوں نے میرے حق میں کی ہے ویسی ہی ان پر پڑے اور وہ مجھ سے پہلے مریں۔ حضرت نے فرمایا کہ "خدا کی مرضی اور مشیت الہٰی یونہی تھی"۔ دونوں بزرگوں کی دعا ہدفِ اجابت پر پہنچی ۲۵ سال کی عمر میں شیخ کبیر کے بال سفید ہوگئے اور حاجی چراغ ہند کی شمع ہدایت شیخ کبیر سے ۵ سال پہلے گل ہوگئی۔ اس قصّہ کے بعد ایک دن حضرت مسجد میں بیٹھے تھے اور اصحاب حلقہ میں حاضر تھے کہ حاضرین کو گرمی معلوم ہوئی تھوڑی دیر تک ضبط کیا جب حرارت برداشت سے باہر ہوگئی تو اصحاب نے ایک ایک کرکے حلقہ سے اٹھنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ کوئی یار باقی نہ رہا تب حضرت جہانگیر مسکرائے اور کہا کہ یہ چراغ کی آگ ہے اس کو ٹھنڈا کرنا چاہیئے پانی کی چھاگل پاس رکھی تھی حکم دیا کہ اس میں سے تھوڑا پانی لے کر چھڑک دو۔ چراغ کی گرمی کم ہو جائے گی۔

جس وقت یہاں پانی گرایا گیا حاجی صاحب غسل کر رہے تھے۔ فوراً ان کا جسم ٹیڑھا ہو گیا اور وہ معذور و مفلوج ہوگئے اپنے اکابر کی ارواح کی طرف توجہ کی اور یہ شکایت مرتبہ بہ مرتبہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائی گئی۔ اس سرکار سے فرمان ہوا کہ اشرف کو چھیڑنا مناسب نہ تھا وہ مہمان تھا اور کچھ بھی نہ تھا تو ہمارا فرزند تھا۔ اس کی رعایت کرنا چاہیئے تھی۔ اب تم لوگ اشرف سے معذرت کرو بزرگوں کی ارواح پاک حضرت کے پاس آئیں اور واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا کہ

"سہل ادا تھی مجھ کو یہاں خود رہنا منظور نہیں ہے۔" روحانیات نے کہا کہ خاندان چشت و سہروردی کے درمیان ہر جگہ حد مقرر ہے اب تم دونوں کے لیے گومتی سرحد قرار دی جاتی ہے تاکہ ایک دوسرے کی ولایت میں تجاوز نہ کریں آپ نے فرمایا کہ درویشوں کا یہ کام نہیں ہے کہ ممالک کی باہم تقسیم کریں۔ ان کو تمام مخلوق کی شفاعت کرنی چاہیے۔ مگر ارواحِ اکابر کی سفارش سے دونوں بزرگوں کے دل صاف ہو گئے۔ ایک دوسرے کے منازل پر تشریف لے گئے اور ساتھ بیٹھ کر نان و نمک تناول کیا۔ حضرت نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ ظفر آباد چھوڑ کر جونپور میں قیام کرد ظفر خان کی مسجد چھوڑنے سے پہلے ایک دن حاجی چراغ ہند آپ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک جماعت چوروں کی آئی اور مرید ہونے کی درخواست کی حضرت نے ازراہِ انکسار حاجی چراغِ ہند سے کہا کہ ان لوگوں کو آپ مرید کرلیں۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ ارادت سے مقصود توبہ ہے اور یہ لوگ توبہ نہیں کرتے۔ ان کو میں کیونکر مرید کرسکتا ہوں حضرت نے فرمایا کہ ہم جواں مرد ہیں اور سائل کو ناامید نہیں کرسکتے ہیں ان کو مرید کرتا ہوں۔ اس گروہ نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا جیسے ہی حضرت کے ہاتھ سے ایک کا ہاتھ مس ہوا اس کے جسم میں لرزہ پڑ گیا اور توبہ و استغفار شروع کی۔ جب انھوں نے چوری اور قطاع الطریقی سے توبہ کرلی۔ حضرت نے سب کو مرید کرلیا اور ان کے سروں پر مقراض چلائی۔ بیعت کی برکت سے ان کو سلوک کی توفیق ہوئی اور اولیاء اللہ کے زمرہ میں شامل ہو گئے۔ حضرت فرماتے تھے کہ میں کسی شخص کو اس وقت تک مرید نہیں کرتا۔ جب تک لوح محفوظ میں اس کا نام اپنے مریدین اور مغفورین کی فہرست میں نہیں دیکھ لیتا ہوں۔

اس قصہ کے بعد حضرت نے شیخ کبیر کو دوسرے اصحاب کے ساتھ جونپور میں چھوڑا اور خود عتبات عالیات کی زیارت کے لئے عراق کی طرف راہی ہوئے حاجی چراغ ہند نے اپنے پوتے حضرت شمس الدین عرف بڈھن ظفرآبادی کی ولادت سے تین دن پہلے اپنے حجرہ کا دروازہ بند کر لیا اور کئی دن تک نہ کھولا۔ خادمانِ درگاہ دروازہ توڑ کر حجرے کے اندر گئے تو دیکھا کہ حضرت مخدوم سربسجدہ پڑے ہیں روح پرواز کر چکی ہے اور طاق پر ایک پرچہ کاغذ کا رکھا ہے جس پر حضرت کے قلمِ خاص سے یہ لکھا ہوا ہے "طلوع شمس مغلوب چراغ است" یہ واقعہ ۷۷۲ھ کا ہے اور اس سے ۵ سال بعد یعنی ۷۷۷ھ میں شیخ کبیر کی وفات ہوئی۔

سفرِ عراق

حضرت جہانگیر نے بصرہ میں خواجہ حسن بصری اور بعض صحابہ کے مقامات کی زیارت کی۔ کربلائے معلیٰ، نجف اشرف اور کاظمین کی برکات سے مستفیض ہوئے۔ بغداد میں حضرت غوث الثقلین شیخ معروف کرخی اور دوسرے بزرگوں کے مزارات سے فیض حاصل کیا۔ دامنِ کوہ میں ایک بزرگ شیخ عبداللہ نام سے ملاقات ہوئی جو پچاس سال سے اس گھاٹی میں گوشہ نشین تھے اور ان کے خوارق و کرامات کی شہرت تھی۔ رخصت کے وقت شیخ عبداللہ نے ابوسعید ابوالخیر کی ایک رباعی بتائی اور کہا کہ مریض کی عیادت کے وقت یہ رباعی زبان پر ہو تو اس مریض کے لئے صحت کی امید کرنا چاہیے۔

فتنہ انگیزی و دامن درکشی ‏ ‏ ‏ تیر اندازی کماں پنہاں کنی

با تو نتواں گفت ایں و آں مکن ‏ ‏ ‏ بادشاہی ہرچہ خواہی آں کنی

اسی سفر میں جیلان پہنچے وہاں ایک رشتہ دار سید حسین عبدالغفور سے

ملاقات کی جو حضرت غوث الثقلین کی اولاد میں تھے اور حضرت جہانگیر کی ایک خالہ زاد بہن ان کے نکاح میں تھیں۔ ان کے صاحبزادے سید عبدالرزاق کو حضرت سے بڑی الفت ہوگئی اور خدمت میں حاضر رہنے کی درخواست کی۔ سید زادے کی عمر اس وقت صرف ۱۲ سال کی تھی۔ ان کے والد بزرگوار اور دوسرے اقارب نے بہت نصیحت کی۔ لیکن کچھ اثر نہ ہوا جب سید عبدالغفور نے دیکھا کہ نصیحت و فہمائش کا کچھ اثر نہیں ہوتا تو صاحبزادے کو حضرت کی خدمت میں لائے اور کہا کہ میں اس لڑکے کو اللہ کے واسطے آپ کی ملازمت کے لئے پیش کرتا ہوں اور اپنے حقوق معاف کرتا ہوں صاحبزادے کی ماں نے بھی اپنے جگر گوشہ کو آپ کی خدمت کے لئے نذر کیا۔ والدین کے اصرار سے حضرت نے اس صاحبزادے کو اپنی فرزندی میں قبول کیا اور پرانی قرابت کو تازہ کر دیا حضرت کی تربیت اور فیض صحبت سے صاحبزادے نے نور العین کا خطاب پایا اور حضرت کی وفات کے بعد چالیس[1] سال تک سجادہ نشین درگاہ رہے۔ آخری زمانہ میں حضرت فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو حق تعالےٰ نے دو نعمتیں دی تھیں اور وہ دونوں میں نے عبدالرزاق کو دے دیں اور یہ بھی فرمایا کہ شیخ زادے بہت کم جادۂ ہدایت پر رہتے ہیں۔ لیکن میرا فرزند "شیخ زادہ" نہیں ہے بلکہ اس کا کام "شیخ زادن" ہوگا اور اسکی

---

[1] سید نور العین کا سال وفات ۸۴۸ھ ہے وہ ۸۰۸ھ میں سجادہ نشین ہوئے اور ایک سو بیس برس کی عمر پائی۔ ۶۸ برس تک سید اشرفؒ کے سفر و حضر میں ہمراہ رہے۔ بارہ سال کی عمر سے خدمت گذاری شروع کی تھی۔ لہذا یہ واقعہ ۷۴۰ھ یا اس کے قریب کا ہے (ماخوذ از مرأۃ الاسرار)

نسل سے شیخ پیدا ہوں گے۔ عراق سے کوچ کر کے دمشق پہنچے اور ماہ رمضان وہاں بسر کیا۔ مسجد جامع میں معتکف تھے اور فقراء و فضلا کو تراویح پڑھاتے تھے کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک شب میں قرآن ختم کرتے تھے آسودہ طبیعت لوگ اتنی طویل نماز کی کلفت برداشت نہیں کر سکتے تھے اور تھک جاتے تھے لیکن عابد و مرتاض اس قیام کو معراج سمجھتے تھے تقریباً ایک سو اہلِ کمال آپ کی اقتدا میں تراویح پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ جس شخص نے امام پرہیزگار کے پیچھے نماز ادا کی تو اس نے گویا نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔

ہلالِ عید نمودار ہوا ہر طرف طبل و نقارے بجنا شروع ہوئے تو حضرت نے ایک نعرہ مارا اور تحیر و تفکر کے دریا میں غرق ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ بیسویں رمضان سے مجھ کو ہوش نہ تھا یاد نہیں کہ اس زمانہ میں نماز پڑھی ہے یا نہیں اصحاب نے عرض کی کہ کوئی دقیقہ آداب نماز کا فروگذاشت نہیں ہوا فرمایا کہ الحمدللہ اشرف کا وقت شیخ اکبر کی طرح محفوظ رکھا گیا کیونکہ انھوں نے فتوحاتِ مکیہ کے باب چالیس میں لکھا ہے کہ ایک وقت ان پر ایسا گذرا تھا کہ وہ نماز با جماعت پڑھتے تھے۔ امامت کرتے تھے اور تمام اعمال نماز بجا لاتے تھے۔ مگر عالمِ محسوس میں کسی چیز کا شعور نہ تھا۔ بعد افاقت حال کے سمجھے کہ جو کچھ ان سے واقع ہوا وہ حرکات نائم کی طرح تھا جس میں نہ شعور تھا نہ اختیار اس مسجدِ جامع میں ایک دن بعض صوفی حاضر ہوئے اور معارف و حقائق کی گفتگو شروع کی۔ وہ صوفیوں کی شطحیات و کلمات کے معانی حضرت سے پوچھتے تھے۔ لیکن ان کا مقصود استفادہ نہ تھا بلکہ اپنی قابلیت کا اظہار منظور تھا حضرت نے

فرمایا کہ اے عزیز الفاظ توحید سے دھوکہ میں نہ پڑو محض لفظوں کے جاننے سے توحید کا ادراک نہیں ہو سکتا جب تک علائق روزگار سے باہر نہ نکلو اور ریاضت شاقہ عبادات پسندیدہ سے مہذب نہ بنو محض الفاظ سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا کوشش کرنا چاہیئے کہ یہ صفات تمہاری ذات میں قائم ہوں تب معلوم ہوگا کہ وحدت کیا چیز ہے۔

کار کن کار بگذر از گفتار   کاندریں راہ کار دارد کار

حرمین شریفین حضرت جہانگیر مدینہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور وہاں سخت بیمار ہو گئے تکلیف اور بیتابی اس قدر بڑھی کہ ہمراہی زندگی سے مایوس ہوئے۔ بیس روز تک تکلیف رہی اکیسویں شب کو وقت سحر جمال جہاں آرائے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ بشارت سے سرفراز فرمایا اور آخر میں ارشاد ہوا کہ فرزند اشرف ابھی تمہاری عمر بہت باقی ہے غم نہ کرو بہت سے مسلمان تمہارے وسیلہ سے دروازۂ وصول تک پہنچیں گے اور بہت سے عوام تمہارے ذریعہ سے خواص کی منازل میں جگہ پائیں گے۔ بشارت کے بعد صبح ہوتے ہی صحت کے آثار نمودار ہوئے اور چند روز میں صحت ہو گئی۔ عرصہ تک مواجہ اقدس میں حاضری دیتے رہے۔ موسم حج قریب آیا تو مکہ معظمہ گئے وہاں امام عبداللہ یافعی سے ملاقات ہوئی جو صاحب خوارق و کرامات جامع علوم ظاہری و باطنی تھے۔ تمام عمر حرمین شریفین میں رہے خرقہ بجنید واسطہ حضرت غوث الثقلین سے ملا تھا اور انہی نے مخدوم جہانیاں جہاں گشت کو شیخ نصیر الدین چراغ

دہلی کے پاس بیعت کے لئے بھیجا تھا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ان کی تصانیف میں سے روضتہ الریاحین اور مرات الجنان بہت مشہور ہیں وہ ۷۶۸ھ تک زندہ تھے لہذا حضرت جہانگیر کی ملاقات کا زمانہ بھی اسی سال کے قریب سمجھنا چاہیئے۔

حضرت جہانگیر مدت تک ان کی ملازمت میں رہے۔ لطائف و ظرائف معارف آمیز سے بہرہ مند ہوئے اس وقت سید علی ہمدانی بھی ان کی مجلس میں حاضر تھے اور یہ سید ہمدانی وہی ہیں جن کا تذکرہ سید عبدالرزاق کاشانی سے ملاقات کے ضمن میں پہلے آچکا ہے۔ انھوں نے ایک دن امام یافعی سے شیخ اکبر محی الدین ابن العربی کے مناقب کی بابت سوال کیا امام صاحب نے فرمایا کہ شیخ اکبر قائلین وحدت وجود کے پیشوا تھے۔ اکثر علمائے ظاہر نے ان پر طعن کی ہے لیکن حضرات صوفیہ بلکہ بعض علمار نے بھی ان کو بزرگ سمجھا ہے۔ ان کے فضائل کی تفصیل میں یہ کافی ہے کہ جب وہ شیخ شہاب الدین سہروردی سے ملنے گئے تو دونوں نے ایک دوسرے کے مقامات پر غور کیا اور بغیر کسی گفتگو کے جدا ہو گئے۔ شیخ الشیوخ سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ محی الدین" دریائے حقائق ہیں۔ شیخ اکبر سے بھی سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ شیخ شہاب الدین" سر سے قدم تک سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھرے ہوئے ہیں" سخن شناس اور نکتہ رس دونوں بزرگوں کے مراتب کی تفریق ان مقولوں سے کر سکتے ہیں۔ عاقلوں کے لئے اشارہ کافی ہے سید علی ہمدانی جنھوں نے یہ سوال کیا تھا شیخ شرف الدین محمود کے مرید تھے پیر کے حکم سے تمام دنیا کی سیر کی تھی اور چودہ سو^۱۴۰۰

اولیاء اللہ کی خدمت سے فائدہ اٹھایا تھا۔ ان کو علاوہ علوم ظاہری کے فنون غریبہ مثل کیمیا و سیمیا میں بھی دخل تھا۔ سیمیا کے جاننے والے اب نایاب ہیں لیکن ان کا ایک ادنیٰ شعبہ مسمریزم کے نام سے مغرب زدہ ممالک میں شہرت پذیر ہے سیمیا میں حروف سے کام تھا مسمریزم نظر کا کھیل ہے۔ مکۂ معظمہ میں اقامت کے بعد حضرت جہانگیر ان کے ہمسفر ہوئے دور دراز مقامات کی سیاحت کی۔ عجائب وغرائب کا مشاہدہ کیا علوم و فنون سیکھے اور خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ان کی صحبت سے اتنا فائدہ اٹھایا ہے کہ بیان میں نہیں آسکتا۔ وہ مثل خورشید کے تھے اور میں ذرہ کی طرح ان کے ہمراہ تھا۔ وہ ایک دفعہ حضرت کو مدینۃ الاولیاء لے گئے جہاں چار سو اولیاء اللہ ایک مجلس میں موجود تھے سید ہمدانی نے حضرت جہانگیر سے اشارہ کیا کہ ان بزرگوں کے حالات و واقعات بیان کرو۔

حق تعالےٰ نے تمام معاملات حضرت جہانگیر پر مکشوف کردئے اور انھوں نے جزوی و کلی اخبار بیان کئے جو بعد کو بالکل صحیح ثابت ہوئے وہ اپنے ہمراہ حضرت کو جبل الفتح بھی لے گئے جو ملک مصر میں ہے وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جس صوفی کو راہ سلوک میں کامیابی نہ ہو وہ ایک مدت تک یہاں اعتکاف کرے تو فتح الباب ہو جائے گا۔ حضرت وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک جماعت درویشوں کی تیس برس سے توکل پر بسر کر رہی ہے حضرت نے بھی پہاڑ کے دامن میں چالیس روز تک ریاضت کی۔ جب یہ مدت پوری ہوئی تو وہ جماعت درویشوں کی ملاقات کے لئے آئی۔ اور ان کے ساتھ شیخ ابوالغیث یمنی بھی تھے جن کا تذکرہ بعد کو کیا جائے گا سب درویشوں نے جن میں اس زمانہ کے غوث بھی موجود تھے۔ حضرت جہانگیر کو بشارتیں دیں اور شیخ ابوالغیث نے ایک پتھر دیا جو اس قدر

صاف تھا کہ کوئی ویسے صاف نہیں ہوتے اس پتھر کی خاصیت تھی کہ مسافر اس کو
پاؤں میں باندھے تو کتنا ہی چلے نہ تھکے گا۔ اور بھوک پیاس کے وقت منہ میں رکھے
تو کھانے پینے کی خواہش باقی نہ رہے گی۔ اسی پہاڑ کے دامن میں تین درویش اور مقیم
تھے۔ جن کے لئے افطار کے وقت دس روٹی اور ایک پیالہ شربت کا غیب سے
آتا تھا۔ اگر کوئی مہمان آجاتا تو اسی قدر روٹی میں مہمان کو بھی شریک کر لیتے تھے اس
جماعت کے بھی ایک بزرگ حضرت سے ملاقات کے لئے آئے اور حضرت کو
بشارتیں دیں۔

یمن نفحات الانس میں لکھا ہے کہ شیخ ابو الغیث یمنی شباب کے وقت
ڈاکو تھے ایک روز قافلہ کی گھات میں بیٹھے تھے کہ ہاتفِ غیب نے آواز
دی "اے شخص تیری آنکھ قافلہ کی طرف ہے لیکن دوسرے کی آنکھ تیری طرف ہے"
اس آواز سے ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ راہزنی سے تائب ہو گئے شیخ ابن الفلیح
یمنی کے مرید ہوئے نفس پاکیزہ ہوا اور قلب منور خوارق و کرامات کا ظہور ہونے
لگا۔ ایک دن اپنا خچر جنگل کے کنارے چراگاہ میں چھوڑ کر لکڑیاں چننے لگے۔ لکڑی
کی تلاش میں تھے کہ ایک شیر نے خچر کو پھاڑ ڈالا۔ لکڑی لے کر آئے تو خچر کو مردہ پایا۔ شیر
سے بولے کہ تو نے میرے خچر کو مار ڈالا میں لکڑی کیونکر لے جاؤں عزت معبود کی قسم ہے
کہ میں اب اس گٹھے کو تیری پیٹھ پر لادے بغیر نہیں لے جاؤں گا۔ پشتارہ باندھا اور
شیر کی پیٹھ پر لاد کر شہر کے قریب لائے۔ آبادی کے باہر گٹھا اس کی پیٹھ سے اتار لیا
اور شیر سے کہا کہ اب جہاں تیرا جی چاہے چلا جا۔ ایک عجیب قصہ ان کی بابت اسی
کتاب میں لکھا ہے کہ بعض فقراء نے ایک دن گوشت کھانے کی آرزو کی۔ آپ نے کہا

کہ فلاں دن گوشت کھانا جب وہ دن آیا تو ایک ڈاکو شیخ کے لئے گائے لے کر حاضر ہوا آپ نے فقیروں سے کہا کہ اس گائے کو ذبح کرو اور پکاؤ مگر اس کا سر محفوظ رکھنا تھوڑی دیر کے بعد دوسرا ڈاکو آیا اور ایک بوجھ گیہوں کا لایا۔ شیخ نے کہا کہ آٹا پیسو اور روٹی تیار کرو۔ جب کھانا تیار ہوا تو شیخ نے درویشوں کو کھانے کا حکم دیا۔ ان میں سے بعض عالم اور فقیہ تھے انھوں نے دسترخوان پر حاضری سے گریز کیا۔ شیخ نے درویشوں سے کہا کہ تم کھاؤ فقہا، حرام نہیں کھاتے ہیں۔ فقیروں نے خوب سیر ہو کر کھایا طعام و شربت سے فراغت ہوئی تو ایک شخص آیا اور کہا کہ حضرت میں نے ایک گائے فقیروں کی نذر کے تئے پالی تھی اس کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ شیخ نے کہا کہ اس کا سر دیکھو گے تو پہچان لو گے۔ اس نے کہا کہ ہاں۔ گائے کا سر جو محفوظ رکھا تھا دکھایا گیا تو اس نے کہا کہ یہ میری گائے کا سر ہے۔ اتنے میں ایک اور آدمی آیا اور بولا کہ یا حضرت آپ کی نذر کے لئے ایک بوجھ گیہوں کا لا رہا تھا۔ ڈاکوؤں نے چھین لیا۔ شیخ نے جواب دیا کہ فقیروں کی نذر فقیروں کو مل گئی علماء اس مشاہدے سے حیران ہوئے اور لطیف و مرغوب غذا سے محروم رہنے پر پشیمان۔

القصہ حضرت جہانگیر یمن پہنچے ایک مسجد میں قیام کیا شب برات کی صبح کو بیٹھے ہوئے تھے کہ شیخ ابو الغیث یمنی آ گئے اور کہا کہ اس سال یمن پر بلیات و آفات کا نزول بہت ہے عوام برداشت نہیں کر سکتے۔ حضرت جہانگیر نے کہا کہ مجھ کو بھی ایسا ہی معلوم ہوا ہے شیخ نے فرمایا کہ مناسب یہ ہے کہ ہم دونوں ہمت کر کے اس بار کو اٹھا لیں اور خلق اللہ کو آرام ملے تمام رات دونوں بزرگوں نے عبادت میں صرف کی۔ اور سب بلیات و آفات اپنے نفوس پر قبول کر لیں۔ صبح کے وقت دونوں کے چہرے

نذر تھے۔ آنکھیں سُرخ تین دن تک جنبش کرنے کی طاقت نہ ہوئی لیکن یمن آفات دبلیات سے محفوظ رہا حضرت کے مرید خاص شیخ نظام یمنی جنھوں نے لطائف اشرفی تالیف کر کے حضرت کی سوانح حیات و ملفوظات کو محفوظ کیا اسی مقام پر پہلی بار حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور اپنی بیش بہا تالیف کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ یہ سنہ ۷۵۰ھ تھا۔

ہندوستان کو واپسی

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے پنڈوہ کا سفر تین چار بار کیا ہے۔ پہلا سفر سمنان سے بیعت کے لئے تھا جب ساڑھے چھ سال تک خانقاہ شریف میں قیام رہا۔ دوسرا سفر سنہ ۷۵۰ھ کے بعد زیارت حرمین شریفین سے واپسی پر کیا اور اس بار بھی تین چار سال تک مرشد کی خدمت میں حاضر رہے۔ رخصت کے وقت ہادیٔ طریقت نے بشارت دی کہ تم کو مرتبۂ غوثیت عطا ہوگا اور اس وقت تم محمد نور (مخدوم زادہ) کے لئے قطبیت کی سفارش کرنا۔ حضرت کو وہ مقام بھی بتلایا جہاں ان کا مدفن مبارک ہوگا۔ حضرت کو بنظر کشفی دکھایا کہ ایک گول تالاب ہے اور اس کے درمیان ایک نقطہ تل کے برابر ہے اور ارشاد فرمایا کہ جس جگہ یہ تل ہے وہی تمہاری منزل خاک ہے۔ پنڈوہ سے رخصت ہو کر حضرت جونپور پہنچے تو اسی مقام کی جستجو شروع کی جو بنظر کشفی مدفن شریف کیلئے دکھلایا گیا تھا۔ اپنے اصحاب کو ساتھ لے کر اودھ کی سمت کوچ کیا کئی مقامات دیکھے لیکن وہ جگہ نہ ملی یہاں تک کہ موضع کھنڈووڈ میں پہنچے۔ ملک محمود وہاں کے زمیندار ملازمت کے لئے آئے ان کے حال پر بہت عنایت فرمائی اور ان کے ہمراہ مقام مقصود کی تلاش میں نکلے ایک گول تالاب نظر آیا جس کو دیکھ کر حضرت نے

فرمایا کہ مجھ کو پیر و مرشد نے یہی جگہ دکھائی تھی ملک محمود نے عرض کی کہ یہ قطعہ آراضی بہت پُر فضا ہے چاروں طرف پانی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ یہاں ایک جوگی رہتا ہے اگر اس سے مقابلہ کی طاقت ہو تو یہاں قیام ہو سکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔

حضرت نے فرمایا قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا بے دینوں کی جماعت کا ہٹانا کیا دشوار ہے۔ آپ نے ایک خادم کو حکم دیا کہ اس شخص سے کہو یہاں سے چلا جائے۔

جوگی نے جواب بھیجا کہ میرے ساتھ پانچسو چیلے ہیں مجھ کو قوت ولایت سے کوئی ہٹادے تو خیر ورنہ مجھ کو نکالنا آسان نہیں ہے۔ ایک صاحب جمال الدین راوت اسی دن مرید ہوئے تھے۔ آپ نے ان سے کہا کہ تم جاؤ اور اس کے استدراج کا جواب دو جمال الدین کو تامل ہوا آپ نے پاس بلایا اور اپنے منہ سے پان نکال کر دستِ مبارک سے ان کے منہ میں رکھدیا۔ اس پان کے کھاتے ہی جمال الدین پر ایک عجیب حالت طاری ہوگئی اور وہ دلیری سے مقابلہ کے لئے چلے۔ جوگی سے جاکر کہا کہ ہم لوگ کرامت کا اظہار مناسب نہیں سمجھتے لیکن تمہارے ہر ایک استدراج کا جواب دیں گے جوگی نے سب سے پہلے یہ شعبدہ دکھلایا کہ ہر طرف سے کالی چیونٹیوں کا انبوہ جمال الدین کی طرف بڑھا جمال نے ان کی طرف نگاہ کی تو وہ سب غائب ہوگئیں اس کے بعد شیروں کا لشکر نمودار ہوا جمال نے کہا کہ شیر میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ سب بھاگ گئے مختلف شعبدہ بازیوں کے بعد جوگی نے اپنی لکڑی ہوا پر پھینکی۔ جمال نے حضرت کا عصا منگا کر ہوا میں اڑایا۔ وہ عصا اس لکڑی کو مار مار کر نیچے اتار لایا۔ جوگی سب حیلوں سے عاجز ہوا تو عرض کی مجھ کو حضرت کے پاس لے چلو میں ایمان

لاؤں گا۔ جمال الدین ہاتھ پکڑ کر لائے اور حضرت کے قدموں پر گرا دیا۔ آپ نے کلمۂ شہادت کی تلقین کی۔ اسی وقت سب چیلے مسلمان ہوئے اور اپنے مذہب کی کتابیں جلا ڈالیں، حضرت نے تالاب کے کنارے ایک جگہ اس کو عنایت فرمائی۔ اور اپنے طریقہ کے مطابق ریاضت و مجاہدات میں مشغول کر دیا۔ بعد ازاں درویشوں کو حکم دیا کہ اپنا اپنا سامان یہاں لاؤ۔ سب اصحاب کو جگہ تقسیم کی تاکہ ہر ایک اپنے لئے جداگانہ حجرہ بنالے ملک محمود نے چند ہی روز میں حضرت کے لئے وہیں خانقاہ بنوادی۔ اپنی اولاد اور خدام کو مرید کرایا۔ گرد و نواح کے سادات بھی حاضر ہو کر حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ تین سال میں وہ تختۂ گلزار ہو گیا۔ اس علاقہ کا نام حضرت نے روح آباد رکھا خانقاہ کا نام کثرت آباد مقرر کیا۔ اس کثرت آباد میں ایک مختصر حجرہ آپ کے لئے مخصوص تھا وہ وحدت آباد کے لقب سے موسوم ہوا۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ آئندہ زمانہ میں اس جگہ بڑی رونق ہو گی۔ اکابر روزگار رجال الغیب اور بہت سے اولیاء اللہ یہاں آئیں گے اور فیض اندوز ہوں گے وہی مقدس مقام آج ضلع فیض آباد میں کچھوچھہ کے نام سے مشہور ہے اور تالاب کے وسط میں مرقد مبارک زیارت گاہِ خلائق ہے، اللہ جامع الاوراق کو بھی اس بارگاہ پر حاضری سے مشرف فرمائیں۔ آمین۔

ایک غزل کے مقطع میں حضرت نے روح آباد کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اشرف از دل بردن کن میلِ سمنان ۔۔۔ کہ روح آباد سمنا نسبت مارا

حضرت پہلی بار روح آباد پہنچے تو اکثر اپنے اصحاب سے کہا کرتے تھے کہ اودھ سے ایک دوست کی خوشبو آتی ہے۔ اس کی جستجو میں اجودھیا

اودھ

گئے مسجد میں نزول فرمایا۔ اکابر شہر ملاقات کو آئے ان میں ایک جوان شمس الدین
نام تھے جو علوم ظاہری کی تکمیل کر چکے تھے اور فضائل صوفیہ کی تحصیل و تکمیل کے لئے
مرشد کی تلاش میں تھے حضرت نے فرمایا کہ فرزند شمس الدین میں تیرے ہی لئے
یہاں آیا ہوں۔ یہ سنتے ہی شمس الدین بیتاب ہوئے اور بصدق تمام آپ کے قدموں
پر سر رکھدیا۔ اسی وقت شمس الدین کو کیفیت ہوئی اور قلب میں حرارت پیدا ہوگئی
چند روز کے بعد خلوت میں بٹھایا۔ دس دن میں شمس الدین پر واردات کا نزول
ہونے لگا۔ اضطراب ایسا بڑھا کہ ضبط نہ کر سکے۔ اور خلوت سے باہر نکل پڑے خادم
ان کو کھینچکر خلوت میں لے گیا اور دروازہ مضبوط بند کر لیا۔ جب خلوت تمام ہوئی
تو خرقہ عنایت ہوا۔ ایسے بلند مقامات تک رسائی ہوئی کہ حضرت فرماتے تھے کہ
"اشرف شمس و شمس اشرف" ہم دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔ ایک روز
حضرت انھیں کی خلوت گاہ میں بیٹھے تھے کہ سدھور کے ایک عالم فاضل شیخ خیر الدین
انصاری ملاقات کو آئے ان کو اصولِ فقہ میں چند مسئلوں کی بابت شک تھا جو
کسی طرح رفع نہ ہوتا تھا۔ قرب جوار کے علماء سے دریافت کر چکے تھے مگر تشفی نہ
ہوئی تھی۔ حضرت کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے ان کے استفسار کے بغیر خود
ہی ان مسائل کو ایسی خوش اسلوبی سے حل کر دیا کہ خیر الدین کی تسکین ہوگئی۔ دوسرے
روز پھر حاضر ہوئے اور مرید ہو گئے وہ شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری کی اولاد
سے تھے۔ حضرت نے چار برس تک شدید ریاضتیں کرائیں۔ ایک روز شیخ وضو
کر رہے تھے یکایک کیفیت پیدا ہوئی خادم پانی ڈالتے ڈالتے تھک گیا تب وضو
تمام ہوا کسی نے اعتراض کیا کہ وضو کے پانی میں اس قدر اسراف ناجائز ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ فرزند خیرالدین پر وہ حالت طاری ہے کہ تمام دنیا کے سمندر اور موتی ان پر نثار کر دیئے جائیں تو بھی اسراف نہ ہوگا غرض شیخ کا قلب منور ہوگیا تو حضرت نے اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ ایک مرتبہ ان کی مغافرت کے لئے خود سدھور تشریف لے گئے وہاں کے اکابر شیخ خیرالدین کے ساتھ استقبال کو آئے۔ ان کے ہمراہ ایک بزرگ قاضی محمد نام عالم فاضل تھے۔ حضرت نے قاضی سے دریافت کیا کہ آپ کا تعلق کس خانوادے سے ہے۔ قاضی نے کہا کہ مخدوم سے ہے۔ فرمایا کہ جب حق تعالیٰ کسی کو خصوصیت کا شرف دینا چاہتا ہے تو اس کو کسی صاحبِ نعمت کے پاس پہنچا دیتا ہے قاضی محمد نے ازراہ اعتقاد حضرت کے محافہ کا ایک بازو خود تھاما اور دوسرا بازو شیخ خیرالدین کے کاندھے پر تھا اس ہیئت سے حضرت کو اپنے مکان تک لے گئے اور خدمت و ضیافت ایسی کی کہ تمام اصحاب ممنون ہوئے صبح کے وقت حضرت نے قاضی کو مرید کیا اور سلوک راہ کے اسرار بتلائے۔ سدھور میں بہت لوگ مرید تھے ان سب کو شیخ خیرالدین[1] کی تربیت میں چھوڑ کر قصبہ جائس گئے۔ قاضی محمد حضرت کے

---

[1] شیخ خیرالدین کی وفات کے بعد ان کے بیٹے شیخ علی جانشین ہوئے وہ بھی صاحب کرامات تھے لیکن ان کے پوتے شیخ خواجگی بن شیخ علی علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ والد ماجد کی وفات کے وقت تحصیلِ علم کے لئے باہر گئے ہوئے تھے شیخ شمس الدین فریادرس کے خلیفہ سے تربیت حاصل کر کے صاحب خرقہ و سجادہ ہوئے انھوں نے بہت شہرت پائی اور ان کی کرامات کا غلغلہ بلند ہوا۔ وفات کے وقت انھوں نے اپنے داماد شیخ خاصہ بن شیخ خضر صالحی کو پیرانِ چشت کی امانت حوالہ کی خود سدھور سے ترک سکونت کر کے امیٹھی میں متمکن ہوئے۔ بندگی شیخ نظام الدین اس وقت خورد سال تھے آپ نے فرمایا کہ یہ کودک قطب وقت ہوگا اور اپنی صاحبزادی کا ان سے عقد کر دیا۔ مؤلف مراۃ الاسرار شیخ عبدالرحمٰن کے دادا شیخ جدہ عباسی شیخ خاصہ کے خلیفہ تھے ان کا احوال آئندہ صفحات پر لکھا جائے گا۔ (ماخوذ مراۃ الاسرار)

محافہ کے ساتھ پیادہ چلے۔

آپ کے اصحاب ذکر جہر زور شور سے کرتے تھے ایک عالم مولوی غلام الدین نے شور و ہنگامہ سنکر کہا کہ یہ "غوغائی" کہاں سے آئے ہیں۔ مولوی کو باوجود علم و فضل کے چند مسائل میں اشتباہ تھا۔ اور وہ عقدے حل نہ ہوتے تھے۔ ایک بزرگ کے مکان پر زیارت کے لئے گئے تھے وہاں اتفاق سے حضرت جہانگیرؒ بھی مع اپنے اصحاب کے پہنچے۔ مولوی نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں حضرت نے خود ہی جواب دیا کہ ہم سب "غوغائی" ہیں۔ وہ بہت شرمندہ ہوئے اور معذرت کرنے لگے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ بات سہل ہے ہم نے اس سے زیادہ ملامتیں برداشت کی ہیں۔ دوران گفتگو میں حضرت نے اپنے بیانِ فصیح سے وہ مسائل حل کرنے شروع کئے جن کو مولانا لاینحل سمجھتے تھے اور ایسی دلپذیر تقریر کی کہ مولوی کے دل پر نقش ہوگئی وہ حضرت کے عقیدت مند ہوئے اور ایسی عاجزی سے عذر خواہی کی کہ حضرت کے قلب سے شکایت دور ہوگئی۔ مولوی صبح کو مرید ہوئے اور اپنے بیٹے کو بھی مرید کرایا۔ اس وقت بیان کیا کہ تقریباً تین سال ہوئے ردولی کے ایک بزرگ شیخ سلیمان نے بشارت دی تھی کہ جائس والوں کی ہدایت ایک سید کے سپرد ہوئی ہے۔ جو زمین ولایت سے سیاحت کے لئے یہاں آئیں گے۔ اور وہ ہفت قرأت سے حافظ قرآن ہیں۔ حضرت نے مولوی صاحب کو خلافت عطا فرمائی اور قصبہ جائس کے مریدین ان کے سپرد کئے۔ جب اُن کے انتقال کا وقت آیا تو حضرت کے ایک خلیفہ شیخ کمال کو اپنا نائب مقرر کیا۔ مولوی غلام الدین کے انتقال کے بعد شیخ کمال کے عہد میں قصبہ میں ایک دعوت تھی جس کے لئے کچھ سامان فراہم کرنے کی خدمت ان کے سپرد کی گئی تھی۔ مقررہ وقت پر وہ سامان نہیں پہنچا

تو ان کو غصہ آیا اور کہا کہ جن لوگوں نے وعدہ پورا نہیں کیا وہ جل جائیں۔ ان کی زبان سے یہ لفظ نکلتے ہی قصبہ میں آگ لگ گئی اور بہت آدمی ہلاک ہوئے۔ شیخ کمال کو بہت شرمندگی ہوئی اور حضرت سے معافی مانگنے روح آباد گئے جب سامنے آئے تو فرمایا کہ تو نے میرے فرزندوں کو جلا دیا اور ان کے گھر برباد کر دیئے۔ شیخ کمال کو قدمبوسی سے محروم کیا۔ وہ خانقاہ کے عقب میں کئی روز تک پڑے رہے۔ مدت کے بعد نور العین کی سفارش سے ان کا گناہ معاف ہوا فرمایا کہ تیرا ایمان سلامت رہے مگر تجھ کو ہمیشہ سرگردانی رہے گی۔ اور تیری اولاد تباہ و برباد رہے گی۔ حضرت کے ایک مرید ابو المظفر محمد لکھنؤ کے رہنے والے اس عہد کے مشہور عالم فاضل فصیح و بلیغ شاعر تھے ان کی خاطر سے حضرت لکھنؤ تشریف لے گئے جامع مسجد میں نزول فرمایا قاضی ابو المظفر نے ایک قصیدہ آپ کی شان میں لکھا تھا وہ پیش کیا اور حضرت نے اس کی بہت تعریف کی شیخ خیر الدین سدھوری ہمراہ تھے انھوں نے بھی بعض مناقب حضرت کے لکھے تھے وہ قاضی مظفر کے سامنے اصلاح کے لئے پیش کئے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ اشعار درویشانہ ہیں اور جوش و خروش سے لکھے گئے ہیں۔ ان پر اصلاح کی ضرورت نہیں ہے۔

لکھنؤ سے واپسی کے وقت پھر اجودھیا میں قیام ہوا وہاں ایک مجذوب ابراہیم نام بڑے گرم مزاج تھے اور ظاہرا نماز کے پابند نہ تھے۔ حضرت ان سے ملاقات کیلئے گئے اور آپ کے ایک مرید بھی ساتھ تھے۔ حضرت بیٹھے ہوئے تھے کہ کوئی چیز مجذوب کے لئے آئی اور وہ اس کو کھانے لگے۔ دیر کے بعد حضرت کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا "اشرف جہانگیر تم بھی کھاؤ" حضرت بہ عقیدت تمام کھانے میں شریک ہوئے جب

کھانا تھوڑا باقی رہا تو مجذوب نے کہا اپنے مرید کو طلب کرو وہ بھی شریکِ طعام ہووے مرید شرع و تقویٰ کے بڑے پابند تھے۔ انھوں نے کہا جو شخص نماز نہیں پڑھتا میں اس کے ساتھ نہیں کھا سکتا ہوں۔

یہ سنکر مجذوب بہت خفا ہوئے اور ان کو مارنے کے لئے تکیہ اٹھایا۔ حضرت درمیان میں آگئے اور معذرت کی۔ مجذوب نے کہا کہ میرا قہر اترنے کے لئے کوئی چیز چاہیئے۔ حضرت نے ایک بلند مینار کی طرف اشارہ کیا۔ انھوں نے وہ تکیہ مینار کی طرف پھینکا تو وہ گر پڑا۔

حضرت رُدُولی آباد تشریف لائے تو اودھ کے ایک منصبدار رئیس سیف خان جن کو حضراتِ صوفیہ سے بہت عقیدت تھی۔ اپنے چند ندیموں کے ساتھ قدمبوسی کے لئے حاضر ہوئے اور پہلی ہی ملاقات میں کمالاتِ جہانگیری کے معتقد ہو گئے۔ حضرت امیروں اور رئیسوں کو مرید کرنے سے اغماز فرماتے تھے۔ سیف خان نے حکومت و ریاست سے قطع تعلق کرنا چاہا تاکہ تجرید کلی حاصل کر کے حلقہ بگوش ہوں۔ مگر حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ بعض طالبوں کو شرفِ قرب سے ایسا سرفراز کرتا ہے کہ کثرت انام و اژدہام عام ان کی توجہ باطنی میں مانع نہیں ہوتا۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ ؕ وہ بندے دنیا کے سب کام کرتے ہیں لیکن یادِ حق سے غافل نہیں ہوتے۔ منصبدار کی عقیدت مندی روز افزوں ترقی پر تھی مگر حضرت التفات نہ فرماتے تھے۔ ایک رات حضرت نے ان کو اپنے خیمہ میں بلایا وہاں دیکھا کہ ایک خوبصورت عورت حضرت کے پہلو میں بیٹھی ہے اور حلبی کی صراحی اور حلبی پیالہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ گزک کا سامان بھی پاس رکھا ہے۔ ان کو دیکھ کر حضرت نے حکم دیا کہ باہر جاؤ۔

سیف خان یہ تماشا دیکھ کر چلے آئے لیکن ان کے اعتقاد میں کوئی فتور نہ آیا بدستور حاضری دیتے رہے۔ کئی دن کے بعد حضرت نے کہا کہ تم نے مجھ کو گناہ کبیرہ کا اقدام کرتے ہوئے دیکھا ہے تاہم میرے پاس اپنا وقت ضائع کرنے آتے ہو۔ سیف خان نے عرض کی کہ جناب عالی بندے کو آقا کے کام میں کیا دخل میں خوب جانتا ہوں کہ وہ عورت کوئی غیر نہ تھی بلکہ غالباً جنبیہ تھی اور صراحی میں شراب نہ تھی۔ بلکہ شربت تھا علاوہ اس کے اگر وہ واقعی شراب تھی تو بھی اولیاء کے لئے عصمت شرط نہیں ہے۔ البتہ انبیاء کے لئے شرط ہے۔ میری عقیدت حضرت کے ساتھ پہلے سے دس گنی ہوگئی ہے۔

اس امتحان کے بعد حضرت نے سیف خان کو مرید کیا اور لطائف صوفیہ تعلیم کئے۔ وہ منصبی خدمات میں بہت کم وقت صرف کرتے۔ زیادہ اوقات یادِ حق میں مشغول رہتے تھے۔ ان ہی کے اصرار سے حضرت نے اودھ میں اپنے لئے خانقاہ بنوائی۔ جس میں شیخ شمس الدین رہتے تھے۔ اصولِ شریعت و طریقت کے بیان میں حضرت نے ایک رسالہ "بشارت الاخوان" تالیف فرمایا۔ اس کتاب کے مقدمہ میں سیف خان کی تعریف کی۔ انھوں نے قبا اور جُبّہ اتار کر لباس درویشی اختیار کرنا چاہا تو حضرت نے منع کیا اور فرمایا۔

حاجت بہ کلاہ برکی داشتنت نیست
درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

اس زمانہ میں حضرت کنتور تشریف لے گئے۔ آپ کے ایک خلیفہ شیخ محمود کنتوری کی وہاں سکونت تھی۔ انھوں نے ضیافت کی اور آپ کے اصحاب کو بھی

تکلیف دی۔ راہ میں ایک گاؤں سنجولی نام تھا وہاں کے رئیس سالار سیف الدین حضرت کو اپنے مکان لے گئے عمارت جدید تیار کرائی تھی اور اسی کی خوشی میں دعوت تھی۔ اکابر و اشراف گرد و نواح کے شریک مجلس تھے حضور تشریف فرما ہوئے تو قوالوں نے سماع شروع کیا۔ حضرت کو کیفیت ہوئی اور اس قدر گریہ کیا کہ محلہ کی عورتوں تک آپ کی آہ و فغاں کی آواز گئی اور انھوں نے آپس میں کہنا شروع کیا کہ یہ فال نیک نہ ہوئی پہلی بار اس عمارت میں میزبانی ہو رہی تھی۔ اس موقع پر گریہ و زاری کا شگون برا ہے۔ حضرت کی کیفیت جب فرو ہوئی اور مجلس تمام ہوئی تو آپ نے سیف الدین سے کہا کہ اپنی عورتوں سے کہدو کہ دلجمعی رکھیں۔ میں نے اپنے آنسوؤں سے تمہاری اولاد کی جڑ مضبوط اور مستحکم بنا دی ہے۔ انشاء اللہ آثار ظاہر ہونگے۔ کنتور پہنچکر شیخ محمود کے یہاں چند روز مہمان رہے۔ اشراف سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سادات صحیح النسل ہیں اور نصیحت کی کہ تم لوگ مردم نواحی سے قرابت نہ کرنا۔ حضرت کا دستور تھا کہ نماز جمعہ سفر و حضر میں ترک نہ کرتے تھے۔ جب تک روح آباد میں مسجد نہ بنی تھی حضرت نماز کے لئے موضع سنجولی جایا کرتے تھے۔ جامع مسجد میں نماز کے بعد ایک ملّا نے آپ سے علم کلام کا مسئلہ پوچھا کہ بندے کو اپنے فعل کا اختیار ہے یا نہیں اگر اختیار کہا جائے تو "قدری" ہو جاتے ہیں اور عدم اختیار کہا جائے تو "جبری" ان دونوں کے درمیان کیا ہے جس پر اپنا عقیدہ رکھیں حضرت نے فرمایا کہ اختیار "صوری" ہے اور جبر "معنوی" ہے۔ ملا نے علم کے غرور میں یہ جواب تسلیم نہ کیا بحث میں طوالت ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ "تیری زبان ابھی تک چلتی ہے" ادھر یہ الفاظ زبان مبارک سے نکلے اور ادھر ملا کی زبان باہر نکل آئی اور وہ بولنے

کے قابل نہ رہا تمام حاضرین مجلس متحیر ہوئے معذرت کرنے لگے۔ مُلا کی بوڑھی ماں کو خبر ہوئی وہ ہانپتی کانپتی مسجد میں آئی۔ اور حضرت کے قدموں پر سر رکھ کر اس قدر روئی کہ تمام اہلِ مسجد کو اس کے حال پر ترس آیا بڑھیا نے کہا کہ میرا یہی ایک لڑکا ہے۔ "یا میر پوت بھیک دے"۔ جب اس کی عاجزی حد سے گذری حضرت نے کہا تیر نشانے پر پہنچ گیا وہ پلٹ نہیں سکتا۔ لیکن تیری خاطر سے یہ کہتا ہوں کہ زبان درست ہو جائے مگر لکنت باقی رہے اور اس کی نسل جب تک دنیا میں رہے اس کا ہر ایک لڑکا اور بوڑھا لکنت میں گرفتار رہے اور یہ بھی کہتا ہوں کہ آئندہ کوئی عالم اس گاؤں میں نہ زندہ رہے نہ پیدا ہو اور جو پڑھے۔ اس کا علم فراموش ہو جائے۔

شیخ نظام یمنی مؤلف لطائف اشرفی لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے مدتوں بعد میرا سنجھولی کی طرف گذر ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ بے ادب مر چکا ہے۔ اس کا بیٹا ہکلاتا تھا۔ اور اس قصبہ میں کوئی عالم باقی نہیں تھا۔ ایک مرتبہ حضرت نماز جمعہ کے بعد کے بعد سنجھولی سے آ رہے تھے کہ موضع سکندر پور میں پہنچے تو فرمایا کہ اس گاؤں سے سیادت کی خوشبو آتی ہے وہاں ایک زمیندار سید جمال الدین حضرت کو دیکھنے آئے تو فرمایا کہ بہت دنوں کے بعد سید کی خوشبو ملی ہے۔ سید جمال الدین کو بھی حضرت سے اعتقاد پیدا ہو گیا۔ اکثر اوقات ملازمت کے لئے آتے تھے ان کے یہاں دو تین پشت سے یہ عادت ہو گئی تھی کہ ہر پشت میں ایک ہی بیٹا ہوتا تھا۔ ان کی

لہ لطائف اشرفی میں یہی الفاظ ہندی کے لکھے ہیں۔ آٹھویں صدی ہجری میں ہندوستان کی عام زبان کا نمونہ ہے۔

نیت تھی کہ کسی بزرگ سے دعا کرائیں تاکہ یہ مکلف رسم منقطع ہو۔ ایک دن حضرت جہانگیر
پر کیفیت تھی۔ سید جمال الدین اپنی عرضداشت کے لئے کھڑے ہوگئے۔ حضرت
نے فرمایا کہ "میر مبارک ہو تمہارے اولاد بہت ہوگی کسی درویش کی اعانت
مدد کار نہیں۔ تم کو مال بھی بہت ملے گا اطمینان رکھو۔" جیسے ہی یہ گفتگو ختم ہوئی ایک
سن رسیدہ عورت اپنے بچے کو لے کر آئی اور حضرت کے قدم پکڑ کر کہا کہ سوائے
اس لڑکے کے میرے کوئی اولاد نہیں ہے اور یہ حالتِ نزع میں ہے دعا کیجئے کہ
خدا اس کو صحت دے آپ نے فرمایا کہ "ماں تیرے بچہ کی عمر ایک دم سے زیادہ
نہیں باقی ہے میں مجبور ہوں۔" وہ رونے لگی اور بولی کہ یہ لڑکا جیئے تو بہتر ورنہ
میں اس جگہ خودکشی کرتی ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ "حق تعالےٰ نے مجھ کو ایک سو بیس
سال کی عمر دی ہے اس سے دس سال تیرے لڑکے کو دیتا ہوں آج کی تاریخ لکھ لے
جس دن دس برس پورے ہوں گے یہ لڑکا مر جائے گا۔"

ایک دن حضرت کے مرید قاضی رفیع الدین ساکن اودھ کے دل میں
خطرہ آیا کہ اگلے وقت میں ایسے بزرگ ہوتے تھے کہ ان کی نظر کا اثر کثیف جانوروں
اور پرندوں میں بھی سرایت کر جاتا تھا معلوم نہیں اب کوئی بزرگ اس زمانہ میں
ہے یا نہیں۔ حضرت اس خطرہ سے آگاہ ہوگئے اور مسکرا کر فرمایا کہ "شاید ہو" کمال جوگی
کے پاس ایک بلی تھی جو کبھی کبھی حضرت کے سامنے سے گذرتی تھی۔ حضرت نے حکم دیا
کہ کمال جوگی کی بلی لاؤ جب وہ بلی سامنے لائی گئی تو حضرت نے معارف وحقائق
کا بیان شروع کیا۔ رفتہ رفتہ حضرت کے چہرۂ مبارک پر ایسا تغیر ہوا کہ اصحاب
خوفزدہ ہوگئے۔ بلی تقریر سنا کی اور اس پر اتنی تاثیر ہوئی کہ ایک پہر تک بیہوش

پڑی رہی جب ہوش آیا تو حضرت کے قدم چومنے لگی اور سب اصحاب کے
قدموں پر لوٹتی تھی اس کے بعد عادت ہو گئی کہ جب حضرت اسرار اور رموز یزدانی
بیان فرماتے تھے تو مجلس شریف سے دور نہ جاتی تھی۔ خانقاہ میں مسافر آتے تو
جس قدر تعداد مہمانوں کی ہوتی اتنے ہی بار بانگ دیتی تھی جس سے خادموں کو
معلوم ہو جاتا تھا کہ آج اس قدر مہمان دسترخوان پر ہوں گے۔ تقسیم طعام کے وقت
بلی کو بھی سب اصحاب کے برابر حصہ دیا جاتا تھا کبھی کبھی احباب کو بلانے کے لئے
بھی جاتی تھی جس شخص کی طلب ہوتی۔ اس کے گھر جاکر آواز درشت دیتی یا
دروازہ کھٹکھٹاتی تھی اور وہ سمجھ جاتے تھے کہ حضرت نے طلب فرمایا ہے ایک
دن خانقاہ میں درویشوں کی جماعت وارد ہوئی عادت کے موافق بلی نے بانگ دی
لیکن جب کھانا بھیجا گیا تو معلوم ہوا کہ ایک شخص کا حصہ کم ہے حضرت نے بلی کی
طرف التفات کر کے فرمایا کہ "آج کیوں خطا ہوئی" بلی فوراً باہر گئی اور اس جماعت
کے سب درویشوں کو سونگھنا شروع کیا۔ جب سر حلقہ کی نوبت آئی تو اس کے
زانو پر بیٹھی اور پیشاب کر دیا۔ حضرت نے یہ معاملہ دیکھ کر فرمایا کہ بیچاری بلی کا
کچھ قصور نہیں۔ یہ مرد بیگانہ ہے۔ سر حلقہ فوراً حضرت کے قدموں پر گر پڑا اور
عرض کی کہ میں دہریہ ہوں بارہ برس سے لباس اسلام پہنے ہوئے دنیا کا سفر
کرتا تھا اور یہ نیت تھی کہ میرا نفاق کوئی صوفی یا عالم پہچان لے تو اسلام قبول کر لوں گا
آج تک میرے بھید سے کوئی آگاہ نہ ہو سکا تھا اس بلی نے یہ پردہ فاش کر دیا۔
میں آج ہی اسلام قبول کرتا ہوں۔ حضرت نے اس کو کلمۂ شہادتین تلقین کیا
اور مرید کر کے ریاضت و مجاہدات میں مصروف کر دیا۔ مدت کے بعد جب

اس کا تصفیہ باطن ظاہر ہوا تو اجازت و خلافت سے سرفراز فرما کر شہر استنبول کی ولایت سپرد کی یہ بلی حضرت کے وصال تک زندہ رہی ایک دن سجادہ نشین آنحضرت کے عہد میں شیر برنج پکانے کے لئے دودھ کی دیگ آگ پر رکھی گئی اتفاق سے ایک سانپ دیگ میں گر پڑا۔ بلی نے دیکھ لیا وہ دیگ کے گرد پھرتی تھی اور اس جگہ سے نہ ہٹتی تھی کئی بار بانگ دی۔ لیکن باورچی نہ سمجھا اور بلی کو مطبخ سے باہر کر آیا۔ جب اس نے دیکھا کہ باورچی کسی طرح ہوشیار نہیں ہوتا تو فوراً گرم دیگ میں کود پڑی اور جان دے دی۔ مجبوراً شیر برنج پھینکی گئی تو کالا سانپ برآمد ہوا۔ سجادہ نشین نے کہا کہ اس بلی نے اپنی جان درویشوں پر قربان کر دی۔ اس کی قبر بنائی جائے۔ چنانچہ روضۂ مبارک کے قریب دفن کی گئی اور اس پر عمارت بنائی گئی۔

شیخ صفی الدین حنفی ردولی کے رہنے والے امام اعظم ابو حنیفہ کی اولاد سے تھے اور علم و فضل تقوے و پرہیز گاری میں ابو حنیفہ ثانی تھے۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک نورانی صورت بزرگ آئے۔ شیخ نے استقبال کیا۔ تعظیم سے بٹھایا۔ شیخ کے ہاتھ میں اصولِ فقہ کی ایک کتاب تھی۔ بزرگ نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ تم نے بہت کاغذ سیاہ کئے ہیں اب وقت آیا ہے کہ سیاہ کو سفید کرو۔ یہ سنکر شیخ نے عرض کی کہ مجھ کو مرید کیجئے اور سلوک کی راہ بتایئے بزرگ نے کہا کہ جب حق تعالےٰ چاہتا ہے کہ کسی بندے کو صاحبِ اسرار بنائے تو خضر کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس بندے کو کسی ولی تک پہنچا دیں۔ اب میں تم کو بشارت دیتا ہوں کہ ایک فقیر عنقریب یہاں آنے والے ہیں تم ان کی ملازمت

اختیار کر دیہ خواب دیکھ کر وہ بیدار ہو گئے اور چند ہی روز کے بعد حضرت جہانگیر
کے قدوم میمنت لزدم قصبہ ردولی میں پہنچے۔ آپ نے مسجد جامع میں نزول فرمایا
شیخ صفی الدین خواب کی ہدایت کے موافق ملازمت کے لئے آئے جیسے
ہی حضرت نے ان کی طرف دیکھا فرمانے لگے کہ جانی صفی خوب آئے جب حق تعالےٰ
چاہتا ہے کہ کسی بندے کو قبولیت سے سرفراز کرے تو حضرت خضر کو حکم دیتا ہے
کہ وہ اس کو کسی دلی تک پہنچا دیں۔ یہ سنتے ہی شیخ کا عقیدہ دوچند ہو گیا۔ اور
اسی وقت مرید ہوئے حضرت نے خادم کو حکم دیا کہ شکر لاؤ تاکہ بھائی صفی کو
سلوک کا شربت پلایا جائے اتفاق سے اس وقت شکر موجود نہ تھی حضرت
خود اٹھے مصری کا ایک ٹکڑا ٹوٹا ہوا پڑا تھا وہ لاکر اپنے ہاتھ سے کھلایا اور دعا کی کہ
تم کو نورالانوار کا حصول مبارک ہو اور تمہاری اولاد علوم سے خالی نہ رہے۔ ان
کی خاطر سے حضرت چالیس دن تک ردولی میں مقیم رہے تاکہ صفی الدین کو ایک
اربعین حضرت کی صحبت میں میسر ہو جائے۔ جب چلہ تمام ہوا تو خرقہ اجازت و
خلافت عطا کیا۔ وہ حضرت کو زنانخانہ میں لے گئے۔ ان کا ایک بچہ اسمٰعیل نام
چالیس دن کا تھا اس کو بھی حضرت کے قدموں پر ڈالا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بھی
ہمارا مرید ہے اور اس کو بھی ہم نے قبول کیا۔ یہی صاحبزادے جوان ہو کر اپنے
والد کے قائم مقام اور مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے مراۃ الاسرار میں ہے کہ
شیخ احمد عبدالحق، ردولوی قدس سرہٗ جب مسافرت صوری و معنوی کے بعد
ردولی میں متمکن ہوئے اور ان کے کمالات کی شہرت مشرق سے مغرب تک پہنچی
تو شیخ اسمٰعیل بھی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ مخدوم نے فرمایا کہ شیخ صفی الدین

کی تعلیم تمہارے لئے کافی ہے لیکن تمہاری پشت سے ایک فرزند سعید عالمِ وجود میں آئے گا۔ جس کو ہماری نعمت ملے گی۔ چنانچہ مخدوم کی وفات کے بعد ایک فرزند کی ولادت ہوئی جن کا نام عبدالقدوس رکھا گیا۔ وہ آج شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے نام سے دنیا میں مشہور ہیں اور سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے سرحلقہ ہیں۔ انھوں نے ردولی کی سکونت ترک کر کے گنگوہ میں قیام کیا تھا۔ اس لئے گنگوہی مشہور ہوئے۔ سید اشرف رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ اسماعیل کو قبول کیا تھا۔ ان کے نامور فرزند کو بھی اس قبولیت سے حصہ ملا۔ اس کے بعد حضرت نے سفر کعبہ کا عزم کیا اور اودھ پہنچے شیخ شمس الدین کی خانقاہ میں قیام کیا۔ عقیدت شعار خلیفہ نے خود اپنے ہاتھ سے کھانا پکایا۔ اتفاقاً ہاتھ جل گیا۔ اس پر پٹی باندھے ہوئے حضرت کے سامنے آئے۔ ارشاد ہوا تمہارے ہاتھ پر ولایت کا داغ لگایا گیا ہے کچھ غم نہ کرو اور کچھ پڑھ کر دم کیا جس سے سوزش جاتی رہی۔ اور زخم درست ہو گیا۔ انھوں نے عرض کی کہ حضور کی عنایات میرے حال پر بہت ہیں لیکن آپ کے قدمِ مبارک سے جدائی برداشت نہیں کر سکتا ہوں۔ مجھ کو سفر میں اپنی ہمراہی کا شرف عطا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہاری آرزو پوری کرتا لیکن یہ ولایت میرے مریدوں اور طالبوں سے بھری پڑی ہے اگر تم کو ساتھ لے جاؤں تو ان سب کی خبر گیری اور دلدہی کون کرے گا۔ اسی گفتگو میں منزلیں اودھ کی طے ہوئیں اور قصبہ منگلسی تک شمس الدین ساتھ گئے۔ وہاں سے مناسب نصیحتیں کر کے ان کو واپس کیا۔ اور وعدہ فرمایا کہ اس سفر میں مجھ کو جو نعمت نصیب ہو گی۔ اس میں سے تم کو بھی حصہ دوں گا۔ مجبوراً روتے دھوتے رخصت ہوئے لیکن ادب کا یہ حال تھا کہ

منگلسی سے اجودھیا تک حضرت کی طرف پیٹھ نہیں کی الٹے پاؤں واپس ہوئے حضرت کی شفقت کا بھی یہ عالم تھا کہ جب سفر سے واپس تشریف لائے تو جو کچھ تبرکات مختلف مشائخ سے پائے تھے وہ سب شیخ شمس الدین کے سپرد کئے یہاں تک کہ ایک غارنشین درویش نے ایک فلوس حضرت کو دیا تھا وہ بھی شمس الدین کے حوالہ کیا۔

وعدۂ اہلِ کرم گنج رواں   وعدۂ نااہل شد رنجِ رواں

بحرذخار میں لکھا ہے کہ حضرت شمس الدین "فریادرس" کے لقب سے مشہور ہوئے اور ان کا مزار اودھ میں حاجت روائے خلق ہے جس شخص کو کوئی مہم پیش آئے وہ شیخ فریادرس کے مزار کی طرف رُخ کرکے روزانہ فاتحہ پڑھے تو اس کی حاجت پوری ہوتی ہے ترکیب فاتحہ کی یہ ہے۔

ایک بار سورہ فاتحہ۔ تین بار سورۂ اخلاص۔ ایک بار آیۃ الکرسی۔ ایک بار درود

گجرات، گلبرگہ اور پنڈوہ شریف بارسوم نیز بنارس وغیرہ

حضرت نے سفر دکن کا عزم کیا۔ احمد آباد کے شیخ الاسلام فنون غریبہ اور علوم ظاہری کے جامع تھے۔ ہئیت نجوم حکمت میں بھی دخل تھا۔ حضرت سے چند علمی مسائل دریافت کئے جوابات کافی دیئے گئے لیکن انھوں نے جدال شروع کیا اور مسجد جامع میں نامناسب باتیں کہیں اسی شب کو خواب میں فہمائش ہوئی۔ خبردار سید سے حجت نہ کرنا۔ آج اکابر کی روحیں آڑے آگئیں اور تم آفت سے محفوظ رہے۔ اگر آئندہ بے ادبی کی تو نقصان اٹھاؤ گے۔ وہ لرز گئے اور صبح کے وقت شہر کے رئیس کو سفارش کے لئے ہمراہ لے کر حضرت کی خدمت میں آئے اور قصور کی معافی چاہی۔ آپ نے

فرمایا "ہمارا کام وفا اور تمہارا کام جفا لیکن اب نہ وفا نہ جفا بلکہ محلِ صفا ہے" اسی
وقت شرفِ بیعت سے سرفراز ہوئے۔ خلوص اور حاضر باشی کا یہ عالم ہوا کہ ایک
ساعت کے لئے کبھی ملازمت سے جدا نہ ہوتے تھے۔ حضرت دو سال تک گجرات میں
مقیم رہے تعلیم و تربیت کے بعد اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت کے
مریدین اس جوار میں بہت ہو گئے تھے۔ ان کی ہدایت کے لئے ایک رسالہ اشرف الفوائد
تالیف کیا حضرت گلبرگہ دو مرتبہ تشریف لے گئے پہلی بار ۷۷۰ھ میں دوسری بار ۸۰۰ھ
کے بعد (جب حضرت بندہ نواز گیسو دراز وہاں آباد ہو چکے تھے) پہلی بار تشریف لے
گئے تو ولایت گلبرگہ کی آب و ہوا آپ کے مزاج کے بہت موافق آئی۔ جس مقام پر
سید محمد گیسو دراز کی خانقاہ بعد کو تعمیر ہوئی۔ اسی کے قریب آپ کے لئے خیمے نصب
ہوئے حضرت کا دستور تھا کہ اپنے خادموں اور ہمراہیوں کے لئے جداگانہ خیمہ لگواتے
تھے اور اپنے لئے ایک پردہ دار خیمہ مضبوط الگ رکھتے تھے کیونکہ ہمیشہ سفر و حضر میں
تنہا رہنے کی عادت تھی کسی کو شب کے وقت وہاں داخلہ کی اجازت نہ تھی البتہ
کبھی کبھی حضرت نور العین اور شیخ کبیر کو یاد فرماتے اور حقائق و معارف بیان کرتے تھے
ایک رات شیخ الاسلام گجراتی کو خلوت گاہ میں طلب کیا تھا کہ حضرت پر ایسا
عجیب و غریب اضطراب و انقلاب پیدا ہوا کہ اس کی شرح بیان نہیں ہو سکتی
شیخ الاسلام خوفزدہ ہوئے اور ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ خیمے سے باہر نکل آئے
تقریباً ایک پہر تک حضرت پر یہی مستی کی کیفیت رہی۔ اس کے بعد ہوش میں
آ گئے اور فرمایا کہ "الحمد للہ میسر آمد" نور العین حضرت کبیر اور شیخ الاسلام نے یہ الفاظ
سُنے لیکن تحیر و تفکر میں تھے کہ اس عجیب کیفیت کا کیا باعث تھا اور شکر نعمت کا

کیا مفہوم ہے یہ کسی کو قدرت نہ تھی کہ حضرت سے اضطراب کا سبب پوچھے۔ مگر نور العین نے ہمت کرکے احوال دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ آج رجب کی پہلی تاریخ اور ؁ھ ہے غوث زمانہ جن سے میری ملاقات جبل الفتح میں ہوئی تھی آج دنیا سے رخصت ہوگئے اکابر روزگار اور اقطاب نامدار میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ یہ عہدہ اور منصب ان کو ملے لیکن حق تعالےٰ نے اپنے لطف وکرم سے اس حقیر فقیر کے سر پر عزت کا تاج رکھا ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ط اس شفقت ومرحمت سے نصب وعزل اور رحلت روزگار فقیر کے سپرد ہوئی غوث کی نماز جنازہ کی امامت ہمیشہ غوث ہی کرتا ہے لہذا میں نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو دفن کیا تمام اصحاب اس نوید جانفزا سے خوش ہوئے اور بصد آداب مبارکباد عرض کی۔ حصولِ نعمت سے چند روز بعد گلبرگہ سے کوچ کیا اور روح آباد تشریف لائے۔ یکم شوال کو عید کے دن نواحِ اودھ کے تقریباً دس ہزار آدمی حضرت کے مرید ہوئے مریدین کی تعداد پہلے ہی بہت زیادہ تھی اور ان کے نام دفتر میں درج تھے۔ خادموں نے عرض کی کہ دفاتر کی حفاظت مشکل ہوگئی ہے۔ آپ نے سب رجسٹر طلب کرکے پانی میں غرق کردیئے اور فرمایا کہ میں ان کے نامہ ہائے اعمال دھوتا ہوں اب ان کا نام مغفورین کی فہرست میں لکھا جائے گا۔ میں نے حق تعالےٰ سے دعا کی ہے کہ مشرق۔ مغرب جنوب شمال میں کوئی جگہ ایسی نہ ہو جہاں اشرف کے مرید نہ ہوں سوائے دوزخ کے وہاں میرا کوئی مرید نہ جائے اور خدائے بزرگ وبرتر نے اپنی عنایت سے یہ دعا قبول کرلی ہے۔ الحمد للہ رب العالمین ہ

یکم رجب ؁ھ کو حضرت منصب غوثیت پر فائز ہوئے جیسا کہ ابھی

بیان ہوا ہے اور اس کے چند سال بعد ولایتِ بنگالہ کے قطب کی وفات ہوئی۔ اکابر روزگار کا منشاء تھا کہ شیخ شرف الدین کو یہ منصب عطا کیا جائے مگر شیخ کو خود اضطراب تھا اور چاہتے تھے کہ یہ بار کسی دوسرے پر ڈالا جائے تو بہتر ہے۔ حضرت جہانگیر کی سفارش سے مخدوم زادہ محمد نور بنگالہ کے قطب بنائے گئے۔ شیخ شرف الدین بہت خوش ہوئے اور کہا کہ الحمدللہ میرے بھائی نور نے یہ بوجھ اٹھا لیا۔

حضرت فرماتے تھے کہ ایک بار میں نے حضرت خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ کوئی ایسا ولی بھی آپ نے دیکھا ہے جس کا مرتبہ آپ سے بالاتر ہو۔ انھوں نے کہا کہ ایک بار میں جناب رسول علیہ السلام کی مسجد میں حاضر تھا۔ شیخ عبدالرزاق احادیث سُنا رہے تھے اور مسجد کے گوشہ میں ایک جوان سر بہ زانو بیٹھا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت حدیث سُن رہی ہے تم ان کی موافقت کیوں نہیں کرتے یہاں تنہا بیٹھے ہو انہی کے پاس جا کر کیوں نہیں بیٹھتے۔ اس جوان نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا اور کہا کہ وہ لوگ عبدالرزاق سے حدیث سُن رہے ہیں میں یہاں "رزاق" سے سُن رہا ہوں۔ اس کے بندے سے سننے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں۔" اس نے سر اٹھایا اور کہا "میرا خیال صحیح ہے تو تم خضر ہو۔" تب مجھکو معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کے ایسے بندے بھی دنیا میں ہیں جن کے مرتبہ کی بلندی سے میں آگاہ نہیں۔

مشہور ہے کہ ہر ولی کسی نبی کے قدم پر ہوتا ہے۔ حضرت کو بہت دنوں تک اشتباہ تھا کہ وہ کس نبی کے قدم پر ہیں۔ لہذا اپنے مرید تنکر قلی کو حضرت شیخ نجم الدین کی خدمت میں بھیجا جو اس وقت مکہ میں شیخ الحرم تھے۔ اور مرید کو

ہدایت کی کہ جو کچھ وہ بتلائیں مجھ سے آکر بیان کرنا جب تنکر قلی مکہ معظمہ پہونچے شیخ کے سامنے گئے تو انھوں نے کہا کہ خوب آئے میں تمہاری پیشانی میں اس آفتاب پرست کا نور دیکھ رہا ہوں کہو وہ آفتاب پرست اچھا ہے:" تنکر قلی کو یہ الفاظ کسی قدر ناگوار ہوئے لیکن حضرت کے فرستادہ گئے تھے جواب دیا کہ اچھے ہیں اور آپ کی ملاقات کے مشتاق ہیں۔ تب شیخ نے پوچھا کہ" آفتاب پرست آج کل کیا کر رہا ہے" تو انہوں نے عرض کی کہ آفتاب کے نور کو مختلف رنگ کے شیشوں میں اور اپنی صورت کو مختلف آئینوں میں دیکھتے ہیں۔ شیخ نے کہا کہ" اگر آنکھ خیرہ نہیں ہے تو سورج کو آسمان پر کیوں نہیں دیکھتا اور اگر آئینہ میں زنگ نہیں ہے تو صورت اپنے اندر کیوں نہیں دیکھتا" تنکر قلی یہ سنکر واپس ہوئے حضرت کی خدمت میں پہنچے قصہ بیان کیا تو حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ الحمد اللہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حضرت عیسیٰ کے قدم پر پہنچایا۔ فی الحقیقت حضرت سے کرامتیں بھی ایسی صادر ہوتی تھیں جو اعجاز عیسوی کا نمونہ تھیں۔ مثلاً احیار موتیٰ اور شفائے امرض وغیرہ وغیرہ۔ ۹۷۰ھ میں شیخ کبیر نے سفر آخرت کا کیا تو ان کے صاحبزادے شیخ محمد خورد سال تھے۔ حضرت نے پہلے علوم ظاہری کی تعلیم دلائی پھر اول سے آخر تک سلوک کے کل منازل طے کرائے اور ان کے حال پر اتنی مہربانی تھی کہ نور العین بھی بعض اوقات رشک کرتے تھے۔ در یتیم کا خطاب دیا اور خلافت سے سرفراز فرمایا۔ نواحِ سرور پور میں ان کی شادی طے کرانے کے لئے ایک تاجر کے مکان پر خود تشریف لے گئے۔ بوجہ ظاہری غریبی کے وہ تاجر قبول نہ کرتا تھا۔ آپ نے بڑے اصرار و مبالغہ سے ان کی شادی کرائی۔

رمضان ۷۸۲ھ میں حضرت روح آباد میں تشریف فرما تھے اور دستور تھا کہ ظہر و عصر کے درمیان افطار کے لئے کھانا تقسیم فرماتے تھے۔ ۲۵ رمضان کو اتفاق سے شیخ الاسلام گجراتی آ گئے۔ حضرت نے ان کا حصہ بھجوایا وہ اس وقت نماز عصر پڑھ رہے تھے جیسے ہی کھانا پہنچا انھوں نے تناول کر لیا اور روزہ توڑ ڈالا۔ حضرت جب مسجد میں تشریف لائے دریافت کیا کہ تم نے روزہ کیوں توڑ ڈالا۔ صرف گھڑی بھر دن باقی تھا آپ نے جواب دیا کہ ایک روزہ کا کفارہ ساٹھ روزوں سے ادا کرنا آسان ہے یہ میں کر لوں گا لیکن آپ کے تعمیلِ حکم میں تاخیر میرے لئے محال تھی جس وقت حضور نے طعام عنایت فرمایا میں اس کے کھانے میں کیونکر تاخیر کرتا۔ اس کے دو دن بعد ۲۷ رمضان کو حضرت نے اپنے تمام اصحاب کو شبِ قدر کی زیارت کرائی۔ صبح کے وقت ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ "اشرف ہمارا محبوب ہے"۔ حضرت صبح کی نماز مسجد الحرام میں ادا فرماتے تھے۔ اس روز نماز کے لئے حاضر ہوئے تو شیخ نجم الدین[1] قلندر نے جو اس وقت قبلۂ اصحاب حرم و کعبہ ارباب کرم تھے حضرت

---

[1] لطائف میں نجم الدین اصفہانی لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ نجم الدین اصفہانی کا انتقال ۷۲۱ھ میں ہو چکا تھا (ملاحظہ ہو نفحات الانس) ۷۸۲ھ میں سرگروہ قلندران عظام سید نجم الدین قلندر مرید و خلیفہ حضرت سید خضر رومی مکہ معظمہ میں مقیم تھے۔ اور وہی "قبلہ اصحاب حرم و کعبۂ اربابِ کرم تھے"۔ ان کا سالِ وفات ۸۳۷ھ ہے اور مزارِ مبارک مانڈو گڈھ کے قریب قصبۂ نعلچہ میں موجود ہے۔ جونپور، دمگڈھ۔ لاہرپور اور کاکوری وغیرہ میں سلسلہ قلندریہ آپ ہی کے وسیلے سے ہے اللہ حشر تک اس سلسلے کے برکات سے مسلمانوں کو مستفیض رکھے۔ آمین۔

کو دیکھتے ہی مبارکباد دی کہ "آؤ محبوب یزدانی اشرف سمنانی خطاب مبارک ہو"
حضرت نے تعظیم سے سر جھکا لیا اور شیخ نجم الدین سے بغلگیر ہوئے۔ تقریباً ۵۰۰
مشائخ اس وقت حرم میں موجود تھے۔ سب پر حالتِ وجد طاری ہوئی اور ہر ایک
نے مبارکباد دی اس وقت سے تمام اکابر روزگار حضرت کو محبوب یزدانی کے لقب
سے یاد کرنے لگے۔ ۲۷ رمضان کے بعد حضرت نے اپنے پیر مرشد کی زیارت کا قصد
کیا اور بنگال کی طرف راہی ہوئے جب خطۂ بہار میں پہنچے تو وہ حضرت شیخ شرف الدین
یحیٰ منیری کی وفات کا دن تھا اور شیخ منیری نے وصیت کی تھی کہ ایک سید صحیح النسب تارک
مملکت حافظ قرأت سبعہ آ رہے ہیں میری نماز جنازہ سوائے ان کے کوئی نہ
پڑھائے۔ ان کے اصحاب نے تجہیز و تکفین کی۔ لیکن نماز کے لئے حضرت کا انتظار
تھا جب دیر ہوئی تو بعض بزرگ شہر کے باہر جستجو کے لئے نکلے۔ یکایک حضرت
وہاں پہنچ گئے حسب نسب دریافت کیا گیا یقین ہوا کہ انہی کی بابت وصیت کی
ہے تو سب نے نماز جنازہ کے لئے آپ سے اصرار کیا۔ آپ نے وصیت کی
تعمیل کی۔ اور شیخ کو قبر میں اتارا اس وقت حضرت کو خیال آیا کہ یہ مقام نواحی بنگالہ
میں ہے۔ معلوم نہیں میرے مرشد کا کیا حال ہے فوراً شیخ منیری کی روح منکشف
ہوئی اور کہا کہ فرزند اشرف خاطر جمع رکھو تمہارے پیر بدولت و سلامت ہیں۔
دفن سے فراغت کے بعد شیخ کی قبر سے ان کا ہاتھ باہر نکل آیا۔ سب لوگ متحیر
ہوئے اور کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہارے شیخ کو مردانِ غیب
نے ایک کلاہ دی تھی اور شیخ نے وصیت کی تھی کہ وہ ان کے ساتھ قبر میں رکھدی
جائے۔ تم لوگوں نے اس حکم کی تعمیل نہیں کی۔ اصحاب کو یاد آگیا۔ کلاہ لاکر میت

کے ہاتھ میں دی۔ مدّاً دستِ مبارک قبر میں غائب ہوگیا۔ رات کو حضرت مزارِ شریف کے قریب معتکف رہے۔ شیخ منیری کی رُوح منکشف ہوئی۔ اپنے مکتوبات پڑھنے کی ہدایت کی اور خرقہ تفویض فرمایا۔ صبح کے وقت حضرت نے خرقہ طلب کیا۔ شیخ کے اصحاب نے دینے میں تامل کیا۔ آپ نے فرمایا کہ زیادہ بحث کی ضرورت نہیں ہے لباسِ مبارک حضرت کی قبر پر رکھو جس کے نصیب کا ہوگا اس کے ہاتھ میں آجائے گا۔ یہ فیصلہ سب نے تسلیم کر لیا۔ خرقہ قبر پر رکھا گیا سب اصحاب نے نوبت بہ نوبت اس کو اٹھانا چاہا لیکن جگہ سے نہ ہلا سکے حضرت نے ہاتھ بڑھایا اور پھول کی طرح اٹھا کر پہن لیا اور خانقاہِ پیر مرشد کی طرف راہی ہوگئے۔

پنڈوہ سے واپسی کے بعد بنارس تشریف لے گئے اور بہت روز وہاں مقیم رہے ایک دن بہ طریقۂ سیر بُت خانہ کی طرف گذر ہوا وہاں ہندو صدق و نیاز سے پرستش کر رہے تھے ان کی نیاز مندی دیکھ کے آپ پر حالت طاری ہوگئی اور فرمایا کہ ہر چیز میں مالک کے رُخ و زُلف کا نقش ہے یہ نہ ہوتا تو ہرگز بتوں کی پرستش نہ کی جاتی۔ وہاں کے مقتدر پجاری حضرت کی ملاقات کو آئے اور دین و مذہب کی فضیلت پر گفتگو ہوئی۔ انھوں نے اپنے مذہب کی ترجیح پر دلیلیں پیش کیں حضرت نے فرمایا کہ اگر یہ بُت تمہارے دین کی تکذیب کریں تو ایمان لاؤ گے انھوں نے وعدہ کیا۔ ایک بت قریب ہی تھا آپ نے اس کو ہاتھ میں لے کر کہا اے بُت اگر دین و مذہب محمد علیہ السلام کا برحق ہے تو کہہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ فوراً بُت نے آواز دی کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

سب پجاری اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

حضرت کا ایک خراسانی مرید جو ہر نام برص میں گرفتار ہوا مجلس مبارک سے مفارقت اصحاب کی صحت و عافیت کے لئے ضروری سمجھتا تھا لیکن قدوم میمنت لزوم سے جدائی موت سے بدتر تھی۔ گریہ وزاری شروع کی۔ اضطراب حد سے گذرا تو حضرت نے ایک پیالہ پانی منگوایا اور اپنا لعاب دہن اس میں ڈال کر حکم دیا کہ اس پانی کی مالش مریض کے جسم پر کی جائے۔ شافی مطلق نے علاج اسی دوا سے طے کر رکھا تھا۔ ایک ساعت میں بیماری کافور ہو گئی اور مبروص تندرست ہو گیا۔

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند انچہ مسیحا میکرد

سفر عرب اور فلسطین وغیرہ

حضرت نے تیسری بار عرب کا سفر کیا تو شیخ بدیع الدین شاہ مدار سے ملاقات ہوئی اور وہ بہت دنوں تک حضرت کے ہمسفر رہے غالباً اسی زمانہ سے شیخ یمنی مولف لطائف اشرفی بھی ہمراہ ہوئے اور روم و شام میں ہمرکاب رہے جب حضرت کا نزول جامع دمشق میں ہوا تو ایک خوبصورت ترکی عورت اپنے ۱۲ سالہ لڑکے کو لے کر آئی اور رونا پیٹنا شروع کیا۔ حضرت نے نگاہ کی تو اس لڑکے کی زندگی بالکل باقی نہ تھی۔ آپ نے فرمایا کہ مردے کو زندہ کرنا عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا اور میں اس مرتبہ کی لیاقت نہیں رکھتا عورت بہت مضطر تھی اس نے عرض کی اولیاء اللہ جاں بخشی میں عیسیٰ اور خضر سے کم نہیں ہیں۔ آپ میری مدد کریں جب اس کا اضطراب حد سے زیادہ ہوا تو حضرت نے

تھوڑی دیر مراقبہ کے بعد سر اٹھا کر کہا "قم باذن اللہ" تیری ماں بیتاب ہے۔ لڑکا اُٹھ بیٹھا اور چلنے پھرنے لگا جیسے کہ مرا ہی نہ تھا سارے شہر میں غل پڑ گیا خلقت جوق جوق جمع ہو گئی۔ اژدھام زیادہ ہوا آپ نے اصحاب کو حکم دیا کہ سامان اٹھاؤ اب یہاں رہنے سے اوقات میں خلل پڑے گا جزائر فلسطین میں پہنچے تو وہاں کے بعض باشندے فرنگیوں کے خوف سے بطریق اخفا مسلمان ہوئے اور آپ سے بیعت کی آپ نے ازراہ ترحم فرمایا کہ میں تم کو اور تمہارے بیٹوں پوتوں کو قبول کرتا ہوں روم پہنچے تو وہاں ایک مشرک کمال نام جو کچھ دنوں جوگیوں کی صحبت میں رہا تھا حضرت کی ملازمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا اور آپ نے اس کو مرید بنا کر منصب خلافت تک پہنچا دیا قسطنطنیہ میں ایک فرنگی بچہ بدک نام حضرت کی ہدایت سے مشرف باسلام ہوا آپ نے حاضرین مجلس سے اشارہ کیا کہ اس کو کلمہ پڑھاؤ اس کے بعد کھانا منگایا اور اپنے دست مبارک سے ایک لقمہ اس کے منہ میں رکھا اور بقیہ طعام اس کے ساتھ خود کھایا اور کہا کہ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من اکل مع المغفور فھو مغفور یعنی جو شخص کسی مغفور کے ساتھ کھانا کھاوے وہ بھی مغفور ہے۔ سبحان اللہ زندگی بھر کا بیگانہ ایک ساعت میں یگانہ ہو گیا۔ نواح روم میں کئی سال قیام کے بعد حضرت نے طواف کعبہ کا عزم کیا شیخ بدیع الدین ور بندر روم تک ہمسفر تھے۔ انھوں نے اپنا خرقہ محبت حضرت کو پہنایا اور روتے ہوئے ہندوستان کی طرف رخصت ہوئے۔ شاہ مدار سے جدا ہونے کے بعد سمندر کا تھوڑا ہی راستہ طے ہوا تھا کہ ہوا کم ہو گئی اور تین دن تک باد شرط بالکل نہ چلی ہمراہی پریشان تھے لیکن حضرت پر استغراق کا عالم تھا اور سوائے اوقات نماز و وظائف کے کسی ساعت ہوش

نہ آتا تھا جب اضطراب اور عجز جہاز والوں کا زیادہ بڑھا۔ ناچار حضرت کو اس واقعہ کی خبر کی آپ مسکرائے اور فرمایا کہ اس وقت ایک شعر مجذوب شیرازی کا یاد آیا ہے اس کو پڑھنا چاہیئے ؎

کشتی شکستگانیم اے باد شرط برخیز
باشد کہ باز بینم آں یار آشنا را

ہنوز حضرت نے پورا شعر ختم نہیں کیا تھا کہ ہوا چلنے لگی اور جہاز تیزی سے رواں ہوا۔ عرب سے واپسی کے بعد دوسری بار حضرت گلبرگہ تشریف لے گئے۔ خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز وہاں اقامت گزیں ہو چکے تھے ایک دوسرے کی منزلت سے آگاہ تھے بندہ نواز نے حضرت کی بہت خاطر و مدارات کی اور ان کے خلوص سے چار مہینہ تک حضرت خانقاہ میں مہمان رہے ایک دن شیخ نظام یمنی نور العین اور بعض دیگر اصحاب سیر و تفریح کے لئے نکلے دیکھا کہ چند نوجوان باغ میں ایک گوشہ میں بیٹھے ہیں۔ اور شراب و کباب چنگ و رباب و دیگر آلات فسق و فجور مہیا ہیں۔ شراب کے دور چل رہے ہیں اور شعر خوانی ہو رہی ہے یہ درویش ذکر جہر کرتے ہوئے باغ میں داخل ہوئے تو وہ عیاش سناٹے میں آگئے اور ان کے دلوں پر ہیبت الہٰی ایسی طاری ہوئی کہ غفلت کی مستی سے ہوشیار ہو کر نالہ و زاری شروع کی اور عجز و انکسار سے درویشوں کے قدم چومنے لگے وہ لوگ ان کو دست گرفتہ حضرت جہانگیر کے پاس لے گئے۔ شرف توجہ و ارادات سے فیضیاب ہو کر خدائے تعالےٰ کی عبادت میں مصروف ہوئے۔

گلبرگہ سے حضرت گجرات دوبارہ تشریف لے گئے قصبہ ومرق میں ایک دلکش جگہ پر چند برس قیام کیا اہل قصبہ میں سے ایک شخص نے حضرت کی بابت کوئی بات

نامناسب بھی آپ کی زبان پر آیا کہ جس جگہ ایسے آدمی رہتے ہوں وہاں ہر مہینہ آگ کیوں نہیں لگتی۔ قصبہ جل گیا اور باشندوں نے مجبور ہو کر پتھر کے گھر بنائے وہاں سے ہٹ کر ایک اور قصبہ میں پہنچے جہاں ہر سال سیلاب سے زراعت خراب ہو جاتی تھی۔ اتفاقاً اس سال طغیانی زیادہ ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی ایک جماعت نے طوفان کی شکایت کی۔ آپ نے کاغذ کا پرچہ طلب کر کے اس پر لکھا کہ "اے آب عبداللہ اشرف سمنانی کی طرف سے تجھ کو معلوم ہو کہ تیرا سیلان حق تعالیٰ کی طرف سے ہے اب تجھکو لازم ہے کہ جو حد میں اللہ کے حکم سے مقرر کرتا ہوں تو اس سے آگے نہ بڑھنا" خادم نے وہ رقعہ لے کر پانی میں ڈالا اور حد مقرر کر دی پانی اسی جگہ ساکن ہو گیا۔ اور اس سے آگے نہ بڑھا۔

سفر روم حضرت جہانگیر نے روم کا سفر دو بار کیا ایک مرتبہ سات سال تک وہاں قیام کیا اور ایک بار صرف سال بھر جب پہلی بار روم میں رونق افروز ہوئے تو مولانا جلال الدین رومی کے سجادے پر سلطان ولد کے صاحبزادے جلوہ فرما تھے حضرت نے ایک خانقاہ میں اقامت فرمائی صاحب سجادہ نے حضرت کی ضیافت کی اور بعض مشائخ کو بھی مدعو کیا۔ اس عہد کے شیخ الاسلام روم بڑے دانشمند اور فاضل تھے لیکن حضرت کی طرف سے ان کا عقیدہ فاسد تھا ایک روز صاحب سجادہ کے یہاں دعوت تھی۔ شیخ الاسلام نے ارادہ کیا کہ سید سمنانی مجلس میں آدیں تو ان سے ایسا مشکل مسئلہ پوچھا جائے کہ وہ حل نہ کر سکیں۔ مگر حضرت کے قدم مبارک دروازے تک پہنچے تو ان کو نظر آیا کہ ایک صورت حضرت سے مشابہ جسم مبارک سے نکلی اور اسی شکل سے دوسری شکل پیدا ہوئی یہاں تک کہ تقریباً

ایک سو صورتیں حضرت کے مماثل اس مجلس میں نمودار ہوگئیں۔ حضرت نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔

ہر دلی کائینۂ صورت گراست

صد ہزاراں صورت از دے بروراست

مخدوم زادہ رومی استقبال کے لئے آئے اور کمال اعزاز سے حضرت کو دست گرفتہ بالاترین جگہ پر بٹھایا آپ نے شیخ الاسلام سے پوچھا کہ ان صورتوں میں سے کس صورت سے مسئلہ پوچھنا منظور ہے یہ بات سنتے ہی شیخ الاسلام بد حواس ہوگئے اور بے اختیار حضرت کے قدموں پر گر پڑے مخدوم زادے سے معذرت کے لئے سفارش چاہی حضرت نے فرمایا کہ مخدوم زادے کی خاطر سے معاف کرتا ہوں لیکن آئندہ خبردار کسی صوفی سے انکار نہ کرنا۔

ایک دن حضرت صبح کی نماز پڑھ کر وظائف میں مشغول تھے کہ شیخ الاسلام سر برہنہ خدمت میں آئے اور اپنے تقصیرات کی معافی چاہی حضرت نے حال پوچھا تو بولے رات کو میں اپنے کوٹھے پر بیدار تھا کہ یکایک دس شخص ننگی تلواریں لیے ہوئے پہنچے اور مجھ کو گرا کر کہا کہ تو سید اشرف جہانگیر کی غیبت کرتا ہے۔ تیرا سر کاٹ لیں گے اسی وقت ایک پیر مرد نورانی صورت آگئے اور انھوں نے بڑی خوشامد کر کے مجھ کو ان سے نجات دلائی اور کہا کہ میں نے اس شخص کا گناہ حضرت سید سے معاف کرالیا ہے جب وہ لوگ چلے گئے تو پیر مرد نے مجھ کو بہت گالیاں دیں اور کہا کہ خبردار مردانِ خدا کے معاملات میں دخل نہ دینا فوراً جا اور ان کے قدموں کو اپنے سر کا تاج بنا حضرت یہ سنکر مسکرائے اور کہا کہ تمہارے جد صاحب باطن بزرگ تھے ان کی روحانیت

میں نے دیکھی ہے لیکن تم کو آئندہ فقرا سے بدظنی نہ کرنا چاہیئے ؂

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد　　　میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

قاضی شہر کے ایک بیٹے محمد نام تھے ان کو طلب کی توفیق ہوئی صدارت اور قضا چھوڑ کر حضرت کی خدمت میں حاضر رہنے لگے۔ عرصہ تک آپ بالکل مخاطب نہ ہوئے۔ اپنی مجلس میں بٹھانے کے روادار نہ تھے اور کبھی کبھی سختی سے کہتے تھے کہ عجیب بے حمیت قاضی زادہ ہے کہ روٹی کھانے کے لئے میرے یہاں آتا ہے مگر ان کے شوق و ذوق کا یہ عالم تھا کہ حضرت شہر کے باہر منزل دو منزل جاتے تو وہ روتے اور تڑپتے حضرت کی سواری کے پیچھے پیچھے چلتے تھے۔ ایک دن حجرہ میں اپنا منہ چھپائے پڑے تھے۔ خطرہ آیا کہ دولتِ ولایت سے بہت لوگ محروم ہیں اب زیادہ محنت برداشت نہیں ہو سکتی۔ ولی بننے کی تمنا چھوڑ دو اور کوئی دوسرا کام شروع کرو۔

اسی تفکر میں تھے کہ قدموں کی چاپ معلوم ہوئی اور یہ آواز سنی کہ "محمد رومی اطمینان سے سو تیرا کام کفایت پر پہنچ گیا" اور انھوں نے گھبرا کر منہ کھول دیا۔ دیکھا کہ حضرت حجرے سے باہر نکل رہے ہیں۔ شوق کی آگ اور بھی تیز ہوئی۔ اور ملازمت میں بدل و جان مصروف رہے۔ اتفاقاً حضرت کے فرزند نور العین سخت بیمار ہو گئے۔ اور اطبائے شہران کے علاج سے عاجز ہوئے یونان کا ایک طبیب آیا اس نے نبض اور قارورہ دیکھکر کہا کہ اس مرض کا میں علاج کر سکتا ہوں۔ ایک روغن تیار کروں گا جس کی مالش صاحبزادے کے جسم پر کی جائے گی۔ مگر اس دوا کے لئے تھوڑا گوشت آدمی کا درکار ہے۔ حضرت متحیر ہوئے کہ آدمی کا گوشت کیونکر مل سکتا ہے۔ قاضی زادہ کو اس ضرورت کی اطلاع ہو گئی۔ جنگل کی طرف گئے اور پہر بھر کے

بعد اپنا ہاتھ کاٹ کر لائے اور برتن میں رکھکر طبیب کے سپرد کر دیا۔ حضرت کو اس قصہ کی خبر نہ ہوئی اور قاضی زادہ کسی گوشہ میں چھپ کر بیٹھ رہے۔ طبیب نے روغن تیار کیا اور نور العین کے جسم پر مالش کی گئی۔ سال بھر سے مرض کی تکلیف تھی اس دوا سے تخفیف شروع ہوئی۔ حضرت کو تعجب ہوا اور پوچھا کہ روغن کیونکر تیار ہوا طبیب نے کہا کہ حضرت کا ایک مرید فلاں شکل و صورت کا ہے ایک ہاتھ لایا تھا اس سے میں نے یہ روغن بنایا ہے۔ اس کی ہمت اور بہادری سے مجھ کو حیرت ہے۔ تب حضرت کو معلوم ہوا کہ قاضی زادہ رومی نے یہ ایثار کیا ہے۔ بہت متردد ہوئے۔ قاضی زادہ کو بلوایا۔ ان کے حال پر بہت افسوس ہوا اور کہا کہ ایسا کام کبھی نہ کرنا چاہیئے۔

تھوڑی دیر کے بعد لیکایک حضرت نے حکم دیا کہ قاضی زادہ کہاں ہے وہ موجود تھے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے ان کے ہاتھ پر کچھ پڑھ کر دم کیا جس جگہ سے گوشت کاٹا گیا تھا وہ مقام پھیلنا شروع ہوا اور چند روز کے بعد ہاتھ درست ہو گیا۔ قاضی زادے کی طرف حضرت کی نظر عنایت ہوئی۔ مقامات و مکشوفات صوفیہ سے طرفۃ العین میں سرفراز کر کے نیشاپور کی ولایت ان کے سپرد کی۔ مذہب اہلسنت کا ایک مخالف حضرت کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ طریقت کو شریعت پر ترجیح ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ تم صوفیہ کا ایک لفظ بھی ایسا بیان کرو جو شریعت میں نہ ہو تو میں تمہارے دعوے کو قبول کروں۔ طریقت عین شریعت ہے اور شریعت ہرگز طریقت سے جدا نہیں ہے۔ تبدیل اخلاق اور تصفیہ دل و روح کی بابت جو کچھ کلام اللہ میں لکھا ہے اسی سے مشائخ نے طریقت کا استخراج کیا ہے۔ ایک روز جامع مسجد میں بیٹھے

تھے قاضی زادہ رومی اور مخدوم زادہ مولانا روم موجود تھے کہ ایک شخص نے ذکر
کیا کہ یہاں ایک آدمی ایسا آیا ہے جو مہدی آخر الزماں ہونے کا دعویٰ کرتا ہے
حضرت نے فرمایا کہ احادیثِ صحیحہ میں جو علامات مہدی کے مدرج ہیں ان کی
طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ لیکن میں اس مرد کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ دوسرے جمعہ کو وہ
شخص حضرت کی خدمت میں آیا آپ نے اس کی طرف نگاہ کی اور بولے کہ
یہ نعمت دعوے سے حاصل نہیں ہوتی۔ حق تعالےٰ جس شخص کو اس منصب پر
سرفراز کرے گا۔ اس کے آثار ظاہر ہو جائیں گے تم اس بکھیڑے میں نہ پڑو۔ اس
شخص نے توبہ کی اور چلا گیا۔ وہاں ایک شخص حضرت کی بہت غیبت کیا کرتا تھا
مخدوم زادہ رومی نے حضرت سے بیان کیا کہ میں نے واقعہ میں دیکھا کہ فرشتوں
کی ایک جماعت بہت بڑی صلابت سے زمین پر آ رہی ہے۔ ان سے پوچھا کہ تم
لوگ کون ہو اور کہاں جا رہے ہو تو جواب ملا کہ ہم ملائکہ ہیں اور حضرت جہانگیر
کی ایک شخص نے غیبت کی ہے اس کے ایمان کی جڑ کاٹنے جا رہے ہیں۔ نعوذ باللہ
من ذالک۔

شام۔ فارس۔ ماوراء النہر وغیرہ

حضرت جہانگیر نے بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ اور مزارات
انبیاء علیہم السلام کی زیارت کی حضرت ابراہیم کے مزار مبارک سے خاص فیوض
حاصل ہوئے۔ جب کوہ طور پر پہنچے تو حضرت خضر علیہ السلام بھی ساتھ تھے وہاں
ابلیس لعین ملا۔ آپ نے پوچھا کہ تو نے حضرت آدم کو سجدہ کیوں نہ کیا اس نے کہا
کہ میں عاشق ثابت قدم ہوں غیر کو کیونکر سجدہ کرتا آپ نے فرمایا کہ تو نے بڑا

قصور کیا یہ راز نہ سمجھا کہ معشوق کسی طرف میل رکھتا ہو اور عاشق کو حکم دے کہ میرے محبوب کی خدمت کرو تو معشوق کے حکم کی تعمیل کرنا چاہیئے اور یہ سمجھنا چاہیئے کہ میری نامرادی میں اس کی مراد ہے تو مجھ کو اپنی مراد درکار نہیں فارس جانے سے پہلے حافظ شیرازی کا یہ شعر سن چکے تھے۔

حافظ از معتقداں است گرامی دارش

زاں کہ بخشائش بس روح مکرم با اوست

اور سمجھتے تھے کہ وہ اویسی ہیں شیراز پہنچ کر حافظ سے ملاقات کی اور ایک مدت تک ان کی صحبت سے لطف اٹھایا فرماتے تھے کہ حافظ مجذوبانِ روزگار سے ہیں ان کا مشرب بہت اعلیٰ ہے۔ اکابر روزگار ان کو لسان الغیب کہتے ہیں۔ اور ان کے اشعار کی قدر صوفی ہی کر سکتے ہیں۔ اسی زمانہ میں ایک درویش ملازمت کے لئے آیا اور کہا کہ بارہ برس سے مجاہدات و ریاضت فلاں شخص کی تعلیم کے مطابق کرتا ہوں مگر ابھی تک کچھ حاصل نہیں ہوا۔ آپ نے اس کی خاطر جمعی کی اور فتح الباب کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھی۔ تھوڑی ہی دیر میں تمام اسرار از ابتدا تا انتہا مکشوف ہو گئے اور اس کی حالت کا اثر حاضرینِ مجلس کو ظاہر ہونے لگا۔ حضرت سمنان پہنچے تو والدہ ماجدہ زندہ نہ تھیں۔ بھائی تختِ سلطنت پر متمکن تھے۔ سید عبدالرزاق کو اپنی بہن کا شیر مبارک پلوایا اور فرمایا کہ نور العین میری خالہ زاد بہن کا لڑکا ہے۔ اب حقیقی بہن کا دودھ پلا کر اس کو شرعی فرزند بنا لیا ہے۔ ماورالنہر میں خواجہ احمد لبوی کے سجادہ نشین سے نیاز حاصل ہوا۔ انھوں نے بوجہ اس قرابتِ قدیمہ کے کہ حضرت جہانگیر کی دادی سلطان احمد لبوی کی اولاد سے

تھیں بہت التفات کیا اور چند مرتبہ کہا کہ باوجود خاندان بسوتی سے تعلق ہونے
کے آپ نے سیر سلوک دوسری جگہ کیوں پسند کی۔ حضرت نے جواب دیا کہ ارادت
الٰہی یونہی تھی، حضرت ابو العباس کے اشارہ سے ہندوستان گیا اور وہاں کے
مشائخ سے استفادہ کیا۔ صاحبِ سجادہ نے اپنے خاندان کے اذکار جہریہ و اشغال
دوریہ سے سرفراز فرمایا سید عبدالرزاق کے حال پر بھی مہربانی فرمائی اور حسب
نسب پوچھا۔ آپ نے عرض کی کہ یہ حضرت غوث الثقلین کی اولاد سے ہیں میں نے
ان کو اپنی فرزندی میں لیا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ ہم نے بھی قبول کیا تم ہمارے فرزند
ہو اور یہ ہمارے فرزند کا فرزند ہے۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ یہ لڑکا اپنے وقت
کا شیخ الاسلام ہو۔ اسی دیار میں خواجہ بہاء الدین نقشبند سے ملاقات ہوئی۔ انھوں
نے بھی سید نور العین کے حال پر التفات کیا اور دعائیں دیں خواجہ نقشبند نے سالکوں
کی تربیت کا نیا طریقہ اختیار کیا تھا اور اپنے سب طالبوں کو اسی سلوک سے
حق تعالےٰ تک پہنچاتے تھے۔ بعض عزیزوں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ نے
یہ مشرب کیوں پسند کیا۔ فرمایا کہ اس زمانہ کے طالبوں کی ہمت کوتاہ ہے۔ اور
آفاتِ راہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس مختصر سلوک سے ان کو مقصد تک پہنچاتا ہوں
ایک شخص قافلہ کے ساتھ کوہستان کے راستہ سفر کرے اور دوسرا کشتی میں بیٹھکر
روانہ ہو کعبہ تک دونوں پہنچیں گے لیکن ایک جلد پہنچے گا دوسرا دیر میں حضرت
جہانگیر کے سامنے کسی نے خواجہ سے پوچھا کہ آپ کا سلسلہ کہاں تک پہنچتا ہے تو
فرمایا کہ کوئی سلسلہ کسی جگہ نہیں پہنچتا۔ سلوک صورت پر نہیں ہوتا بلکہ سلسلۂ
معنوی سے ہوتا ہے اور وہ ایک ہی ہے کسی نے خواجہ سے سوال کیا کہ آپ کے

طریقہ میں ذکر جہر و خلوت ہے یا نہیں فرمایا کہ خلوت در انجمن ہے ظاہر بخلق باطن بحق۔

دل و جانم بتو مشغول نظر در چپ و راست

تا نہ دانند رقیباں کہ تو منظور منی

اس زمانہ میں حضرت ایک رئیس امیر علی بیگ کے مکان پر مقیم تھے جو امیر تیمور لنگ کے سرداران فوج میں سے تھے حضرت کے حالات شریف دیکھ کر علی بیگ نے دولت و حکومت چھوڑ دی اور خدمت اقدس میں ملازمت اختیار کی علوم ظاہر سے بے بہرہ تھے شدید ریاضت اختیار کی اور بارہ سال تک سلوک کے منازل طے کرتے رہے۔ ایک روز حضرت نے نور العین سے کہا کہ امیر علی بیگ مدت سے ریاضت کر رہے تھے ابھی تک ان پر کوئی تصرف نہیں کیا گیا۔ تم ان کی تربیت کرو تاکہ مجھ کو تمہارے تصرف پر اعتبار ہو۔ نور العین نے ازراہ انکسار پہلے عذر کیا۔ مگر حضرت کے اصرار سے مجبوراً تعمیل ارشاد کے لئے مراقب ہوئے۔ ایک پہر کے بعد امیر علی بیگ کے چہرہ سے آثار و انوار ظاہر ہوئے اور کلمات توحید ان کی زبان سے نکلے۔ اسی مجلس میں ایسے علماء بھی موجود تھے جو درویشوں کے منکر تھے حضرت نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ امیر علی بیگ یہاں کا باشندہ جاہلِ محض ہے آپ لوگوں کو جس علم کا مشکل سوال معلوم ہو۔ اس سے پوچھئے میں ضمانت کرتا ہوں کہ صحیح جواب دے گا۔ علماء نے بعض عجیب سوال کئے اور ہیئت و منطق کے بعض مشکل عقدے دریافت کئے مگر امیر علی بیگ نے ہر ایک کا جواب باصواب دیا اور سائلین کی تشفی کر دی جب مکاشفات و ریاضات سے قابلیت پیدا ہو گئی تو حضرت نے خلافت کا شرف عطا فرمایا اور ان کو ابو المکارم کا لقب دے کر

سمرقند کی ولایت سپرد کی۔ ایک روز بلخ کی مسجد میں چند درویش حاضر خدمت تھے۔ ناگاہ حضرت نے اپنا عصا اٹھایا اور چند بار غصہ سے مسجد کی دیوار پر مارا۔ اصحاب کو اس حالت پر حیرت ہوئی۔ جب وہ کیفیت فرو ہو گئی تو نور العین نے غصہ کا سبب پوچھا تامل و تفکر کے بعد فرمایا کہ اس وقت دریا کے کنارے موصل کے میدان میں جنگ ہو رہی تھی اور اس لڑائی میں میرا ایک رومی مرید شریک تھا اس نے مجھ سے مدد طلب کی تو مجھ کو اس کی دستگیری کرنا پڑی۔ حق تعالےٰ نے اس مرید کے لشکر کو فتح عنایت کی اور دشمن کے سو سوار کام آئے۔ بعض حاضرین نے اس واقعہ کی تاریخ لکھ لی۔ چند روز بعد ایک زخمی سپاہی اس طرف سے آیا اور اس نے بیان کیا کہ بعینہ وہی واقعہ گذرا تھا جو حضرت نے ظاہر فرمایا تھا۔

ماوراء النہر میں خواجہ مودود چشتی کے روضہ کی زیارت سے فیض یاب ہوئے اور صاحب سجادہ سے نیاز حاصل کیا۔ اس وقت وہ ذکر جہر حلقہ میں بیٹھے ہوئے کر رہے تھے۔ بعد فراغت فرمایا کہ خواجۂ بزرگ سے اس وقت تک مشائخ چشت ذکر کے عامل رہے ہیں۔ حضرت جہانگیر کو وصیت کی کہ ذکر حلقہ ہمارے مشائخ کا معمول ہے اس کو ناغہ نہ کرنا چاہیئے اور مسبعات عشر[1] پڑھنے کی تاکید کی۔

سرحد چین کے قریب ایک امیر نے جو حضرت سے کسی قدر بد عقیدہ تھا آپ کی ضیافت کی اور قسم قسم کے کھانے دسترخوان پر حاضر کئے ایک طباق پر دو[2]

---

[1] ذکر جہر کی ترکیب جو صاحب سجادہ نے بتائی اور مسبعات عشر کی تفصیل لطائف اشرفی میں درج ہے۔ (ملاحظہ ہو ترجمہ ملخص)

مرغ مسلم رکھے تھے جن میں سے ایک ظلم سے حاصل ہوا تھا اور دوسرا مناسب قیمت دے کر امیر نے اصرار شروع کیا کہ حضرت مرغ ملاحظہ کریں۔ آپ نے فرمایا کہ درویش وہی چیز کھائیں گے جو حلال ہو گی اور اس کے بعد ان مرغوں میں سے جو غیر مشتبہ تھا وہ خود کھایا اور مشکوک چوزہ بھرا ہوا ان امیر کی طرف بڑھا کر کہا یہ چوزہ تمہارے مناسب ہے اور دوسرا فقیروں کے لئے مناسب ہے۔

ابوالوفا خوارزمی حضرت کے ایک حاشیہ نشین تھے ان کو توحید سے بہت ذوق تھا اور حقائق و معارف بصورت نظم حضور میں پیش کیا کرتے تھے۔ ایک دن مجلس اقدس میں تذکرہ ہو رہا تھا کہ انسان کو جو تھوڑی بہت قدرت حاصل ہے وہ بھی قادرِ مطلق دیتا ہے ورنہ انسان کچھ نہیں کر سکتا۔ حضرت نے ابوالوفا کی طرف اشارہ کیا کہ یہ مضمون نظم کرو آپ نے فی البدیہ عرض کی ؎

بدکردم و اعتذار بدتر ز گناہ — چوں ہست دریں غدر سہ دعوی تباہ
دعوئ وجود و قدرت و دعوئ فعل — لاحول ولا قوۃ الا باللہ !!

وہ مدت تک حضرت کے ساتھ سفر میں رہے تھے انھوں نے یہ قصہ بیان کیا کہ جب حضرت جہانگیر زمین شروان سے گذر رہے تھے تو ایک مسجد میں اترے شدید برفباری ہوئی۔ کمال جوگی کو رات کے وقت غائط کی ضرورت ہوئی تو ایک گوشہ میں چلے گئے وہاں برف کی تاثیر سے ان کے بدن میں حرکت کی قوت باقی نہ رہی اور زندگی دشوار ہو گئی۔ حضرت اس وقت وضو کر رہے تھے۔ آپ کو یکایک ایسی سردی محسوس ہوئی کہ سارا بدن ٹھنڈا پڑ گیا۔ اصحاب کو حیرت تھی کہ اس جگہ آگ موجود ہے۔ کمرہ بند ہے اور پوشاک گرم جسم پر ہے۔ اس قدر برودت کہاں سے آئی

ایک عارف نے کہا کہ حضرت دوسرے کے الم سے رنجیدہ ہیں۔ اس دوست کی تلاش کرنا چاہیئے۔ ہمراہیوں کا شمار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ کمال جوگی موجود نہیں ہے ان کی جستجو میں لوگ نکلے تو دیکھا کہ ایک جگہ برف میں ڈھکے پڑے ہیں۔ آگ جلائی گئی۔ قسم قسم کے گرم لباس ان پر ڈالے گئے تو جس قدر اثر برف کا ان کے بدن سے دور ہوتا تھا اتنا ہی نفع حضرت کو پہنچتا تھا۔ جب ان کو برف کی تکلیف سے نجات ملی تو حضرت بھی بحال ہو گئے ایک بار سفر میں حضرت سیلان سے گزر رہے تھے راہ میں ایک جنگل تھا جس میں سانپ بچھو۔ اژدھے بکثرت تھے۔ واقف کاروں نے عرض کی راستہ پُرخطر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالےٰ عبور آسان ہو جائے گا اور اسی راستہ سے کوچ کیا۔ ایک بہت بڑا خوفناک اژدھا نظر آیا قافلہ والے خوفزدہ ہو گئے حضرت نے اپنے عصا سے اشارہ کیا وہ شیر بن کر اس اژدھے کو نگل گیا۔ قافلہ کے ساتھ بعض منکران تصوّف بھی تھے یہ کرامت دیکھکر بولے کہ قلندر جادوگر ہیں۔ حضرت کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ لوگوں نے رسالت پناہ پر سحر کی تہمت لگائی تھی۔ مجھ کو کیونکر معاف کرتے ہیں نبی کریم کا ایک ادنیٰ متبع ہوں۔

حضرت کے ایک مرید پیر علی ہزارہ سلوک کی منزلیں طے کر رہے تھے لیکن ہنوز تکمیل نہ ہوئی تھی۔ ان کے دل میں حضرت کی طرف سے تردد پیدا ہوا اور بعض حرکات بے ادبانہ ظہور میں آئے کسی شخص نے حضرت سے شکایت کی۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ مردود ہے یہاں سے نکال دو۔ پیر علی نے اصحاب سے خوشامد کی کہ اس کا گناہ معاف کرا دیں لیکن حضرت کا غبار خاطر دور نہ ہوا۔ مجبوراً رخصت ہوا۔ اور سید علی ہمدانی کی خدمت میں پہنچ کر اپنے احوال کی اطلاع دی۔ انہوں نے فرمایا کہ جس دروازہ

کو سیّد اشرف جہانگیر نے بند کیا میں اسے کھول نہیں سکتا۔ اس کے بعد مختلف درویشوں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کہیں کامیابی نہ ہوئی۔ آخر کار مکہ معظمہ چلا گیا اور شیخ نجم الدین کی خدمت میں حاضر رہنے لگا۔ ایک مدت کے بعد انھوں نے بھی جواب دیا اور کہا اے نامراد جس دروازے کو میرے بھائی سیّد اشرف جہانگیر نے بند کیا ہے میں اس کو کھول نہیں سکتا بلکہ آج روئے زمین پر کوئی ولی ایسا نہیں ہے جو ان سے مقابلہ کر سکے۔ حضرت کے مرید گوہر علی نام شہر ہرات کے بازار سے گذر رہے تھے کہ وہاں ایک خوبصورت عورت سے تھوڑی دیر تک باتیں کیں اور اس کے بعد توبہ استغفار کر کے حضرت کی خدمت میں آئے آپ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور تھوڑی دیر کے بعد غصہ ہو کر فرمایا کہ اس گدھے کو دیکھو بازار میں پھرتا ہے اور خوبصورت عورتوں سے باتیں کرتا ہے۔ مریدین کا احتساب دریتیم کے سپرد تھا انھوں نے حضرت کے حکم سے کہا کہ گوہر علی کو مجلس سے نکال دو۔ ایک قلندر ان کا ہاتھ پکڑ کر باہر کر آیا۔ چند روز تک ان کو حاضری کی اجازت نہ ملی۔ دریتیم کی سفارش سے قصور معاف ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ مرشدوں اور ہادیوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ مریدوں اور طالبوں کے خطرات سے آگاہ رہیں تاکہ شریعت و طریقت کے خلاف کوئی خطرہ ان کے دل میں نہ آنے پائے۔ وساوس شیطانی کا دفعیہ کیا جائے۔ حضرت کا ایک مرید گوشت شوق سے کھا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ گوشت زیادہ کھانے سے طبیعت پر گرانی آجاتی ہے۔ آپ کے مرید خاص قاضی حجت بھی اس وقت دستر خوان پر تھے یہ نصیحت سُنی تو گوشت کھانا چھوڑ دیا۔ ایک دن مدت کے بعد حضرت کی نظر کھانے کے وقت قاضی کی طرف گئی تو دیکھا کہ گوشت

نہیں چھوتے ہیں۔ پوچھا کیا تم کو گوشت کی طرف رغبت نہیں ہے۔ ایک خادم نے نے عرض کی کہ قاضی حجت نے سات برس سے گوشت نہیں کھایا ہے۔ شاید حضور نے کسی دن اس طعام کی مذمت کی تھی۔ اس روز سے ان کی طبیعت گوشت سے ہٹ گئی ہے۔ حضرت مسکرائے اور فرمایا کہ میں نے اُس مرید کو سختی دل کی وجہ سے منع کیا تھا۔ ورنہ دوسروں کے لئے یہ ہدایت نہیں ہے۔ حضرت نے خود اپنے ہاتھ سے قاضی کو ایک ٹکڑا گوشت کا کھلایا اور فرمایا کہ طالب صادق کو مرشد کی امر ونہی کی پابندی اسی طرح کرنی چاہیئے۔

ایک روز حضرت مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک جماعت درویشوں کی ملاقات کے لئے آئی اور عجائباتِ عالم کی بابت حضرت سے سوالات کئے۔ حضرت نے بمقتضائے محل جوابات دیئے۔ اثنائے گفتگو میں ایک درویش نے کہا کہ

'رزق چوں مقدر است گردیدن چیست'

یعنی رزق جو مقدر ہے ملے گا۔ اس کے لئے پھرنے کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ

'رزاق چوں گرداند پرسیدن چیست'

یعنی خدا جب پھراوے تو اس سے کیا چارہ ہے، جب لوگ رخصت ہوئے تو حضرت نے فرمایا کہ عجب درویش ہیں۔ ان کو سفر میں سوائے طلب رزق کے اور کوئی فوائد نظر نہیں آتے حالانکہ سیاحی کے منافع بے حد و بے شمار ہیں۔

کھانا تین طرح کا ہے ایک فرض دوسرا سنت اور تیسرا جائز۔ خوراک کی وہ مقدار جو ہلاکت سے بچائے فرض ہے اور جو عبادت یا کسب کے لئے ضروری ہو سنت

ہے اور سیر ہو کر کھانا جائز ہے۔ مگر سیری سے زیادہ حرام ہے۔ روزے کی نیت سے یا مہمان کی خاطر سے زیادہ کھالے تو بھی جائز ہے۔ رات کا کھانا کبھی ترک نہ کرنا چاہئیے کیونکہ شب کے فاقہ سے ضعف و پیری دستی ہوتی ہے۔ مگر لازم ہے کہ رزق کیلئے سرگرداں نہ ہو اور موت کا خوف نہ کرے رزق مقسوم ہے بہر حال پہنچے گا۔ اور موت کا ایک دن معین ہے وہ اپنے وقت پر ضرور آئے گی ؎

رزقت مقدر است مکن بہر آں سفر
مرگت موجل است ازاں ہم مکن حذر

اوچھہ یاغستان وغیرہ اور پنڈوہ کا آخری سفر

حضرت اروم سے واپس آکر دوسری بار اوچ تشریف لے گئے اور مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مخدوم نے ان تمام اکابر کے نام بتائے جن سے ان کو اجازت و خلافت حاصل ہوئی تھی ربع مسکون میں جتنے مشائخ اور اولیاء مشہور تھے ان سب سے مخدوم جہانیان نے فیض پایا تھا۔ وہ سب نعمتیں حضرت جہانگیر کو ایثار کیں اور خلافت سے بھی سرفراز فرمایا حضرت ان کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص بیعت و تلقین کے لئے حاضر ہوا مخدوم نے اس کا سر اپنے زانوئے مبارک پر رکھا اور کلمہ لا الہ الا اللہ کو اتنا دراز کشید کیا کہ حاضرین مجلس کا دم گھٹنے لگا۔ تب آپ نے کلمہ تمام کیا اور اس کے بعد فرمایا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص لا الہ الا اللہ پڑھے اور اس کو کشید کرے تو جنت میں داخل ہوگا۔ حضرت یاغستان پہنچے تو بہت سے ترک اور ازبک آپ کے مرید

ہوئے اور بہ تعداد کثیر گھوڑے اور بکرے نذر کئے۔ اس زمانہ میں امیر تیمور[1] صاحب قراں سمرقند میں تھے۔ آپ کے ساتھ ہجوم بڑھا تو امیر کو لوگوں نے خبر پہنچائی کہ سمنان کا ایک شہزادہ جس کا تعلق سامانیوں سے بھی ہے یاغستان آیا ہے اور کئی ہزار ازبک و ترک اس کے مرید ہوئے ہیں۔ اندیشہ فساد کا ہے۔ امیر تیمور نے تحقیق و تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ سید اشرف جہانگیر ہیں وہ حضرت سے مشہد کے مقام پر ملازمت حاصل کر چکا تھا اور آپ کی ترک ہوا و ہوس سے خوب واقف تھا اپنے ایک معتمد کو حضرت کی خدمت میں روانہ کیا اور بہت اجناس نذر کے لئے بھیجیں حضرت نے وہ سب مال و سامان فقراء کو تقسیم کر دیا اور خود اس علاقہ سے تشریف لے گئے۔ اس جماعت کے ساتھ ایک ازبک جمشید بیگ بھی آئے تھے ان کو سلوک کی توفیق ہوئی اور خدمت سے جدا نہ ہوئے۔ چند روز کے بعد اجازت و خلافت سے سرفراز فرما کر روح آباد سے رخصت کیا تاکہ اپنے ملک میں طالبوں کو ہدایت کریں۔

۸۰۰ھ میں امیر تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا ان کی جنگ کا تماشہ دکھانے سید نورالعین بابا حسین خادم اور بعض دیگر اصحاب کو ہمراہ لے کر حضرت

---

[1] امیر تیمور کا سالِ جلوس ۷۷۱ھ ہے۔ ز ہفت صد فزوں بود ہفتاد و یک بہ قضا گفت شہ را کہ الملک لک ۷۷۱ھ کے بعد امیر نے سمرقند کو دارالسلطنت بنایا اور ۷۹۲ھ تک فتوحاتِ ممالک کے بعد وقتاً بعد وقت سمرقند واپس ہوتے رہے۔ تقریباً ۲۰ برس تک سمرقند مستقر حکومت رہا۔ اور اسی دوران میں یہ واقعہ پیش آیا۔ (ماخوذ از روضۃ الصفا)

ایک پہاڑی پر رونق افروز ہوئے دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا تھے اور تیغ زنی کا آغاز تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ فوجیں میرے قبضہ قدرت میں ہیں اور دونوں ہاتھ آستین سے نکالے کبھی داہنا پنجہ بلند کرتے تھے اور کبھی بایاں جب پنجہ بالا ہوتا تھا۔ اس سمت کے لشکر کو کامیابی ہوتی تھی اور جب پست کرتے تھے تو ہزیمت ہو جاتی تھی۔ پانچ مرتبہ متواتر داہنے اور بائیں ہاتھ کو پست و بلند کیا اور لڑائی کا نقشہ حضرت کے اشارہ کے مطابق بدلتا رہا اس کے بعد تصرف ترک کیا اور ازل کے رجسٹروں میں جس فوج کی فتح درج ہو چکی تھی وہ کامیاب ہوئی اور سلاطین تغلق کی راجدھانی تباہ۔ وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔

اسی زمانہ میں بنگالہ کی طرف حضرت کے آخری سفر کا پتہ چلتا ہے۔ یعنی ۷۳۸ھ میں پیر مرشد کی وفات کے بعد اور مخدوم زادہ محمد نور کی سجادہ نشینی کے وقت حضرت پنڈوہ میں موجود تھے۔ اسی وقت آپ نے ظاہر کیا کہ مخدوم زادہ قطب بنگالہ ہیں۔ حاضرین نے ثبوت طلب کیا تو آپ نے مخدوم زادہ سے کہا کہ سامنے پہاڑی ہے اس کی طرف انگشت شہادت سے اشارہ کرو اور اس کو حکم دو کہ یہاں آئے حضرت کے خادم بابا حسین جو اس وقت حاضر مجلس تھے کہتے ہیں کہ جیسے ہی یہ لفظ حضرت کی زبان سے نکلا۔ پہاڑی کو حرکت پیدا ہو گئی۔ حضرت نے پہاڑ سے کہا کہ ٹھہر جا میں پیرزادے سے باتیں کر رہا ہوں۔ حرکت موقوف ہو گئی اس کے بعد مخدوم زادے نے پہاڑ کی طرف انگلی سے اشارہ کیا وہ فوراً حرکت میں آ گیا۔ سب اصحاب نے اپنی آنکھوں سے تماشا دیکھا اور مخدوم زادے کی قطبیت کے قائل ہو گئے۔ شیخ محمد نور بغیر اختلاف کے سجادہ نشین ہوئے اور حضرت

قطب عالم پنڈوی کے لقب سے آج تک مشہور ہیں۔ انھوں نے خانقاہ میں ایک مجلس سماع منعقد کی مشائخ اکابر و اصاغر جمع تھے اور اژدہام عوام کی یہ حالت کہ ہاتھ ہلانے کی گنجائش نہ تھی۔ اس انبوہ کی وجہ سے مخدوم زادے نے تجویز کی کہ دوسرے مکان میں خاص خاص اصحاب کو لے جاکر سماع سے لطف حاصل کریں۔ خلوت میں قوالوں نے استادی کے کمالات دکھائے لیکن کسی پر اثر نہ ہوا مخدوم زادہ احباب کو لے کر ایک اور مکان میں گئے۔ وہاں بھی سماع میں کچھ لطف نہ آیا تب حضرت جہانگیر نے کہا کہ پیر مرشد کی خانقاہ سے بہتر کوئی جگہ سماع کے لئے نہیں ہے وہاں مکان کے برکات کے آثار ظاہر ہونگے مخدوم زادہ جماعت کو ساتھ لے کر خانقاہ میں آئے اور وہاں پہنچتے ہی سب پر حالتِ وجد طاری ہوگئی۔ شاہ نور قطب عالم پنڈوی کا تذکرہ ان اوراقِ پریشاں میں کئی جگہ آچکا ہے ان کی ریاضتہائے شاقہ اور مجاہداتِ شدیدہ کی تفصیل پہلے بیان ہوچکی ہے۔ حضرت قدوۃ الکبریٰ کی سفارش سے منصب قطبیت پر فائز ہونے کی حکایت بھی درج ہوچکی ہے۔ سجادہ نشینی کی کیفیت ابھی نذر ناظرین کی گئی مناسب ہے کہ اس مقام پر چند کلمہ آپ کے سوانح و فضائل کے بھی لکھدیئے جائیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں کہ حضرت نور قطب عالم مشاہیر اولیاء ہندوستان سے تھے اور صاحب عشق و محبت ذوق و تصرف و کرامت کہتے تھے کہ مجھ کو سجادہ مشیخت پر بیٹھنے کی قابلیت نہیں اس پردہ بیٹھے جو چپ و راست نہ دیکھے کملی نہ پہنتے تھے اور فرماتے کہ گلیم پوشی

اس فقیر کو جائز ہے جو تمام خطوط نفسانی سے باز ہے کوئی شخص اپنی حاجت ظاہر کرتا تو فاتحہ پڑھ کر یہ مصرعہ زبان پر لاتے تھے۔

"قفل مہمات را فاتحہ آمد کلید"

سلطان غیاث الدین بادشاہ بنگالہ آپ کا معتقد تھا اور اس صوبہ کی تمام خلائق نیاز مند ایک بڑھیا کے مکان پر گئے۔ اس نے دین کی بابت کچھ سوال کیا وہاں سے روتے ہوئے نکلے اور فرمایا کہ میری بخشش ہوئی تو اسی بڑھیا کے طفیل سے ہوگی۔ آپ فرماتے تھے کہ مشائخ نے سلوک تمام کرنے کے لئے ۹۹ منازل بعدد اسمائے الہٰی قرار دی تھیں۔ ہمارے پیروں نے پندرہ معین کیں لیکن اس فقیر نے صرف تین منازل اختیار کی ہیں۔

اول حاسبوا قبل ان تحاسبوا سالک حساب کرے کہ دن رات میں کس قدر اعمال نیک اس سے صادر ہوئے اور کس قدر غفلت طاری ہوئی کوشش کرے کہ ہر ساعت عنات میں زیادتی ہو اور برائیاں محو ہوں۔

دوسرے من استویٰ یوماہ فی الدین فھو مغبون جس شخص کا دو دن تک یکساں حال رہا اور کار دین میں پہلے روز سے زیادتی دوسرے دن نہ ہوئی تو اس نے نقصان اٹھایا۔

تیسرے عبادت الفقیر نفی الخواطر ہر ساعت دل کا نگراں رہے کہ غیر کا خطرہ اس میں جگہ نہ پائے کوئی ساعت بغیر ذکر و فکر و شوق و محبت و عشق حق سبحانہ کے نہ ہو دل ہر وقت خواب و بیداری میں ملازم حق ہو۔ ایک روز حضرت پالکی پر سوار تھے خلق ہمراہ تھی اور خود شدتِ گریہ سے بے ہوش آنسو بے اندازہ جاری

تھے آپ کے مرید باختصاص شیخ حسام الدین قریب آگئے تو حضرت نے فرمایا کہ حق تعالےٰ نے یہ مخلوق ہماری مسخر کی ہے۔ بعضے سجدہ کرتے ہیں بعضے قدم چومتے ہیں ایسا نہ ہو کہ کل قیامت کے دن ہمارا سران کے قدموں سے پامال ہو۔

حضرت رسالت پناہ کی سرکار سے ہدایت ہوئی کہ تم امامت کرو کہ تمہاری برکت سے دوسروں کی نماز قبول کرو۔

چند روز تک امامت کرتے رہے ایک دن نماز فجر میں ایسا استغراق ہوا کہ سلام فراموش ہوگیا۔ آفتاب نکل آیا مشاہدہ حق میں محو تھے۔ افاقت ہوئی تو فرمایا کہ الصلوٰۃ معراج المومنین۔ اسی حال سے عبارت ہے۔

۸۰۴ھ میں اپنے عزیز مرید شیخ حسام الدین کو خرقہ خلافت عطا فرما کر قصبہ مانکپور کا صاحب ولایت بنایا تو رخصت کے وقت وصیت کی "سخاوت میں آفتاب۔ تواضع میں پانی۔ تحمل میں زمین کی مثل رہو۔ اور جفائے خلق برداشت کرو"۔ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں: "بیچارہ نور سکین عمر از شصت گزشتہ تیر از شست جستہ واز شر نفس یک ساعت نہ رستہ باد بر دست آتش در جگر آب در دیدہ خاک بر سر۔

ایضاً۔ قرار درویش در بے قراری۔ عبادت درویش از غیر حق بیزاری مشغولی بغیر حق گرفتاری۔ ظاہر آراستن بدکاری"۔ آپ کی وفات حضرت قدوۃ الکبریٰ سے دس سال بعد ۸۱۸ھ میں دسویں ذیقعدہ کو ہوئی اور "نور خورشد" مادہ تاریخ وصال ہے۔

جونپور آخری بار اور روح آباد جب پیر مرشد کی وفات اور مخدوم زادہ کی سجادہ نشینی کے بعد حضرت جونپور آئے تو سلطان ابراہیم شرقی کا زمانہ تھا جو ۸۰۴ھ

میں ولایت جونپور کا بادشاہ ہوا اور چالیس سال حکمرانی کی۔ آغاز حکومت کے وقت اس کے دل میں خطرہ تھا کہ جنید و شبلی سے فقراب دنیا میں نہیں ہیں۔ خواب میں ہدایت ہوئی کہ اس زمانہ میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو جنید اور بایزید سے کم نہیں ہیں مگر طلب شرط ہے۔ صبح ہوتے ہی فقراء کی جستجو اور ہر ایک درویش و صوفی سے ملاقات شروع کی۔ حضرت قدوۃ الکبریٰ جونپور تشریف لائے اور شاہی مسجد میں نزول فرمایا تو فقیر دوست بادشاہ نے شرف دیدار حاصل کرنے کا قصد کیا۔ قاضی شہر شیخ شہاب الدین نے عرض کی کہ درویش اجنبی آئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سید ہیں اور ان کا حال عالی ہے۔ مناسب ہے کہ پہلے میں جاؤں اور ان کا طور طریقہ دیکھ آؤں۔ تب آپ تکلیف فرمائیں۔ بادشاہ نے منظور کیا قاضی سکھ پال پر سوار دانشمندوں کی جماعت ہمراہ لے کر ملازمت کے لئے آئے۔ حضرت نماز ظہر سے فارغ ہو کر بیٹھے تھے کہ یہ لوگ پہنچے۔ حضرت کو معلوم ہوا کہ قاضی شہاب الدین کی سواری ہے جو تمام علوم و فنون کے جامع سمجھے جاتے ہیں۔ قاضی ازراہِ ادب کسی قدر فاصلہ پر سواری سے اترے اور دانشمندوں کو منع کیا کہ خبردار علم و فضل کا کوئی اظہار نہ کرے۔ نہ کوئی مسئلہ دریافت کرے کیونکہ سید کی پیشانی سے نور ولایت تاباں ہے اور ایسے بزرگ کا امتحان مناسب نہیں۔ حضرت نے بھی چند قدم تک پیشوائی کی۔ باہم ملاقات ہو کر ایک دوسرے کے فضائل سے آگاہ ہو گئے۔ قاضی نے علماء کو اظہار فضیلت سے منع کر دیا تھا۔ لیکن علماء کے سینوں میں چند دشوار سوالات محفوظ تھے۔ شیخ ابوالوفا خوارزمی نے جو علوم و فنون میں کامل تھے۔ نور فراست سے وہ عقدے دریافت کر کے خود بخود ان کو حل کرنا شروع کر دیا۔ اور سب علماء کی تشفی کر دی۔ عالموں کی گفتگو ختم

ہوئی تو قاضی نے عرض کی کہ سلطان آج شرف ملازمت کے لئے آنا چاہتے ہیں لیکن میری آرزو تھی کہ اس نعمت سے پہلے میں بہرہ اندوز ہوں۔ کل انشاء اللہ دوبارہ سلطان کے ساتھ پابوسی کے لئے حاضر ہوں گا۔ حضرت نے فرمایا کہ میرے نزدیک تم سلطان سے بہتر ہو۔ مگر بادشاہ آدمی تو حاکم ہیں ملاقات سے انکار نہیں کر سکتا۔ جب قاضی رخصت ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ ہندوستان میں ایسا عالم فاضل میں نے کم دیکھا ہے۔

دوسرے روز حضرت وظائف میں مصروف تھے کہ سلطان کی آمد ہوئی مسجد کے قریب پہنچے تو قاضی نے بادشاہ سے کہا کہ درویش کی خدمت میں انبوہ کے ساتھ جانا مناسب نہیں۔ صرف بیس منتخب اشخاص ہمراہ لے کر بادشاہ نہایت ادب سے مسجد میں داخل ہوا اور حضرت بھی اس کے ادب و تعظیم سے خوش ہوئے۔ بادشاہ نے قلعہ کی تسخیر کے لئے فوج بھیجی تھی اور اس کی بابت تردد تھا حضرت نے نور باطن سے اس کا انتشار دریافت کر کے تسلی دی۔ اور در پردہ نصرت و حمایت کا وعدہ کیا اور ایک مسند جو ولایت سے ہمراہ لائے تھے سلطان کو عنایت کی۔

تین دن کے بعد بادشاہ پھر ملازمت کے لئے آیا تو یہاں نان و شربت سے تواضع کی گئی۔ اتفاقاً اسی وقت تسخیر قلعہ کا عریضہ آیا۔ امیروں نے مبارکباد دی۔ بادشاہ نے کہا کہ حضرت کو مبارکباد دو انہی کی عنایت سے یہ کامیابی ہوئی ہے۔ اس فتح الباب سے بادشاہ بہت عقیدت مند ہو گیا۔ وہ خود مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا مرید تھا۔ دو تین شہزادوں کو اسی دن حضرت کا مرید کرایا۔ نذر پیش کرنا چاہی حضرت نے قبول نہ کی۔ اپنے مکان پر لے جانے کی دعوت دی اور بہت اصرار کیا۔ مگر یہ بھی

منظور نہ ہوا۔ قاضی شہاب الدین کو عقیدت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ بار بار ملازمت کے لئے آتے تھے۔ اور اپنی تصانیف حضرت کو سناتے اور دکھاتے تھے۔ حضرت نے ان کی تصانیف میں سے علم نحو میں "ارشاد" اور بیان میں "بدیع البیان" کو بہت پسند کیا تفسیر بحرالمواج کی بابت کہا کہ اس میں طول بہت ہے کچھ عرصہ کے بعد قاضی شہاب الدین کو خرقہ عنایت فرمایا اور کتاب ہدایہ جو ولایت سے لائے تھے ان کو دی۔ ایک روز حضرت مسجد میں تشریف فرما تھے کہ آپ پر وجد کی حالت طاری ہوئی۔ بعض کلمات شطحیات زبان پر آئے کسی شخص کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ آپ نے فرمایا الناس کلھم عبد لعبدی۔ حاضرین نے سنا لیکن اس خیال سے کہ علمائے ظاہر اس راز سے آگاہ نہیں وہ سنیں گے تو انکار کریں گے اس کا اظہار کسی نامحرم سے نہ کیا اتفاقاً یہ جملہ ایک مخلص کی زبان سے اغیار کے سامنے نکل گیا۔ حاسدوں نے بغیر تحقیق و تصدیق کے اعتراض کیا۔ قاضی شہاب الدین کو خبر ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ معلوم نہیں درویش نے کس حالت میں اور کس وجہ سے یہ الفاظ کہے ہیں تم کو اس پر اعتراض نہ کرنا چاہیئے اور نہ اس کے معنی پر غور کرنا چاہیئے۔ حاسدوں نے کہا اس شہر میں بڑے بڑے عالم فاضل اور درویش موجود ہیں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص ایسا غرور کا کلمہ کہے اور اس پر اعتراض نہ کیا جائے۔ ایک سخت زبان طالب علم انتخاب کیا گیا کہ وہ حضرت کے پاس دریافت کے لئے جائے۔ قاضی نے کہا کہ یہ طالب علم مجلس مشائخ کے آداب نہیں جانتا ممکن ہے کہ کوئی لفظ اس کی زبان سے ایسا نکلے جو حضرت کی خاطر پہ گراں ہو۔ کل میں خود جاؤں گا اور اس قصہ کی تحقیق ایسی خوش اسلوبی سے کردوں گا کہ حضرت سید کی خاطر پر بار نہ ہو۔ دوسرے دن حضرت

بعد ادائے وظائف معمورہ بیٹھے تھے کہ قاضی جی آئے حضرت کا دستور تھا کہ ہر آنے والے سے اس کے مشرب کے مطابق بات کرتے تھے۔ فقہ کے بعض مسائل پر گفتگو شروع کی۔ اس کے بعد حقائق و معارف بیان کئے جس کو سمجھنا حاضرینِ مجلس کیلئے دشوار تھا۔ قاضی کی ہمت کچھ پوچھنے کی نہ پڑی۔ رخصت ہونا چاہا۔ حضرت نے نورِ باطن سے دریافت کرکے سوال کیا آج حضرت کس غرض سے تشریف لائے تھے۔ قاضی نے عرض کی کہ بعض علمائے روزگار نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ حضرت کی زبان سے فلاں کلمۂ تکبر نکلا ہے۔ ارشاد ہوا کہ اس کا مفہوم بہت آسان ہے کلمہ "الناس" پر الف لام عہد کا ہے۔ اکثر مردم روزگار ہوا و ہوس کے بندے ہیں۔ اور حق تعالےٰ نے ہوائے نفسانی کو میرا بندہ اور محکوم بنایا ہے۔ جب اہلِ عالم ہوائے نفسانی کے محکوم ہوئے تو میرے محکوم کے محکوم گویا میرے بندے ہیں اس کی مثال یوں ہے کہ ایک بادشاہ نے کسی درویش کو لکھا کہ ہم سے کچھ مانگو درویش نے جواب میں یہ رباعی لکھی۔

از حرص و ہوا دو بندہ دارم | در ملک خدائے بادشاہم
تو بندۂ بندگان مائی | از بندۂ بندگان چہ خواہم

قاضی کو یہ جواب ملا تو خوش خوش واپس گئے ان کی رخصت کے بعد حضرت نے پوچھا میرا یہ فقرہ علماء کی مجلس میں کس سیہ رو نے نقل کیا۔ جن صاحب نے یہ فقرہ اغیار کے سامنے بیان کیا تھا وہ اتفاق سے حاضر تھے۔ حضرت کی زبان سے یہ لفظ نکلتے ہی ان کے چہرہ کا رنگ متغیر ہوگیا مگر قاضی کے ادب سے حضرت بہت رضامند ہوئے اور ان کو ملک العلماء کا خطاب دیا۔

ایک مکتوب گرامی میں قاضی کو "برادر اعز ارشد جامع العلوم قاضی شہاب الدین نور اللہ تعالےٰ قلبہٗ بانوار الیقین" کے القاب سے یاد کیا فصوص الحکم کی بحث ایمان فرعون کی بابت مدلل جوابات تحریر فرمائے اور ثابت کیا کہ فرعون کا ایمان "یاس" نہ تھا وہ غرق کے خوف سے ایمان لایا، احوال دوزخ کی اطلاع اور عذاب آخرت کا معائنہ نہ ہوا تھا" ایمان قبل الغرغرہ "ایمان یاس نہیں ہے۔ قد عصیت قبل وکنت من المفسدین میں مفسدین کے معنی عاصین ہیں "یقدم قومہ یوم القیامۃ فاوردھم النار" میں "ہم" کی ضمیر قوم کی طرف ہے۔ دخول نار منافی ایمان نہیں، تعذیب کا باعث حقوق العباد میں ظلم ہے نہ کہ کفر۔ ان کے علاوہ اور بہت سے دلائل لکھے ہیں جن کی تفصیل ان اوراق میں بے محل ہے۔

اسی خط میں (مکتوب بست و دوم) ایک صوفی "جناب نتیجۃ المشائخ شیخ رضی" کی سفارش کی ہے اور لکھا ہے کہ سلطان ابراہیم ضاعف اقتدارہ سے عرض کر کے ان کی حاجت روائی کرادیں" قلب مومن کو مسرور کرنا مثل سمندر کے ہے اور تمام دیگر عبادات اس کے مقابل ایک خطرہ ہیں۔ فی سبیل اللہ دو قدم چلنا اپنے جسم کو آتش جہنم سے محفوظ کرنا ہے۔ کسی شخص کا کام اپنی کوشش سے ممکن ہو۔ تو اس میں ہرگز دریغ نہ کرنا چاہیئے کیونکہ وہ اپنا کام نہیں بلکہ خدا کا کام ہے۔

اگر بر آید کارے از دستِ کسے　　　بہ کہ در کارش زند صد دست و پائے

کار باید کرد کان از روئے دل　　　کار او نہ بود۔ بود کارِ خدا اے

سلطان ابراہیم شرقی نے اپنے عہد سلطنت میں یہ قاعدہ مقرر کیا تھا کہ جس قصبہ یا شہر میں اصنام پرست اور ارباب فساد زیادہ ہوں۔ وہاں مستحکم قلعہ بنا کر

اہل دیانت اور کار آزمودہ مسلمان آباد کئے جائیں۔ کفار برطرف کر کے علماء اور صلحا عمال مقرر ہوں۔

رائے بریلی۔ دریاباد۔ ردولی۔ سدھور وغیرہ میں مسلمان عامل اور قاضی تعینات کئے گئے۔ قصبۂ کاکوری کے راجہ ساتن بلیں کی سرکوبی بھی شاید اسی عہد میں ہوئی۔ حضرت جہانگیر کے بعض مریدین امارت وحکومت سے سرفراز تھے ان میں سے ایک صاحب ملک شمون پرگنہ ردولی کے ایک پٹہ پر عامل مقرر کئے گئے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے مرید کامل سید علم الدین کو ہجوم کفار دیار سے اذیت کا اندیشہ تھا۔ انھوں نے اپنا احوال سید اشرف رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا آپ نے جواب میں تسلی وتشفی کی اور تحریر فرمایا کہ" ایں فقیر بہ فرزند اعزالملک الامراملک شمون نصراللہ تعالےٰ علی اعدائہ نوشتہ انشاءاللہ تعالےٰ حمایت کن برادر خواہند بود۔" (مکتوب پنجاہ دسوم)

عوام کا خیال ہے کہ فقیروں کو بادشاہوں اور رئیسوں سے ملنا نہ چاہیئے۔ لیکن حضرت فرماتے تھے کہ اس سے جہالت اور غرور کی بو آتی ہے۔ تم خود کو دوسرے سے بہتر جانتے ہو تو یہ عملِ ابلیس ہے۔ نفس امارہ کا دھوکہ ہے۔ شیطان نے کہا تھا اناخیر منہ خلقتنی من نارٍ وخلقتہ من طین۔ میں آدم سے افضل ہوں۔ مجھکو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے اسی طرح تم بادشاہوں اور دولتمندوں کو فقیروں سے کم رتبہ سمجھتے ہو۔ نعوذ باللہ۔

اگر درویش کسی رئیس یا سلطان کو اپنے سے بہتر تصور کرے تو یہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔ ابرار کی نیکیاں گنہگاروں کے فرد اعمال میں نہیں لکھی

جائیں اور نہ بدکاروں کے گناہ نیکوں کے نامۂ اعمال میں درج ہوتے ہیں۔ لہٰذا امیر کے مراتب کا تنزل اور اس کا عبادت میں قصور کامل کے مشرب کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ بادشاہ اور حاکم یا تو عادل ہوتے ہیں یا ظالم اگر وہ عادل و عابد ہیں تو ان کو دیکھنا باعثِ برکت ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ بادشاہ سے ملاقات کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔ نوشیروان عادل مشرک تھا مگر اس کے عہد میں ولادت پر جناب پیغمبر علیہ السلام نے فخر کیا ہے اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب بندوں سے افضل امام عادل ہوگا۔ سلطنت کے دہشت و دبدبہ سے ارازل و اشرار بہت سی برائیوں سے باز رہتے ہیں اور ابرار و اخیار معاش پا کر بے فکری سے عبادتِ خالق میں مشغول ہوتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا قول ہے کہ ایک ساعت کا عدل ساٹھ برس کی عبادت سے افضل ہے۔ لہٰذا عام خلائق پر بادشاہِ عادل کی دعا و ثنا لازم ہے۔ اگر حاکم فاسق و ظالم ہو تو علماء و مشائخ پر اس سے ملاقات فرض ہے۔ تاکہ اس کو امور خیر کی تلقین کریں۔ دنیا کا مال حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس نیت سے کہ بُرے کاموں سے اس کو بچائیں اور کمالات اصلیہ تک اس کو پہنچائیں جو درویش رئیسوں سے ملتے ہیں ان پر بعض جہلا جن کو دنیا کی سیر نہیں کی ہے۔ ازراہِ حسد انکار کرتے ہیں۔ لیکن جاننا چاہیے کہ فقراء دو قسم کے ہیں شرعی و طریقتی۔ فقراء شرعی کے پاس زر و مال نہیں ہوتا۔ احتیاجات سے ان کو مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے فقراء رئیسوں اور امیروں سے ملاقات کر کے عیال و اطفال کو فقر و فاقہ سے نجات دلائیں بے فکر ہو کر نماز روزہ میں مشغول رہیں۔ صدقات

جو فقراء و مساکین کا حق ہیں۔ امیروں سے حاصل کریں تو ان کو دولت مندوں سے ملنا جائز ہے اور مباح۔

فقراء طریقت بھی دو قسم کے ہیں ایک کامل دوسرا مکمل۔ کامل وہ ہے کہ دائرۂ وحدت سے باہر نہیں نکل سکتا۔ جب کثرت کی طرف منتقل ہوتا ہے تو ذوق و شوق میں کمی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ کثرت کو نقطۂ وحدت سے غیر سمجھتا ہے۔ جو شخص اس مرتبہ پر فائز ہو اس کے لئے اصحاب و اخوان سے بھی ملاقات مضر ہے اغیار کا کیا مذکور غنی اور فقیر دونوں برابر ہیں۔ اس کے لئے عزلت و خلوت ہی مناسب حال ہے۔

فقیر مکمل عالم کثرت میں صورت بشر نظر آتا ہے مگر وہ بحرِ وحدت کا شناور ہے اس کا فرض ہے کہ بطریق نصائح آہستہ آہستہ مسلمانوں سے برے اطوار ترک کرائے ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھو احسن اپنے پروردگار کی راہ کی طرف حکمت و نصیحت سے بلاؤ اور اس سے جدال احسن طریقہ سے کرو۔

فقیر مکمل عارف کامل ہے اس کی نظر میں سب موجودات اسمائے الٰہی کا آئینہ اور صفات باری کا مظہر ہیں وہ ہر ایک کو غنی ہو یا فقیر اسی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس مبحث پر زیادہ گفتگو کی جائے تو دنیا میں شور و غوغا برپا ہو کفر و الحاد کا خطرہ ہے لہٰذا خاموش رہنا چاہیئے۔ بعض لوگ حضرت علی رضؓ کا یہ قول حجت میں پیش کرتے ہیں ــ دروازۂ امیر پر فقیر برا ہے اور دروازۂ فقیر پر امیر اچھا ہے لیکن یہ غور نہیں کرتے کہ جو دروازۂ امیر پر فقیر حظوظ نفسانی اور لذت شہوانی کے حصول کے لئے گیا تو وہ

فقیر ہی نہیں ہے کیونکہ فقر کا اول مرتبہ توکل ہے وہ ترک ہوا تو پہلی ہی بسم اللہ غلط ہوئی۔ ایسے فقیر کی طرف امیر نے التفات کیا تو اس کے لئے اکتساب سعادت ہے فقیر برا ہے اور امیر اچھا ہے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر فرمایا تھا کہ کسی ذمی کو ابوجہل کے دروازے پر حاجت ہو اور میرے پاس سفارش کے لئے آئے تو میں ننگے پاؤں ابوجہل کے دروازے تک جاؤں گا۔ تاکہ اس ذمی کی حاجت پوری ہو۔

جن اکابر نے امیروں کو سختی سے نصیحت کی ہے لیکن بیشتر صوفی امر بالمعروف اس خوبی سے کرتے ہیں کہ انکار کی گنجائش نہیں رہتی۔ ایک مغل امیر کو سور کے گوشت سے بہت رغبت تھی کوئی درویش ان سے ملاقات کرنے گیا دیکھا کہ امیر بہت مغرور ہے صریح حکم کیا جائے تو وہ حجت کرے گا۔ اور انکار کا گناہ جرم سے بھی سخت تر ہے۔ لہذا ایک حکایت بیان کی اور اس کے ضمن میں تذکرہ کیا کہ سور کے گوشت سے بے حمیتی پیدا ہو جاتی ہے۔ امیر پہ یہ نصیحت کارگر ہوئی اور اس نے عہد کر لیا کہ سور کا گوشت کبھی نہ کھاؤں گا۔

فرعون سے زیادہ جابر بادشاہ دنیا میں کون ہو گا مگر حضرت موسیٰ اس کے پاس تبلیغ کے لئے بھیجے گئے تو دو نور جہاں کے شہنشاہ نے حکم دیا کہ اس سے نرمی سے گفتگو کرنا قولا لہ قولا لینا غرض امیروں رئیسوں سے درویشوں کو ضرور ملنا چاہیئے اور بااحسن وجود اصلاح کرنا چاہیئے۔

شیخ علاء الدولہ سمنانی فرماتے تھے کہ حق تعالےٰ نے اس زمین کو حکمت سے پیدا کیا ہے وہ اس کی معموری اور خلق کا فائدہ چاہتا ہے اگر مخلوق دنیا کی عمارت:

فائدے کے لئے کرے اور اسراف کا دخل نہ ہو تو یہ آخرت کے لیے بھی مفید ہے۔ زمین کو معطل چھوڑنا گناہ ہے کسی شخص کے پاس اراضی ہو جس سے ہر سال ہزار من غلہ حاصل ہو سکتا ہو مگر اس کی تقصیر و بے پرواہی سے صرف نو سو من کی پیداوار رہ جائے تو سو من کی کمی کی بابت اس سے باز پرس ہوگی جو دنیا کی عمارت میں مشغول نہ ہو۔ اور اپنی کاہلی سے اس کا نام زہد و عبادت رکھے وہ تابع شیطان ہے۔ حضرت جہانگیر فرماتے تھے کہ چشم بصیرت سے ملاحظہ کرو تمام امرا و وزرا، رعایا برایا اہلِ صنعت و حرفت در حقیقت عبادت و سلوک میں مشغول ہیں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ دائرۂ روزگار کو ایک خانقاہ فرض کرو جس کے شیخ حضرت حق سبحانہ تعالے ہیں۔ انبیاء اصفیا خلفائے شیخ اور اولیاء خلفاء سے کمتر مرتبہ پر مشاہدہ وجود میں مستغرق ہیں۔ امراء و سلاطین اولیاء کے خدام ہیں تاکہ خانقاہ کے لئے اسباب حوائج فراہم کریں کسان و دہقان اس گروہ کے کارکن ہیں۔ اہلِ صنعت و حرفت لباس و اجناس مہیا کرنے پر مجبور ہیں۔ غرض کوئی طائفہ ایسا نہیں ہے جس کی حرفت کا فائدہ خانقاہ والوں کو نہ پہنچتا ہو۔ اگر یہ وسوسہ خاطر میں ہو کہ کفار کس کام کے لئے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ کافروں اور مشرکوں سے وہ فوائد ہیں جو کسی دوسرے سے نہیں حاصل ہو سکتے۔

ایک شخص نے اپنے پیر سے سوال کیا کہ کفار کے وجود سے کیا فائدہ ہے اس میں سوائے شر کے کوئی چیز نہیں ہے۔ پیر نے جواب دیا کہ بد کا وجود نہیں ہے۔ اور جس کو تم بد سمجھتے ہو وہ بد نہیں۔ کافر میں دو صفت ایسے ہیں جو کسی نبی و ولی میں موجود نہیں۔ کافر کا قاتل غازی ہے اور اس کا مقتول شہید ہے اگر کافر و مشرک کی تخلیق

نہ ہو غازی و شہید کے مراتب کیسے حاصل ہوں۔

وفات حضرت اصحاب و احباب کی مجلس میں کہا کرتے تھے کہ حق تعالےٰ نے مجھ کو عطائے کبریٰ سے سرفراز کیا ہے اور اس سے اشارہ درازیٔ سن کی طرف تھا کیونکہ حضرت کی عمر ایک سو بیس برس کی عطا ہوئی تھی۔ جس میں سے بیس سال آپ نے احیائے موتیٰ کے لئے ایثار کر دیئے تھے۔ ۸۰۸ھ میں سن شریف سو برس کا تھا اور محرم کا چاند دیکھا گیا تو حضرت نے بڑی مسرت کا اظہار کیا اصحاب متفکر ہوئے اور نور العین نے جرأت کر کے شادمانی کا باعث پوچھا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ مہینہ ہمارے جد حسینؓ کی شہادت کا ہے اگر موافقت نصیب ہو تو نہایت خوب ہے۔ حضرت اس زمانہ میں بیمار تھے۔ یہ ارشاد سنکر احباب نے رونا شروع کیا لیکن آپ نے منع فرمایا۔ اور سب کی تسلی کر دی۔ حضرت کی عادتِ شریف تھی کہ محرم کے عاشورہ میں اپنے اصحاب کو ساتھ لے کر گلیوں میں گشت کیا کرتے تھے لیکن اس سال یہ دور ترک کیا آسمان کی طرف دیکھتے تھے اور خاموش ہو جاتے تھے۔ توحید و معارف کا مسئلہ اگر کوئی پوچھتا تو دیر کے بعد جواب دیتے تھے اور آخر میں کہتے تھے کہ دوستو مجھکو ایک بہتر کام درپیش ہے گفتگو اس وقت تک ہے جب تک یقین نہ ہو اور جب مرحلہ یقین پر پہنچ جائے تو نسبت حاصل کرنا چاہیئے۔ گفتگو بیکار ہے۔ محرم کے دس روز اصحاب کے ساتھ قرأت قرآن میں صرف کئے۔ عاشورہ کا دن ہوا تو حالت زیادہ خراب تھی۔ شیخ نجم الدین پیر حرم جن کا اسم مبارک اس مقدمہ میں کئی بار آچکا ہے۔ یکایک وارد ہوئے اور کہا کہ نہیں نہیں فرزند اشرف چند روز رہنا اور مصلحت ہے کیونکہ تکمیل میں کسی قدر کسر باقی ہے۔ حضرت نے کچھ جواب نہ

دیا مگر طبیعت سنبھلی اطراف و نواحی سے طالب و مرید عیادت کے لئے آئے۔ آپ نے مزاج کی خرابی ظاہر نہ فرمائی اور اپنے مقررہ وظائف ادا کرتے رہے۔ مخدوم زادہ قطب عالم پنڈوی اور شیخ الاسلام رومی بھی بطریق سیر وارد ہوئے۔ مخدوم زادہ نے کہا کہ بھائی اشرف آپ میرے والد بزرگ کی یادگار ہیں۔ آپ کی زندگی بڑھے اور بیماری صحت سے تبدیل ہو تاکہ گمراہ آپ کی ہدایت سے صراطِ مستقیم پر گامزن ہوں۔" حضرت نے فرمایا کہ اب بقا اور صحت مخدوم زادے کو عطا ہو میرے اور محبوب کے درمیان ایک رقیق حجاب رہ گیا ہے، مناسب ہے کہ دوست دوست سے مل جائے۔

دل زتن عریاں شدہ جاں از خیال

می خرامد در نہایاتِ وصال!

اس قول سے تمام اہلِ مجلس پر حالت طاری ہو گئی اور سب کو وجد آگیا پندرہویں محرم کو اخیار و ابرار آئے۔ انھوں نے عرض کی کہ چند روز اور آپ دنیا میں قیام کریں تو کیا حرج ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بارہ سال سے آسمان و زمین کی کنجی حق تعالےٰ نے میرے ہاتھ میں دی ہے لیکن میں نے ادب کی خاطر سے کوئی تصرف نہیں کیا۔ زندگی کا بھی مجھے اختیار دیا گیا ہے جب تک چاہوں اس خاکدانِ سفلی میں پڑا رہوں۔ لیکن اب دل نہیں چاہتا۔ سولہویں تاریخ ابدال عیادت کے لئے آئے اور عرض کی کہ آپ ہم لوگوں کو کیوں چھوڑتے ہیں۔

سترہویں کو اوتاد آئے اور پوچھا کہ آپ اپنا منصب کس کو دیتے ہیں فرمایا کہ ابھی تک کوئی شخص تیار نہیں ہوا ہے۔ جب وہ بھی چلے گئے تو حضرت تین دن تک بیہوش پڑے رہے۔ نماز کا وقت آتا تو جسم میں حرکت آجاتی تھی اور نماز ادا کرتے تھے

اس کے بعد قوتِ احساس باقی نہ رہتی تھی۔ اصحاب نے کیفیت دریافت کی تو کہا کہ اس کا جواب نجم الدین دیں گے۔ شیخ نجم الدین دسویں محرم سے موجود تھے ان سے دریافت کیا گیا تو بولے بقیہ تکمیل جس کی طرف پہلے اشارہ کیا گیا تھا اس تین دن میں پوری ہوگئی بیس محرم سے تیئیس تک دور و نزدیک سے لوگ آئے اور ہر ایک کو آپ نے بشارت و نوید سعادت سے سرفراز فرمایا۔ اس تین روز کے اندر اس قدر خلائق توبہ دارادت سے مشرف ہوئی کہ اس کی تفصیل خدا کو معلوم ہے۔ جس روز سے کہ محرم کا چاند دیکھا گیا تھا آپ روضہ بنوانے کے اہتمام میں مصروف رہتے تھے۔ جمشید قلندر جو پانچسو قلندروں کے سردار تھے بارہ برس سے باغ تیار کر رہے تھے اور مریدوں اور اصحاب میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس نے کچھ نہ کچھ کام روضہ کا نہ کیا ہو۔ حوض سات مرتبہ آبِ زمزم سے بھرا گیا تھا۔ اور بہت سے درخت حضرت نے خود اپنے ہاتھ سے لگائے تھے ایک بار بنگال سے سپاری کا درخت لائے تھے اور نماز عصر ادا کر کے اس کو خود نصب کیا تھا۔ اس کام میں کسی قدر دیر ہوئی اور مغرب کی اذان ہوگئی۔ اتفاقاً دانہ ہائے خرما کی تسبیح جو روح ماں سے بندھی ہوئی حضرت کے کاندھے پر ہی تھی ٹوٹ گئی۔ اصحاب نے دانے چن کر فراہم کئے اور ڈورے میں پرو دیئے تو ایک دانہ کم تھا۔ تسبیح کی تیاری کے بعد وہ دانہ دستیاب ہوا تو اس کو اپنے ہاتھ سے ایک پودے کی شاخ پر نصب کر دیا اور فرمایا کہ اے تخم خدا کے حکم سے درخت ہو جا اور پھل لا۔ یہ سب انتظامات بارہ برس سے ہو رہے تھے لیکن محرم ۸۰۸ھ سے روضہ کی طرف توجہ مزید ہوئی فرمایا کہ میری قبر باغ کے درمیان بناؤ اور طول و عرض اتنا ہو کہ نماز پڑھی جا سکے۔ نور العین درتیم اور قاضی حجت وغیرہ نے بڑی محنت و اہتمام سے حکم کے مطابق مرقد تیار کیا حضرت

خود معائنہ کے لئے تشریف لائے اور مولسری کے درخت کے نیچے بیٹھ کر فراقِ احباب پر تاسف کا اظہار فرمایا سب اصحاب زار زار رونے لگے اور نور العین شدتِ گریہ سے بے ہوش ہو گئے۔ ایک پہر کے بعد ہوش آیا تو حضرت کے قدموں پر سر رکھکر کہنے لگے کہ مجھکو اس غریبی میں تنہا نہ چھوڑیئے آپ نے خاک سے پاک کیا تو پھر خاک پر نہ گرایئے۔ حضرت نے ان کا سر اٹھایا اور بغلگیر ہو کر فرمایا کہ "بیٹا عبدالرزاق مجھ کو اپنے سے جدا نہ سمجھو اور اپنے دوسرے اصحاب سے کہا کہ میں ہر حال میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔ اس کے بعد حوض کی بہت تعریف کی۔ مزاج شگفتہ ہوا تو فرمایا کہ "جو شخص اس روضہ پر آئے گا۔ انشاء اللہ فیض سے بے نصیب نہ جائے گا۔

ستائیسویں محرم کو فجر کے وقت امامان غیب آئے آپ نے بائیں طرف کے امام کو پیش نماز بنایا اصحاب کو حیرت ہوئی کہ حضرت نے خلافِ عادت دوسرے شخص کو کیوں امام کیا۔ نور العین نے کہا کہ آج دنیا تاریک ہو جائے گی مقتدی کو امام بنانا علامت ہے کہ اپنا مقام خاص اس کے سپرد کیا ہے۔ حضرت نے مقررہ وظائف ادا کئے اور نماز اشراق کے بعد مکان تشریف لائے ایک شخص دروازے پر متعین کیا کہ خبردار کسی نامحرم کو اندر نہ آنے دینا۔ تھوڑی دیر کے بعد اخیار و ابرار آئے۔ ابدال و اوتاد۔ احباب و اصحاب خاص جمع ہو گئے۔ شیخ نجم الدین پہلے ہی سے موجود تھے۔ آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے جب تک تمہارے درمیان رکھا میں رہا اب مجھ کو واپسی کا حکم ہے اس کی تعمیل کروں گا۔ کوئی شخص میرے جانے سے غمگین نہ ہو۔ میں ہمیشہ تمہارے احوال کا نگراں رہوں گا اور تم ہمیشہ مجھ کو اپنے ساتھ پاؤ گے۔ اپنا سجادہ نور العین کو تفویض کیا اور فاتحہ پڑھا۔ اس کے بعد چند ورق سادہ لے کر قبر میں اتر گئے

اور ایک رات دن اسی جگہ رہے وہاں سے ایک نصیحت نامہ لکھکر لائے جس میں بعد حمد و نعت کے تحریر تھا کہ میرے برادران احباب و اصحاب کو معلوم ہو کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں اور اسلام کے تمام احکام کا پابند ہوں۔ میرا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اصحاب رسلین و تابعین سے افضل تھے اور اصحاب میں افضل و اعلیٰ ابوبکر ہیں۔ ان کے بعد عمر، عثمان۔ علی رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

میرے فرزندوں اور معتقدوں کو معلوم ہو کہ میرا یہی عقیدہ تھا یہی ہے اور یہی ابد تک رہے گا۔ جس شخص کا یہ اعتقاد نہ ہو وہ گمراہ اور زندیق ہے میں اس سے بیزار ہوں اور خدا اس سے راضی نہیں ہے۔ حق سبحانہ کی تجلی ستر ہزار بار اس فقیر پر ہوئی اور اس قدر نوازش اور رحمت ہوئی کہ تحریر میں نہیں آسکتی۔ عالم ملکوت سے ندا ہوئی کہ اشرف ہمارا محبوب ہے اس کے سب مریدوں کے گناہ ہم نے معاف کئے اور ان کو اشرف کے طفیل میں بخشا یہ آخری بشارت ہیں سب بھائیوں اور دوستوں کو پہنچاتا ہوں۔ اور اختتام کلام یہ ہے کہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔ اس فقیر کی بابت درگاہ صمدیت سے حکم ہوا کہ یہ غریب اپنے وطنِ اصلی کی طرف واپس ہو۔ فرشتے اور رجال الغیب غسل دیں۔ خانہ کعبہ کے مقابل نماز جنازہ پڑھائی جائے۔ لیکن خلائق کے نفع کے لئے دار دنیا میں دفن کریں تاکہ جو شخص میری قبر پر پہنچے اس کی حاجت برآئے انشاء اللہ تعالےٰ اس کی عاقبت بخیر ہوگی۔

۲۸ محرم کو صبح کے وقت شیخ نجم الدین حضرت کے پہلو میں بیٹھے تھے۔

نورالعین کو طلب کرکے تبرکات کا بقچہ منگایا اور جو خلعت بزرگوں سے پائے تھے وہ نورالعین کو عنایت کئے اور بعض دیگر مریدین و خلصین کو بھی عطا کئے پھر فرمایا کہ اے بھائیو۔ معتقدو اور حاضرین مجلس اشرف جہانگیر کو اپنے پاس سے دور نہ سمجھنا کیونکہ حق تعالےٰ نے اپنی رحمت سے مجھ کو جوار قدس میں جگہ دی ہے اس کے بعد نورالعین کو نماز ظہر کے لئے امام بنایا۔ اور خود ان کی اقتدا کی نماز سے فراغت ہوئی تو مردانہ وار بیٹھ گئے اور قوالوں کو شیخ سعدی کے چند اشعار گانے کا حکم دیا۔ قوالوں کے ساتھ خود بھی گانا شروع کیا۔ درود یوار پر کیفیت طاری ہوگئی اور اسی حالتِ جوش و خروش میں راہی خلد بریں ہوئے فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر وہ اشعار جن پر حضرت نے جوار قدس کی راہ لی حسبِ ذیل تھے۔

خوب تر زیں دگر نہ باشد کار | یار خنداں رود بہ جانب یار
سیر بتید جمال جاناں را | جان سپارد نگار خنداں را

شیخ عبدالرحمٰن مولف مرآۃ الاسرار تحریر فرماتے ہیں کہ مجھکو حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت کا بہت اشتیاق تھا خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے عالمِ واقعہ میں اشارہ فرمایا کہ میر سید اشرف جہانگیر کے مرقد پر جاؤ۔ وہاں مراد حاصل ہوگی۔ میں نے التماس کی وہاں جانے کی کیا شرط ہے۔ خواجہ نے فرمایا کہ حق تعالےٰ نے ہر مقام کو ایک خاص برکت اور خاصیت عطا کی اور کشود کار کے لئے وقت معین کیا ہے۔ ارشاد کے مطابق ماہِ محرم ۱۰۳۴ھ میں روح آباد گیا اور آخر عشرہ وہاں اعتکاف کیا۔ اس وقت سید حسن شریف سجادہ نشین تھے۔ ایک شب حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا کہ حوض میں غسل کر رہے ہیں۔ لیکن حرف و حکایت کا موقع نہ ملا۔

اعتکاف کی آخری شب کو حضرت خضر علیہ السلام اور جمیع رجال اللہ کی زیارت ہوئی اور ان سے فیض اندوز ہوا اتفاقات حسنہ سے اسی شب کہ دو حاینت پاک حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم و بعض صحابہ کرام در روحانیت اکثر پیرانِ چشت مثل خواجہ معین الدین و خواجہ قطب الاسلام و گنج شکر و سلطان المشائخ، شیخ نصیر الدین محمود وغیرہ کی زیارت سے سرفراز ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام اور امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ ایک جوان کوتاہ بالا و خوش رو کو لائے اور حضرت رسالت پناہ کے قدم پر ڈال کر التماس کی "جہانگیر بادشاہ والی ملک ہندوستان بیمار ہے اور چند روز میں انتقال کرے گا۔ اس کے بیٹوں میں یہ جوان سلطنت کے قابل معلوم ہوتا ہے" آنحضرت نے دست حق پرست اس جوان سعید کے سر پر رکھا اور فرمایا کہ قائم مقام پدر باشں۔

اس وقت معلوم ہوا کہ وہ جوان شاہ جہاں بن جہانگیر بادشاہ ہے۔ اس کی محافظت خواجگانِ چشت کے سپرد ہوئی اور سید اشرف جہانگیر کے حوالہ کیا گیا اس واقعہ سے چار سال بعد جہانگیر فوت ہوا اور ۱۰۳۶ھ میں ۸ رجادی الثانیہ کو دوشنبہ کے دن شہاب الدین محمد شاہ جہاں نے تخت سلطنت پر جلوس کیا۔

مقصود اس حکایت سے یہ امر ہے کہ از سببِ تصرف ولایتِ جہانگیری ہنوز عزل و نصب ولایت صوری و معنوی کا برسر مرقد متبرکہ میر سید اشرف جہانگیر قدس سرہٗ جاری ہے اور اکثر مجمع رجال اللہ کا اس جگہ واقع ہوتا ہے۔

حضرت کا وصال بتاریخ بست و ہشتم ماہ محرم الحرام سنہ ثمان و ثمان مائیہ

لے منقول از مراۃ الاسرار قلمی (سال کتابت ۱۰۴۵ھ)

(سنہ ۸۰۸ھ) در زمان سلطنت سلطان ابراہیم شرقی ہوا قطعہ تاریخ یہ ہے۔

سید اشرف بُد جہانگیر جہاں معرفت
گشت چوں در بزم قرب از سر وصلش آگہی
از پے سال وصالش از خرد کردم سوال
گفت تاریخش بوصل حق وہد جاں منتہی — سنہ ۸۰۸ھ

مولف مراۃ الاسرار شیخ عبدالرحمن بن عبدالرسول بن قاسم بن شاہ بدہ حضرت عباس ابنِ علیؑ کی اولاد سے تھے۔ ان کے پردادا شاہ بدہ مخدوم خاصۂ خدا بن خضر صالحی ساکن امیٹھی کے خلیفہ تھے جن کا سلسلۂ بیعت چند واسطوں سے حضرت اشرف جہانگیر تک پہنچتا تھا۔ یعنی مخدوم خاصۂ خدا اپنے خسر مخدوم شیخ خواجگی کے خلیفہ تھے۔ جن کو اپنے والد شیخ علی سے اور ان کو اپنے والد مخدوم خیرالدین سدھوری سے خلافت ملی تھی۔ مخدوم خیرالدین کی بیعت و خلافت کی حکایت پہلے بیان ہو چکی ہے۔ شیخ عبدالرحمن چشتی کی تعلیم بہ طریقہ اویسی حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی رُوحِ پاک سے تھی اور انھیں کی ہدایت سے شیخ حمید بن خواجہ قطب الدین سجادہ نشین آستانہ حضرت مخدوم عبدالحق ردولوی کے مرید ہوئے۔ اور خرقہ خلافت مع امانت خواجگانِ چشت حاصل کیا تھا۔ انھوں نے سنہ ۱۰۳۴ھ میں حضرت قدوۃ الکبریٰ کے آستانہ مبارک پر اعتکاف کیا۔ اور سنہ ۱۰۴۵ھ میں بحکمِ باطن مراۃ الاسرار کی تالیف شروع کی جو سنہ ۱۰۵۳ھ میں تمام ہوئی۔ خاتمہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ بارہ سال کے بعد سنہ ۱۰۶۵ھ میں شرفِ زیارت آستانہ حضرتِ پیر دستگیر معنوی خواجہ بزرگ معین الحق والدین چشتی قدس سرہ سے دوبارہ مشرف ہوا

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے تم کو چار مرد صاحب ولایت اور صاحب تصرف کے درمیان جگہ دی ہے۔ جو قیامِ قیامت تک اپنی قبور میں مثل احیاء کے تصرف کریں گے۔

اور ہمیشہ تمہارے ممد ومعاون رہیں گے۔ مغرب کی طرف شیخ بدیع الدین شاہ مدار مشرق کی طرف سید اشرف جہانگیر شمال میں سید مسعود غازی اور جنوب میں شیخ حسام الدین مانکپوری، ان چاروں کے درمیان تم ہمیشہ امن و امان میں رہو گے ان کے علاوہ پانچویں شیخ احمد عبدالحق ہیں کہ "تو عین ذات الٰہی" یہ فوائد سنکر کمترین مریدان کا حال دگرگوں ہوا مجال حرف زدن نہ رہی: "سجدۂ شکر بجا آوردم" مولف بحرِ ذخار سید وجیہ الدین اشرف اپنا تجربہ تحریر کرتے ہیں کہ کشائش کار کے لئے حسبِ ذیل شعر کا ورد قضائے مبرم کی خاصیت رکھتا ہے۔

اے اشرف زمانہ زمانے مدد نما

درہائے بستہ راز کلید کرم کشا

(لطائف اشرفی) حضرت سید اشرف جہانگیر رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات ارشادات اور ملفوظات ان کے مرید شیخ نظام یمنی نے نویں صدی ہجری کے ابتدائی حصہ میں قلمبند کئے تھے اور اس مجموعہ کا نام لطائف اشرفی رکھا تھا ارشادات و ملفوظات کی حیثیت سے یہ تالیف طبقہ صوفیائے کرام میں متفق علیہ ہے بعض مسائل کی صحت و جواز کے بابت معتقدین وحدت الوجود اور مجوزین سماع و اعراس وغیرہ سے دوسروں کو اختلاف ہے لیکن اس میں کسی کو کلام نہیں کہ سید اشرف جہانگیر کا وہی مسلک تھا جو شیخ نظام یمنی نے لطائف میں لکھا ہے۔ دیباچہ کتاب میں

تحریر ہے کہ "ملفوظات ورقاً بعد ورقٍ سید رحمۃ اللہ کے حضور میں پیش کیے گئے" جو روایات کی صحت و راستی کی تصدیق مزید ہے۔ کتاب کی ترتیب لطائف پر کی گئی ہے مثلاً لطیفہ اول توحید لطیفۂ دوم ولایت و ولی لطیفہ ششم اہلیت، شیخی وغیرہ اور حضرت کے حالات جگہ جگہ مختلف لطائف میں درج ہیں۔ ان مقامات سے مضامین اخذ کر کے حضرت کی سوانح مرتب ہو سکتے ہیں۔ اور مورخانہ نظر سے یہ شہادت معتبر ہے کیونکہ شیخ نظام ۷۸۵ھ میں مرید ہوئے اور ۳۰ برس حضرت کے سفر و حضر میں ہمراہ رہے۔ بعض حکایات انھوں نے حضرت کی زبان مبارک سے سُنی تھیں۔ بعض کرامات و خوارق کے چشم دید گواہ تھے اور ان کے عدم حضور کے واقعات بھی حضرت کے زمانۂ حیات میں قابل اعتبار ذرائع سے بآسانی دریافت ہو سکتے تھے۔ لیکن شیخ نے سنین کی تقویم و تعقیب کا بالکل لحاظ نہیں رکھا۔ جو واقعات جس لطیفہ سے تعلق رکھتے تھے ان کو ایک جگہ درج کر دیا۔ خواہ ان میں باہم کتنا ہی بعد ہو مثلاً حضرت کا سلطنت ترک کر کے بیعت کے لئے ہندوستان آنا۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ پڑھانا۔ جونپور میں سلطان ابراہیم شرقی سے ملاقات کرنا ایک ہی لطیفہ میں لکھدیا باوجودیکہ ان تینوں معاملات میں باہم بیسوں برس کا فصل تھا۔ بایں ہمہ شیخ نظام کی معتبر شہادت نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ واقعاتِ متذکرہ بالا ضرور پیش آئے تھے جن کو تالیف کی خاص ترتیب نے مسلسل داستان کی طرح نمایاں کر دیا۔ حالانکہ وہ مختلف اسفار سے متعلق ہیں۔ افسوس ہے کہ اس ضخیم تالیف کا کوئی معتبر نسخہ راقم الحروف کو دستیاب نہ ہو سکا۔ تکیہ شریف

کاظمیہ (کاکوری) کے کتب خانہ میں ایک نسخہ ۱۲۲۹ھ کا لکھا ہوا محفوظ ہے جس کے خاتمہ پر لکھا ہے کہ ۱۲۱۷ھ کے قلمی نسخہ سے مقابلہ کیا گیا۔ اس کتاب کے بھی آخری اوراق گم ہیں۔ ۱۲۹۷ھ میں شاہ اشرف حسین و شاہ علی حسین جانشینان حضرت جہانگیر کی سعی و کوشش سے یہ کتاب طبع ہوئی تھی اور شاہ علی حسین اپنے نسخہ کا کتب خانہ تکیہ شریف کے نسخہ سے مقابلہ کرنے کے لئے کاکوری تشریف لائے تھے لیکن باوجود مقابلہ کے بعض جگہ دونوں نسخوں میں اختلاف ہے ایک قدیم نسخہ لطائف اشرفی کا کتب خانہ سرکاری ریاست رامپور میں ہے مگر کتابت تحریر نہیں کتاب کے مالکان قدیم میں کوئی صاحب وصی علی نام تھے ان کے قلم سے ۱۲۷۱ھ سرورق پر لکھا ہوا موجود ہے ظاہرا یہ نسخہ بھی تکیہ شریف کے نقل سے موخر ہے۔ ایک نامکمل نسخہ اس نایاب تالیف کا شیخ عبداللطیف صاحب سفیر صدیقی بجنوری کے کتب خانہ میں ۱۱۵۰ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے خاتمہ پر تحریر ہے " کاتب الحروف فقیر حقیر سید رحیم اللہ خطیب و موذن مسجد جامع قصبہ بکیدلہ سرکار کڑا مضاف صوبہ الہ آباد۔ ۔ ۔ ۔ بتاریخ نہم شہر ربیع الاول سنہ یکہزار و یک صد و پنجاہ ہجری المقدس مطابق سنہ نوزدہ جلوس والا محمد شاہ بادشاہ غازی روز دو شنبہ بکپاس روز برآمدہ تحریر یافت۔

سخت افسوس ہے کہ اس جلد میں ابتدائی پندرہ لطائف غائب ہیں۔ اور کتاب کا آغاز لطیفہ شانزدہم کے آخری حصہ سے ہوتا ہے۔ لطائف اشرفی کے اس نسخہ میں اور نیز کتب خانہ سرکاری ریاست رامپور میں سنہ وفات ۷۹۹ لکھا ہے کاکوری کے قدیم نسخہ میں ۷۹۲ھ تحریر ہے۔ مطبوعہ نسخہ میں

سال وفات ۷۹۸ھ درج ہے۔ لیکن اسی مطبوعہ نسخہ کے صفحہ ۴۱۲ (حاشیہ) پر دو قطعات تاریخ وفات درج ہیں۔ ایک کا مادہ اشرف المومنین ہے اور دوسرے کا نور مشواہ ان دونوں سے ۸۰۸ھ برآمد ہوتا ہے۔ علاوہ بریں نسخہ کے صفحہ ۴۲۱ پر (کو الف اشرفیہ میں) صاف الفاظ میں حضرت کی تاریخ وفات بست و ہشتم ماہ محرم ۸۰۸ھ درج ہے۔ تعجب ہے کہ مطبوعہ نسخہ کے متن میں ان تاریخوں سے مطابقت نہیں کی گئی اور قلمی نسخوں کی غلطی برقرار رہی۔ شیخ محمد حارثی بدخشی دہلوی ۱۱۶۴ھ تک بقید حیات تھے۔ انھوں نے ایک کتاب "تاریخ محمدی" نام تالیف کی جو سنین پر مرتب ہے اور اس میں ہر سنہ کے اندر فوت ہونے والے سلاطین و امراء علماء و مشائخ کا تذکرہ بہت مختصر الفاظ میں کیا گیا ہے۔ کتب خانہ رام پور میں اس کتاب کا ایک مسودہ مولف کے قلم کا لکھا ہوا موجود ہے۔ اس میں ۸۰۸ھ کے ضمن میں حاشیہ پر لکھا ہے "شاہ اشرف جہانگیر در اخبار الاخیار باید دید" یہ گویا حوالہ ہے سید اشرف جہانگیر رحمۃ اللہ علیہ کے ۸۰۸ھ میں وصال کا مگر مولف کو کتب رائج فی الوقت کی بدولت شبہ پیدا ہوا ہے اس لئے اخبار الاخیار دیکھنے کے لئے یادداشت لکھدی ہے اور متن میں اپنے قلم سے کوئی تاریخ درج نہیں کی۔

شیخ عبدالرحمن علوی کی تالیف مراۃ الاسرار جو ۱۱۴۵ھ کی نقل کی ہوئی تکیہ شریف کاکوری کے کتب خانہ انوری میں موجود ہے ثابت کرتی ہے کہ لطائف اشرفی مولف مراۃ الاسرار کے پیش نظر تھی۔ مختلف مقامات پر اس کے اقتباسات درج ہیں اور سید اشرف جہانگیر کے تذکرہ میں لطائف اشرفی کا اتباع کامل

کیاہے وہ بھی سالِ وفات ۸۰۸ھ بتاتے ہیں اور جو قطعۂ تاریخ انھوں نے نقل کیاہے۔ اس سے بھی ۸۰۸ھ برآمد ہوتاہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قدیم نسخوں میں جو مولّف مراۃ الاسرار کے عہد میں رائج تھے۔ یہی سنہ تحریر تھا مگر متاخر نسخوں میں ۷۹۸ھ یا ۷۹۲ھ درج ہوگیا اور تذکرہ نویسوں نے اسی کو درست تصور کرکے اپنی تالیفات میں لکھدیا۔

سلطان ابراہیم شرقی نے ۸۰۴ھ میں تختِ سلطنت پر جلوس کیا۔ ملک العلماء قاضی شہاب الدین امیر تیمور کے حملہ کے بعد جونپور آئے جو ۸۰۱ھ کا واقعہ ہے۔ حضرت جہانگیر کا سلطان ابراہیم کے عہد میں جونپور تشریف لے جانا اور قاضی شہاب الدین کا حضرت سے مستفیض ہونا مُسلم ہے لہذا ۸۰۴ھ سے پہلے کا کوئی سنہ وفات صحیح ہو ہی نہیں سکتا۔ سید اشرف رحمۃ اللہ علیہ کا سالِ ولادت کسی تذکرہ میں درج نہیں لطائف اشرفی میں مرقوم ہے کہ حضرت کو ایک سو بیس سال کی عمر عطا ہوئی تھی۔ جس میں سے ۲۰ سال احیاء موتی کے لئے ایثار کئے تھے۔ تحقیق سے ثابت ہوگیا کہ سنہ وفات ثمان وثمان ماۃ یعنی ۸۰۸ھ ہے تو سال ولادت ۷۰۸ھ ہونا چاہیئے۔

حضرت نے زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا ہے کہ سلطنت ترک کرکے جب ہندوستان آئے اور مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ۲۷ سال کے تھے — دلبست وہفت سالہ بود، لہذا سال بیعت ۷۳۵ھ ہونا چاہیئے۔ مقدمہ ہذا کی ترتیب وتہذیب انھیں روایات کے اعتماد پر کی گئی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خلاصہ

لطائف اشرفی

دیباچہ مولف

بعد حمد و نعت کہتا ہے احقر الانام نظام حاجی غریب یمنی کہ آغاز شباب سے میرے دل میں اولیاء اللہ کی صحبت میں حاضر ہونے کا شوق اور داعیۂ طلب حق موجود تھا۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی دل پر نقش تھی کہ یہ سعادت بغیر کسی کامل و مکمل ولی کی تعلیم و تلقین کے حاصل نہیں ہو سکتی جو طلب کرتا ہے وہ پاتا ہے اور اللہ جسکو چاہتا ہے اپنے نور کی طرف راستہ دکھاتا ہے۔ ۷۸۵ھ میں اس حقیر کو مقتدائے اولیاء حضرت قدوۃ الکبریٰ امیر سید اشرف جہانگیر سمنانی سے شرف بیعت حاصل ہوا اور قریب ۳۰ سال کے خدمت شریف میں حاضری اور ان کے خرمن سعادت سے خوشہ چینی نصیب ہوئی۔ بقدر قابلیت و استعداد معارف و عوارف حاصل ہوئے اور آثار ولایت کا شاہدہ ہوا جذب دل کے مطابق تعلقات دنیاوی سے دل سرد ہوا اور حضرت کے دیدار سے دم بدم مدارج میں ترقی ہوئی۔ اس اثنا میں عالم غیب سے میرے دل پر یہ القا ہوا کہ حضرت کے بعض انفاس نفیسہ اور الفاظ متبرکہ اور بعض احوال و مقامات و

کرامات قلمبند کروں اور ان معارف وحقائق کا بھی بیان کروں جو مشائخ روزگار اور اکابر دیار سے سفر وحضر میں حضرت کو حاصل ہوئے تھے۔ نیز حضرت کے بعض خوارق جو دشمنوں اور حاسدوں کے مقابلہ میں صادر ہوئے تھے۔ خصوصاً وہ وقائع جو شیخ حاجی چراغ ہند اور حضرت قدوۃ الکبریٰ کے درمیان پیش آئے تھے لکھوں۔ آپ کے خارق عادات شمار سے زائد ہیں لیکن جو احوال ومقامات قابل ضبط تھے اور میری سمجھ میں آسکے ان کو قید کتابت میں لاکر مخدوم کے سامنے پیش کیا اور اول سے آخر تک ورق ورق ملاحظہ اقدس سے گذارا۔ بلکہ اکثر الفاظ بھی وہی استعمال کئے جو حضرت کی زبان مبارک سے نکلتے تھے۔ بعض ماجرے جن کا تعلق صمدیت سے تھا اور عام فہم نہ تھے اور نیز وہ کل کلمات جو حضرت نے سید عبدالرزاق کو سجادہ پر بٹھاتے وقت فرمائے تھے تحریر کرنے کی مجال نہ ہوئی۔ صاحب سجادہ کے بھی بعض خوارق ومقامات جو حضرت قدوۃ الکبریٰ کی رحلت کے بعد صادر ہوئے لطائف شریف کے ذیل میں درج کر دیئے۔ تاکہ ان کی خوشبو طالبان صادق اور مخلصان واثق تک پہنچے اور معلوم ہو کہ وہ گویا حضرت قدوۃ الکبریٰ کی بزم میں حاضر ہیں اور ان کے کلام سے مستفید ہو رہے ہیں۔ جس جگہ صالحوں کا تذکرہ ہو وہاں رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔ لہذا اولیاء اللہ کے تذکرے سے حصول فیض کی امید ہے۔ ان حکایات واقوال واحوال کی اطلاع سے معتقدوں اور مریدوں کی دل وجان کو استراحت نصیب ہوگی۔ اور طالبان صادق کو اس کتاب کے مطالعے سے نفع ہوگا۔ اور یقین بڑھے گا اگر وہ ان کلمات کی برکت سے خودی سے نجات پائیں تو اس بے چارے سرگرداں کو بھی دعا سے یاد کریں چونکہ اس مجموعہ میں معارف وعوارف جمع تھے لہذا اس کا نام لطائف اشرفی فی

بیان طوائف صوفی رکھا گیا۔ اس کتاب کے شروع میں مقدمہ ہے۔ انتہا پر خاتمہ ہے اور ۶۰ لطائف ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

لطیفہ (۱) بیان توحید۔ لطیفہ (۲) بیان معرفت اور ولایت ولی۔ لطیفہ (۳) معرفت عارف وجاہل (۴) معارف صوفی وملامتی و ذکر غوث وابدال واوتاد وغیرہ (۵) معجزہ کرامت واستدراج میں فرق (۶) اہلیت شیخی اور مرشد ومرید کے آداب۔ (۷) اصطلاحات تصوّف (۸) حقیقت ومعرفت و راہ سلوک (۹) اذکار سکھانے کی شرطیں (۱۰) شرائط تفکر ومراقبہ (۱۱) مشاہدہ ویقین (۱۲) لباس مشائخ کی قسمیں۔ (۱۳) بال منڈانا اور کترانا (۱۴) مشائخ کے خانوادے (۱۵) حضرت قدوۃ الکبریٰ کے سلاسل (۱۶) شطحیات مشائخ کے معانی (۱۷) آداب زیارت مشائخ (۱۸) زلف وخال کے معانی۔ (۱۹) بعض متفرق اشعار کی شرح (۲۰) سماع ومزامیر (۲۱) مسئلہ اختیار وقضا وقدر (۲۲) حضرت کے سلطنت ترک کرنے اور بیعت کے لئے حاضر ہونے کا بیان (۲۳) حضرت کے ظفر آباد جانے کا احوال (۲۴) امراء وسلاطین سے ملاقات کے فوائد (۲۵) بیان ایمان واحوال شریعت وطریقت (۲۶) بحث طریقت وشریعت وحدت (۲۷) دلائل وحدت وجود (۲۸) توبہ (۲۹) نماز (۳۰) روزہ (۳۱) زکوٰۃ۔ (۳۲) حج (۳۳) اصناف امت (۳۴) فوائد سفر (۳۵) عجائب روزگار جو ہم نے دیکھے (۳۶) طریق طعام (۳۷) اعتکاف وتلاوت کے شرائط (۳۸) وظائف ونوافل وغیرہ (۳۹) عشق (۴۰) زہد وتقویٰ (۴۱) توکل وخوف ورجا (۴۲) تعبیر خواب (۴۳) بخل وسخاوت (۴۴) مجاہدہ وریاضت (۴۵) رسوم خلق (۴۶) وعظ وغضب وشفقت (۴۷) مومن ومسلم (۴۸) امر معروف ونہی منکر (۴۹) معرفت امامت

(۵۰) نفس وروح وقلب (۵۱) ذکر علم وطبل (۵۲) نسب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم (۵۳) ذکر بعض صحابہ وتابعین (۵۴) ذکر بعض شعرائے صوفی (۵۵) حضرت کی بعض کرامات (۵۶) سید عبدالرزاق کو تفویض مقام (۵۷) حضرت کا ادھر جانا (۵۸) تکسیر وتعویذات وغیرہ (۵۹) وفات شریف (۶۰) بشارات حضرت بنسبت سید عبدالرزاق وبعض خلفاء۔

خاتمہ[1]۔ اخلاق وحکایات صوفیان۔

خدا میری سعی کو مشکور کرے اور راہ تحقیق میں خطا ولغزش سے محفوظ رکھے میں ناظرین سے امید دار ہوں کہ وہ اس کتاب سے مستفیض ہوں تو مولف کے حق میں دعائے خیر کریں۔ اور اس کے لکھنے میں کوئی غلطی ہوئی ہو تو اصلاح کریں۔ حق تعالےٰ جزائے خیر دے اس شخص کو جو اس کتاب کے مضامین پر غور کرے اور اس میں خطا ہو تو معاف کرے۔

اضافہ از مترجم

خلاصہ نگار عرض کرتا ہے کہ مندرجہ بالا ساٹھ لطائف میں سے لطیفہ ۲۲ (ترک سلطنت) ۲۳ (ظفر آباد) ۲۴ (امراء وسلاطین سے ملاقات) ۲۵ (عجائب روزگار) ۵۵ (کرامات حضرت) ۵۶ (تفویض مقام) ۵۷ (سفر ادھر) ۵۹ (وفات) ۶۰ (بشارت بعض خلفاء) کا ماحصل مقدمۃ الکتاب میں درج ہو چکا ہے۔

---

[1] خاتمہ شاید تحریر نہیں کیا گیا کیونکہ کسی مطبوعہ یا غیر مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہے۔ (مترجم)

تکرار کی حاجت نہیں اور لطیفہ ع۸ (اصطلاحات تصوف) ۱۶ (شطحیات مشائخ ۱۸ (زلف و خال) ۱۹ (شرح اشعار) ۵۲ (نسب نبوی) ۵۳ (تذکرہ بعض صحابہ و تابعین) ۵۴ (ذکر شعرائے صوفی) ۳۳ (اصناف اُمت) کا خلاصہ حذف کیا گیا ہے۔ کیونکہ اصطلاحات تصوف اور شطحیات وغیرہ کی شرح عوام کے لئے مفید نہیں اور جناب رسالت پناہ و حضراتِ صحابہ کے احوال میں اتنی ضخیم کتابیں زبانِ اُردو میں موجود ہیں کہ ان پر اضافہ کی ضرورت نہیں لطیفہ ۲۱ (تضاد قلندر) لطیفہ ۲۷ کا جزو ہے۔ لہذا اس کا مختصر حصہ دلائل وحدت وجود میں شامل کر دیا گیا۔ منطق و فلسفہ کے پیچیدہ مسائل اور دقیق مضامین حتی الامکان ہر لطیفہ سے حذف کر دیئے گئے اور صرف وہی فوائد اخذ کئے گئے ہیں جو عوام یا زیادہ سے زیادہ متوسطین کے ذہن نشین کئے جا سکیں۔

مقدمہ لطائفِ اشرفی

اس میں کتبِ صوفیہ کے مطالعہ اور مشائخ کے کلمات سننے کے شرائط و آداب درج ہیں

علم آفتاب روشن ہے اور تمام فنون اس کے ذرے ہیں۔ پہلی چیز جو بندے پر معرفت توحید و ایمان کے بعد واجب و لازم ہے وہ شریعت و طریقت کے عقائد کا علم ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ پہلے ادب سیکھو پھر علم دین پڑھو۔ اس کے بعد تنہا رہو اور عمل کرو۔ جس زمانہ میں شیخ الاسلام احمد[1] جام زندہ پیل مزاراتِ متبرکہ چشت کی طرف راہی ہوئے اور اس طرف سے حضرت خواجہ مودود چشتی اپنے احباب کے ساتھ باہر نکلے۔ اثنائے راہ میں دونوں سے ملاقات ہوئی اور باہم تھوڑا سا اختلاف ہوا۔ کدورت دور ہونے کے بعد شیخ الاسلام نے خواجہ مودود چشتی

---

[1] شیخ الاسلام احمد النامقی الجامی قدس سرہ چھٹی صدی ہجری کے اکابر صوفیہ سے تھے۔ سالِ ولادت ۴۴۱ ہجری اور سال وفات ۵۳۰ ہجری ہے۔ نفحات الانس میں ملا جامی نے ان کا تذکرہ بہ تفصیل لکھا ہے۔ لطائف اشرفی میں ان کی حکایات جگہ جگہ نظر آئیں گی۔ خواجہ مودود چشتی کا سلسلہ چشتیہ ہندوستان میں رائج ہے خواجہ اجمیری کے مرشدِ مرشد اور خواجہ یوسف چشتی کے فرزند تھے۔ سال وفات ۵۲۷ ہجری ہے۔ ۱۲ (مترجم)

سے کہا کہ دو خدمتگار ساتھ رکھو اور دو تین دن یہاں ٹھہرو۔ خواجہ نے شیخ کی ہدایت پر عمل کیا۔ اس کے بعد شیخ نے کہا کہ جانماز طاق پر رکھو اور علم دین پڑھو کیونکہ زاہد بے علم شیطان کا مسخرہ ہے۔ جب تحصیل علم سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے خاندان کا نام روشن کرو کیونکہ تمہارے آباو اجداد بڑے بزرگ اور صاحب کرامات تھے۔ خواجہ نے کہا کہ شیخ مجھے خاندان کا نام قائم رکھنے کا حکم دیتے ہیں تو مجھ کو سجادہ پر بٹھائیں شیخ الاسلام نے ان کو قریب بلا کر ہاتھ تھاما اور اپنے سجادہ کے کنارے پر بٹھایا اور تین بار کہا کہ "بشر علم" غرض تین دن تک خواجہ شیخ الاسلام کی خدمت میں حاضر رہے اور بہت فوائد حاصل کئے واپسی کے بعد بخارا و بلخ تشریف لے گئے اور چار سال وہاں علم سیکھا۔ اسی ملک میں ان سے کرامات عجیبہ ظاہر ہونے لگیں۔ بعد ازاں قصبہ چشت کو واپس آئے اور مریدوں کی تربیت میں مصروف ہوئے۔

عالم کو چاہیئے کہ بغیر پوچھے کچھ نہ بتلائے۔ کوئی علمی مسئلہ بغیر سوال کے بتائے تو دو حصہ نور کے ضائع ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ سوال کے بعد جواب ہونا چاہیئے۔ قبل سلام کے جواب دیا جائے تو اس کا ثواب کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سوال سے پہلے جواب ہو تو نفع گھٹ جاتا ہے۔ علماء دین اور علمائے آخرت میں فرق کم از کم اتنا ہے جتنا کہ کھری اور کھوٹی چاندی میں بعض نے کہا ہے کہ خدا کی ذات و صفات کے عالم کی فضیلت اس کے احکام جاننے والے پر مثل اس فضیلت کے ہے جو مشاہدے کو خبر پر ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی خبر آنکھ سے دیکھنے کے برابر نہیں ہو سکتی کسی عالم سے لغزش ہو جائے تو اس کی مثال کشتی کی ہے جس کے ڈوبنے سے تمام مخلوق جو اس پر سوار ہے ڈوب جائے گی۔ عالم بے عمل مثل کمان کے ہے جس میں چلہ نہ ہو یا مثل آئینہ کے ہے جس میں صیقل نہ ہو۔ کیونکہ

جب تک علم کے آئینہ پر عمل کی قلعی نہ ہو۔ قلب کی لطافت میں ترقی نہیں ہو سکتی طالب علم سمجھتا ہے کہ علم نجات کا وسیلہ ہے۔ تحصیل علم کی طرف توجہ کرتا ہے۔ اور عمل سے غافل ہو جاتا ہے۔ یہ عقیدہ غلط ہے۔ جس نے علم حاصل کیا اور اس پر عمل نہ کیا تو اس کی زحمت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب اس شخص پر ہے جس نے علم سے نفع نہ اٹھایا یعنی عمل نہ کیا ایک بزرگ نے جنید رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور ان سے احوال پوچھا۔ انھوں نے کہا کہ عبادتیں مٹ گئیں۔ اشارات فنا ہو گئے اور ہم کو کسی چیز نے نفع نہ دیا۔ سوائے ان دو رکعتوں کے جو آدھی رات کے وقت پڑھی تھیں اے فرزند اعمال و احوال سے خالی نہ ہو اور یقین رکھو کہ صرف علم دستگیری نہیں کر سکتا۔ کوئی شخص جنگل سے گذرے اور اس کے پاس دس تلواریں اور دیگر آلاتِ حرب ہوں ناگہاں ایک شیر حملہ کرے اور وہ ان اسلحہ سے کام نہ لے تو صرف تلواریں ساتھ ہونے سے شیر کا گزند کیونکر دفع ہو سکتا ہے۔ کسی شخص کو ایک لاکھ مسئلے یاد ہوں مگر عمل ایک پر بھی نہ کرتا ہو تو ان سے کیا فائدہ؟ کوئی بیمار جانتا ہے کہ اس کی علالت کا باعث حرارت اور صفرا ہے اور اس کا علاج سکنجبین ہے مگر اس کو استعمال نہیں کرتا ہے تو طب سے واقفیت اس کی بیماری کو کیونکر دفع کر سکتی ہے۔ لاکھ برس علم پڑھو اور ہزار کتابوں کے ورق الٹو۔ لیکن اس پر عمل نہ کرو تو خدا کی رحمت تم کو نہ ملے گی۔ ایک زاہد کے پاس چار سو صندوق کتابوں کے تھے۔ دن رات بحث کرتا تھا مگر اعمال میں سستی تھی جب سفر آخرت کیا تو کسی نے خواب میں اس سے خبر پوچھی۔ زاہد نے کہا کہ جس وقت سے مرا ہوں دیل کے کنوئیں میں

گرفتار ہوں ایک حاضر مجلس نے عرض کی کہ قرآن شریف سے بھی کوئی ثبوت ہے کہ علم بے عمل کے کام نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا کہ قرآن شریف میں یہ مضمون کئی جگہ ہے۔ مثلاً من کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحا (۲) جزاءً بما کانوا یکسبون (۳) جزاءً بما کانوا یعملون (۴) ان الذین امنوا وعملوا الصّٰلحٰت کانت لھم جنٰت الفردوس نزلاً خالدین فیھا۔ اسی طرح بہت سی احادیث بھی اسی مضمون کی موجود ہیں۔ ایک مرید نے عرض کی کہ بندہ اپنے عمل سے بہشت میں جاوے گا یا خدا کی رحمت سے حضرت نے فرمایا کہ بندہ حق تعالےٰ کے فضل و رحمت سے بہشت میں جاوے گا۔ لیکن جب تک ریاضت و عبادت سے خود کو رحمت کے قابل نہ بنائے۔ رحمت اس کو نہ پہنچے گی۔ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ ان رحمۃ اللّٰہ قریب من المحسنین اور رحمت جب اس تک نہ پہنچی تو بہشت میں کیسے جائے گا۔ اگر کہا جائے کہ مجرد ایمان سے بہشت مل سکتی ہے تو میں کہوں گا کہ بہشت تک پہنچ بھی جائے مگر خدا تک رسائی نہ ہوگی۔ بندے کا کام بندگی ہے اور کریم کا کام کرم۔ بندہ کو چاہیئے کہ وہ بندگی میں ایسا مستغرق ہو کہ اس کی جزا پر نظر نہ ڈالے بلکہ تعمیل حکم میں بندگی کرتا رہے اگر قبولیت کے آثار نظر نہ آئیں تو بھی بندگی نہ چھوڑے۔ بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا جس نے مدتوں عبادت کی تھی۔ حق تعالےٰ نے چاہا کہ اس کے خلوص کا جلوہ ملائک کو دکھلائے ایک فرشتے کی معرفت پیام بھیجا کہ مجاہدہ و ریاضت بیکار ہے تم ہماری درگاہ کے قابل نہیں عابد نے جواب دیا کہ مجھکو بندگی کے لئے پیدا کیا ہے میرا کام بندگی ہے خداوندی نہیں ہے۔ خداوندی میرا مالک جانتا ہے۔ فرشتہ یہ جواب لے کر واپس گیا تو رب العزت نے فرمایا کہ وہ بندگی نہیں چھوڑتا ہے تو ہم کرم بھی کیونکر چھوڑ سکتے ہیں۔ فرشتو! گواہ

رہو کہ ہم نے اس کو بخش دیا۔

ایک تفسیر میں لکھا ہے کہ تراب نام کا ایک کافر تھا کوئی طالب علم مدرسہ کے برآمدہ پر بیٹھا ہوا لکھ رہا تھا کہ ہاتھ سے قلم چھوٹ کر زمین پر گر پڑا۔ تراب نے لپک کر وہ قلم اٹھایا اور کاتب کے ہاتھ میں دے دیا۔ اسی قدر امداد کے طفیل سے قیامت کے دن اس کے عذاب میں کمی ہوگی اور دوسرے کفار تمنا کریں گے یالیتنی کنت ترابا (کاش میں تراب ہوتا)

جس شخص کی زندگی میں صرف ایک ہفتہ باقی رہا ہو اس کو بھی چاہیئے کہ علم فقہ سیکھنے میں مشغول رہے۔ دین کا ایک مسئلہ جاننا ہزار رکعت نفل سے بہتر ہے۔ اپنے بدن کو عبادت سے درست کرنا اور باطن کو صاف رکھنا فیض الہٰی کے وارد ہونے کا سبب ہوتا ہے تم کو خبر ملے کہ دوسرے ہفتہ میں بادشاہ تمہاری ملاقات کو آئے گا۔ تو تم سب کام چھوڑ کر صفائی میں مشغول ہو جاؤ گے اور یہ کوشش کرو گے کہ جس چیز پر بادشاہ کی نظر پڑے وہ پاکیزہ اور نیک ہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تمہاری صورت و اعمال کی طرف نظر نہیں کرتا۔ بلکہ تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے۔ صالحوں اور عارفوں کا تذکرہ ایک نور ہے جو طالبوں کے دلوں میں جاگزیں ہوتا ہے۔ مشائخ کی حکایات اللہ تعالےٰ کی فوجوں میں سے ایک فوج ہے جو طالبوں کے دلوں کی نگہبانی کرتی ہے۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہم پیغمبروں کے قصے تم سے بیان کرتے ہیں اور ان کے احوال سے تم کو آگاہ کرتے ہیں۔ تاکہ تمہارے دلوں کو ان حکایات سے قوت حاصل ہو اور تم کو کوئی رنج پہنچے تو سمجھو کہ گذشتہ پیغمبروں کو بھی رنج پہنچے ہیں اور انھوں نے صبر کیا ہے۔ اسی طرح مشائخ کے حکایات سے بھی

مریدوں کی تربیت ہوتی ہے۔ اور بلا اور امتحان میں ان کی مثال سے ثابت قدمی حاصل ہوتی ہے۔

ابو علی[1] دقاق سے لوگوں نے پوچھا کہ درویشوں کے کلمات سننے سے کیا حاصل جب ہم ان کے ایسے کام نہیں کر سکتے۔ انھوں نے کہا کہ مرد ہو تو ہمت قوی ہو جاتی ہے اور نامرد ہو تو مرد ہو جاتا ہے۔ یعنی مرد ہو تو شیر مرد اور شیر مرد ہو تو فرد اور فرد ہو تو عین درد ہو جاتا ہے حضرت نے فرمایا کہ صالحوں کے ساتھ رہو۔ یہ ممکن نہ ہو تو اپنے چہروں کو عارفوں کے آئینہ میں دیکھو۔ آئینہ سے مراد ان کے احوال و معارف ہیں۔ ایک عارف کا قول ہے کہ خلق کو اپنی ترازو پر نہ تولو بلکہ اپنے نفس کو بزرگوں کی میزان پر تولو تاکہ ان کی فضیلت اور اپنے افلاس سے واقف ہو۔ شیخ الاسلام جامی کی وصیت تھی کہ پیر سے ایک نصیحت یاد کرو اور یہ ممکن نہ ہو تو ان کا نام ہی یاد رکھو اس سے بھی فائدہ پہنچے گا۔ سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد حضرت مولائے رومی سے نقل کرتے ہیں کہ مولانا نے وفات کے قریب اپنے دوستوں کو غمزدہ دیکھ کر فرمایا کہ میں یہ جسم نہیں ہوں جو تم کو نظر آتا ہوں بلکہ میں وہ ذوق و جوش ہوں جو مریدوں کے باطن میں میرے کلام سے پیدا ہوتا ہے جب وہ ذوق پیدا ہو تو اس کو غنیمت سمجھو اور شکر کرو کہ میں موجود ہوں۔ مشائخ کے کلمات سننے سے حق تعالیٰ کے دوستوں سے دوستی پیدا ہوتی ہے۔ کوئی رشتہ داری دوستوں سے نزدیک تر نہیں ہے اور کوئی بیگانگی دشمنی سے

---

[1] شیخ ابو علی دقاق نیشاپوری فن تصوف کے امام تھے۔ ماہ ذیقعدہ ۴۰۵ھ میں وفات پائی ۲ (مترجم)

بڑھکر نہیں ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ بعض لوگ صلحا کو دوست رکھتے ہیں لیکن ان کی خصلتیں اختیار نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ "مرد ہمراہ اس شخص کے ہوگا جس کو دوست رکھتا ہے۔" گروہ مشائخ وصوفیہ کے کمالات حاصل ہوں یا ان معارف کی ہوا لگی ہو جو نیک بختی کی دلیل ہے لیکن جو شخص ان دونوں فرقوں میں نہ ہو اس کو چاہیئے کہ دوستانِ خدا کی صحبت میں بیٹھے کیونکہ ان کی ہم نشینی بھی بڑے اجر کا موجب ہے۔ سید الطائفہ ابوبکر شبلی کا قول ہے کہ جو شخص اس گروہ سے اعتقاد رکھتا ہو اور ان کے اقوال قبول کرتا ہو اس سے کہو کہ میرے لئے دعا کرے۔

شیخ منصور کہتے ہیں کہ جو شخص صوفیہ کے کلام سے اعتقاد رکھتا ہو اس کو میری طرف سے سلام کہو۔ شیخ شروانی کہتے تھے کہ تمہارے پاؤں ہوں تو اس شخص کی زیارت کے لئے خراسان تک جاؤ جو ہم کو دوست رکھتا ہے اور اس کے ساتھ نیکی کرنے کی وصیت کرتے رہو۔

ابوجعفر سیلانی[۱] کی بابت منقول ہے کہ انھوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ ایک محفل کے صدر ہیں اور مشائخ صوفیہ آپ کے گرد بیٹھے ہیں آسمان سے ایک فرشتہ سونے کا طشت اور چاندی کا آفتابہ لایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھدیا۔ آپ نے ہاتھ دھوئے۔ اس کے بعد

---

[۱] یہ حکایت نفحات الانس میں بھی درج ہے مگر اسمِ مبارک بجائے ابوجعفر سیلانی کے "ابوجعفر صیدلانی" لکھا ہے۔ حضرت جنید کے ہمعصر تھے۔ مدت تک مکہ میں مجاور رہے۔ مصر میں وفات پائی۔ ۱۲

وہ طشت و آفتابہ یکے بعد دیگرے سب مشائخ کے سامنے رکھا گیا۔ شیخ ابو جعفر کہتے تھے کہ جب میری نوبت آئی تو لوگوں نے کہا کہ اس کے سامنے سے اٹھا لو یہ اس گروہ سے نہیں ہے۔ طشت دار نے طشت اٹھا لیا اور چلا گیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ میں اس گروہ سے نہیں ہوں لیکن آپ جانتے ہیں کہ میں اس گروہ کو دوست رکھتا ہوں پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ جو اس گروہ کو دوست رکھے وہ انھیں میں سے ہے طشت واپس لایا گیا اور میں نے بھی ہاتھ دھوئے۔ پیغمبر صاحب نے میری طرف دیکھا اور ہنس کر فرمایا کہ ہم کو دوست رکھتے ہو تو ہمارے ساتھ ہو۔

ابراہیم ادہم[1] کہتے ہیں کہ میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ کاغذ ہاتھ میں لئے کچھ لکھ رہا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کیا لکھتے ہو تو اس نے کہا کہ خدا کے دوستوں کے نام لکھتا ہوں۔ میں نے کہا کہ میرا نام لکھا ہے اس نے جواب دیا نہیں۔ میں نے کہا کہ میں دوستانِ خدا میں نہیں ہوں۔ لیکن اس کے دوستوں کو دوست رکھتا ہوں۔ یہی گفتگو تھی کہ فرشتوں کے پاس حکم آیا کہ فہرست از سرنو لکھو اور ابراہیم کا نام سر درج میں درج کرو وہ ہمارے دوستوں کا دوست ہے۔

قیامت کے دن جب بندہ اپنے اعمال سے نا امید ہو جائے گا تو حق سبحانہ فرمائیں گے کہ تو نے فلاں محلہ میں فلاں عالم یا فلاں عارف سے ملاقات کی تھی۔ بندہ اقبال کرے گا تو فرمان ہوگا کہ ہم نے اس عارف کے طفیل میں تجھے بخشا۔

---

[1] ابراہیم بن ادہم بلخی سلسلہ چشتیہ کے اکابر میں داخل ہیں۔ سلطنت چھوڑ کر درویشی اختیار کی۔ سنہ وفات ۱۶۶ ہجری ہے ۱۲

سلطان العارفین[1] کا ایک دوست ان کے ساتھ سفر میں تھا کسی شخص نے
نے اس سے کہا تیرا فلاں دوست مر گیا" تو بہت افسوس ہوا اور اس کی عافیت کا غم
کرنے لگا۔ سلطان العارفین نے پوچھا کہ اس شخص نے مجھ کو دیکھا تھا جواب دیا نہیں
پھر پوچھا کہ میرا نام سنا تھا اس نے کہا کہ جب میں اس کے سامنے آپ کے اوصاف
بیان کرتا تھا تو وہ اعتقاد سے سنتا تھا" آپ نے فرمایا کہ بس اتنا ہی کافی ہے۔

غرض درویش کی شناخت نجات کا باعث ہو جاتی ہے تو خدا کے دوستوں
سے محبت اور ان کی پیروی زیادہ مراتب کا سبب ہوگی۔ صوفیہ کے فضائل کا
اقرار اجر کا موجب ہے تو ان کے کلام کا انکار قہر کا باعث ہے۔ شیخ حسام الدین
چلپی نے (جو مولانا روم کے خلیفہ رشید تھے) احباب و اصحاب کی رغبت حکیم
سنائی کے الہی نامہ اور خواجہ فرید الدین عطار کے منطق الطیر کی طرف دیکھی تو
مولانا سے عرض کی کہ اسی طرز پر ایک کتاب نظم کی جائے۔ حضرت نے اپنی
دستار سے ایک کاغذ نکالا اور حسام الدین کے ہاتھ میں دیا۔ اس پر مثنوی شریف
کے ۱۸۔ ابتدائی اشعار لکھے ہوئے تھے اور فرمایا کہ تمہارے دل میں یہ خیال پیدا
ہونے سے پہلے عالم غیب سے مجھ کو حکم ہوا کہ اس قسم کی ایک کتاب نظم کیجائے
چنانچہ مثنوی شروع ہوئی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ شب سے طلوع سحر تک مولانا
بولتے تھے اور حسام الدین لکھتے جاتے تھے۔ بعد ازاں وہ نوشتہ باواز بلند مولانا
کو سناتے تھے۔ جلد اول تمام ہوئی تو چلپی حسام الدین کی حرم فوت ہو گئی

---

[1] حضرت بایزید بسطامی کو اس کتاب میں سلطان العارفین کے لقب سے یاد کیا گیا ہے (مترجم)

دو سال مثنوی کی نظم ملتوی رہی اور اس کے بعد ان کی فرمائش سے بقیہ لکھی گئی ایک دن چلپی حسام الدین نے کہا کہ جس وقت مثنوی پڑھی جاتی ہے اور حاضرین محفل اس کے نور میں غرق ہوتے ہیں تو میں دیکھتا ہوں کہ ایک غیبی جماعت تلواریں لے کر حاضر ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ جو شخص اس کتاب کو اخلاص سے نہ سنے گا ہم اس کے ایمان کی جڑ کاٹ دیں گے۔

حضرت قدوۃ الکبریٰ فرماتے تھے کہ اس گروہ کی تصنیفات و تالیفات واردات الٰہی سے ہوتی ہیں۔ شیخ عبدالرزاق[1] کاشی نے مجھ سے بیان کیا کہ بغداد کے ایک بزرگ نے شیخ اکبر[2] کے مناقب میں کتاب لکھی ہے جس میں درج ہے کہ شیخ اکبر کی تصنیفات پانچسو سے زیادہ ہیں۔ شیخ اکبر نے خود اپنی تصنیفات کی فہرست لکھی ہے اس میں بھی ڈھائی سو سے زیادہ تصنیفات کے نام ہیں اور اس کے آغاز میں لکھا ہے کہ بعض کتابوں کے لکھنے کا سبب یہ ہوا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر ایسے واردات ہوتے تھے کہ میں ان کی گرمی سے جلنے لگتا تھا۔ تب ان واردات کے لکھنے میں نفس کو مشغول کر لیتا تھا اور بعض تصنیفات کا سبب یہ ہوا کہ بیداری یا مکاشفہ میں حق سبحانہ کی طرف سے ان کے لکھنے کا حکم ہوا۔

الغرض کلمات مشائخ کشف و وجدان اور ذوق و عرفان سے لکھے

---

[1] مقدمۃ الکتاب میں ان کا احوال درج ہو چکا ہے ۔۱۲

[2] یعنی شیخ محی الدین ابن العربی صاحب فصوص و فتوحات مکیہ وغیرہ ۱۲

جاتے ہیں تو ان کا منکر و معترض ضرور نقصان میں پڑے گا۔ بخارا میں بعض علمائے ظاہر نے فصوص الحکم جلانے کا فتویٰ دیا تھا۔ اور دو ایک روز میں کتاب جلائی جانے والی تھی کہ ایک دانشمند وہاں پہنچے۔ فتویٰ کا حال سنکر کتاب دیکھنے کے لئے منگائی۔ چند روز تک اس کو مطالعہ میں رکھا جب علمائے ظاہر نے جلانے کی اجازت چاہی تو جواب دیا کہ اس کتاب کے مضامین جو میری سمجھ میں آتے ہیں وہ اس قابل نہیں ہیں کہ جلائے جائیں اور جو حقائق میری عقل سے باہر ہیں ان کی بابت بغیر سمجھے ہوئے کیونکر جلانے کا حکم دے سکتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ بزرگوں کے کلمات میں خداوند تعالےٰ کے رموز ہوتے ہیں۔ اور ہر شخص ان کو سمجھ نہیں سکتا۔

حضرت نے فرمایا کہ سیدؒ علی ہمدانی نے ایک دن میرے سامنے امام عبداللہؒ[2] یافعی سے شیخ اکبر کے مناقب دریافت کئے تو امام نے فرمایا کہ شیخ اکبر قائلان وحدت الوجود کے سردار تھے بعض فضلا و علمائے ظاہر نے ان پر طعن کیا ہے مگر صوفیہ و صلحا کی کثیر جماعت نے اور نیز چند علمار نے مثل حافظ ابن حجر عسقلانی اور مجد الدین فیروز آبادی کے ان کے کلام کی بہت قدر کی ہے۔ ایک بار شیخ اکبر کی ملاقات شیخ شہاب الدین سہروردی سے ہوئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کے قلوب پر نظر کی اور چشم بصیرت سے حالات دریافت کر کے جدا ہو گئے۔ لیکن ظاہر نوبت گفتگو کی نہیں آئی۔ مگر شیخ شہاب الدین سے شیخ اکبر کا حال پوچھا گیا تو انھوں نے کہا

لہ مقدمۃ الکتاب میں ان کا احوال درج ہو چکا ہے۔ ۱۲ سے ۱۲ ” ۱۲

کہ وہ حقائق کے دریا ہیں۔ اور شیخ شہاب الدین کی بابت شیخ اکبر سے دریافت
کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ وہ سر سے قدم تک سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے بھرے ہوئے ہیں۔ ان بزرگوں کا فرق مراتب انھیں مقولوں سے دریافت
ہو سکتا ہے لیکن کس کو طاقت ہے کہ اس بیان کو صاف الفاظ میں ظاہر کرے۔ شیخ
اکبر کا مرتبہ بلند تھا لیکن بعض اکابر نے ان کی تصنیفات سے روگردانی کی جس کا
سبب سوائے تقلید و تعصب اور ان کی اصطلاحات سے ناواقفیت کے کچھ
نہ تھا۔ شیخ اکبر کی تصنیفات میں سے فصوص الحکم پر سب سے زیادہ طعن کی گئی
ہے لیکن جس قدر معارف و حقائق اس کتاب میں اور فتوحاتِ مکیہ میں درج ہیں اتنے
کسی دوسری تصنیف میں نہیں ہیں۔ بلکہ طبقہ صوفیہ میں سے کسی نے بھی اتنے حقائق کا
اظہار نہیں کیا اگر کوئی شخص ان بزرگوں کے کمترین خادموں سے فوائد سلوک حاصل کرے
اور ان بزرگوں کا معتقد رہے تو امید ہے کہ اپنے مقصود کو پہنچے گا اور جو اپنی بے علمی سے
ان صدیقوں کا منکر ہو اور ان کے خلاف چلے اس کی روش اصحاب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے خلاف سمجھنا چاہیئے کیونکہ ان عزیزوں کی روش عین روش رسول اللہ
اور ان کے اصحاب کی تھی۔ اس گروہ سے انکار بڑی بدنصیبی اور محرومی ہے۔ شیخ سعدی
شیرازی پر ایک سید نے اعتراضات کئے تو سید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی خواب میں دیکھا کہ ان پر عتاب کرتے ہیں۔ جب بیدار ہوئے تو شیخ کے پاس
جا کر معافی مانگی اور ان کو راضی کیا۔ مشائخ میں سے بھی ایک شخص شیخ سعدی کے منکر تھے۔
خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھولے گئے اور ملائکہ نور کے طبق لے کر زمین
پر نازل ہوئے۔ پوچھا یہ کیا ہے جواب ملا کہ نور کے طبق شیخ سعدی کے لئے ہیں۔

انھوں نے ایک شعر کہا ہے جو حضرت حق سبحانہ کے درگاہ میں قبول ہوا ہے اور وہ بیعت یہ ہے ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتر لیست معرفتِ کردگار

جب وہ بزرگ ہوشیار ہوئے تو اسی شب کو شیخ سعدی کے مکان پر قبولیت کی بشارت دینے گئے وہاں جاکر دیکھا کہ چراغ جل رہا ہے اور شیخ سعدی ایک شعر گنگنا رہے ہیں غور سے سُنا تو وہی شعر تھا جو انھوں نے خواب میں سُنا تھا۔

صوفیہ کی تالیفات وتصنیفات ملاحظہ کرنے کے وقت چار چیزوں کی رعایت کرنا چاہیئے۔ اول یہ کہ کسی نفسانی غرض سے ان کتابوں کا مطالعہ نہ کرے۔ یعنی طبیعت کا ملال دور کرنے اور دل بہلانے کے لئے یا اپنی معرفت ظاہر کرنے کو حکایات و روایات یاد کرنے کے لئے یا شکوک واعتراضات کے مقامات تلاش کرنے کے لئے ان کتابوں کو دیکھے تو کوئی نفع حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ ان کا مطالعہ محض طلب حق وارشاد طریق کے لئے ہونا چاہیئے۔ دوسری رعایت یہ ہے کہ مطالعہ کے وقت اعتدال کا لحاظ رکھے اور تھکن شروع ہونے سے پہلے مطالعہ بند کردے تاکہ نفس پر ظلم نہ ہو اور فہم خراب نہ ہو جائے۔

تیسری رعایت یہ ہے کہ ظاہری معانی پر قناعت نہ کرے اور جانے کہ جس طرح کلماتِ نبوی کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اسی طرح سالکوں کا ہر قول بھی ظاہر و باطن رکھتا ہے۔ تصوف ومعرفت کے کلمات عرفان کے سمندروں میں سے ایک سمندر ہے اور وجدان کے معدن جن سے موتی و مرجان نکلتے ہیں۔ مثلاً شیخ سعدی کے

بعض اشعار کے ظاہری معنی بہت صاف ہیں۔ مگر جس قدر زیادہ غور کرو اتنا ہی لطف و فائدہ بڑھتا جائے گا۔ ان میں سے دو شعر یہ ہیں ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن — کہ جاہا سپر باید انداختن

درین ورطہ کشتی فروشد ہزار — کہ پیدا نہ شد تختہ بر کنار

چوتھی رعایت یہ ہے کہ کسی مطلب کے سمجھنے میں دیر لگے تو اس مشقت کا تحمل نہ کرے اور صابر رہے کہ بتدریج مقصود تک پہنچے۔ اگرچہ کلماتِ مشائخ اور حکایاتِ صالحین موثر ہیں لیکن جب تک ان کی سیرت کی پیروی نہ کرے مقصد وصول تک نہیں پہنچ سکتا۔ سلطان العارفین کا ایک مرید ان کے پیچھے پیچھے راہ چل رہا تھا اور ان کے قدم پر اپنا قدم رکھتا تھا۔ سلطان العارفین نے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا کہ کیا کرتا ہے۔ مرید نے کہا کہ پیر کے قدم پر قدم رکھتا ہوں۔ سلطان العارفین نے فرمایا کہ اے عزیز قدم پر قدم رکھنے سے کیا فائدہ ہے۔ اگر تو بایزید کی کھال بھی پہن لے جب تک بایزید کا سا عمل نہ کرے گا مقصد کو نہیں پہنچ سکتا۔ مختصر یہ کہ جو شخص مجاہدہ اور ریاضت سے اکتسابِ فیض نہیں کرتا مشاہدہ تک اس کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

لطیفہ اوّل

توحید اور اس کے مراتب

توحید یہ ہے کہ عاشق صفات محبوب میں فنا ہو جائے۔ اس کے چار مراتب ہیں۔ علمی۔ یقینی۔ رسمی اور حالی۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ جناب باری کی وحدانیت پر

ایمان لائے اور اس کو معبودیت کا مستحق سمجھے۔ دل سے تصدیق کرے اور زبان سے اقرار یہ تو توحید علمِ ظاہر سے حاصل ہے۔ شرک سے خلاصی ملتی ہے اور اسلام میں دخول ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس مرتبہ پر قناعت کرے تو وہ عجائز یعنی بڑھیوں کے دین میں شامل ہوگیا۔ مقولہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ علیکم بدین العجائز یعنی بوڑھی عورتوں کا سا مضبوط ایمان رکھو۔ دوسرا درجہ توحید کا علمِ باطن سے حاصل ہوتا ہے۔ بندہ یقین رکھے کہ موجدِ حقیقی اور موثر مطلق سوائے خداوند تعالےٰ کے کوئی نہیں۔ سب صفات وافعال حق تعالےٰ کی ذات وصفات کے سامنے ناچیز ہیں۔ ہر ذات حق سبحانہ تعالےٰ کے نور سے روشن ہے۔ ہر صفت خداوند کے صفات کا پرتو ہے اور جو کچھ علم وقدرت وارادہ وسمع وبصر دنیا میں ہے وہ جناب باری کے علم وقدرت وارادت وسمع وبصر کے آثار سے ہے۔ شیخ سعد الدین حموی[1] کا قول ہے کہ توحید حیؔ وقیوم کی طرف تمام احوال میں متوجہ رہنے کا نام ہے یعنی جو کچھ دنیا میں ظہور ہوتا ہے خواہ پسند خاطر ہو یا مکروہ سب حضرت جل شانہ کے حوالہ کرے کسی واسطہ پر نظر نہ کرے بلکہ اس کو حق تعالےٰ کے دست تصرف میں مثل قلم بدست کاتب کے سمجھے کسی کام پر اعتراض نہ کرے فائدہ پہنچے تو شکر کرے۔ اور جانے کہ حق سبحانہ نے مہربانی کی ہے تکلیف ہو تو اس کو بھی خدا کی طرف منسوب کرے اور سمجھے کہ اس کے ناپسندیدہ افعال پر سزا دی گئی ہے اپنے ظاہر وباطن پر

---

[1] امام یافعی نے اپنی تاریخ میں شیخ سعد الدین کی تعریف کی ہے۔ انھوں نے خراسان میں وفات پائی۔ صاحب احوال وریاضات تھے سالِ وفات ۶۵۰ ہے ۱۲

غور کرے کہ کون سی بُری صفات اس میں موجود ہیں اور ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو اور امر موذی (یعنی ایذا دینے والی شے) کی بابت سمجھے کہ حق تعالےٰ نے اس تعین سے ظاہر ہو کر اس کو تنبیہ کی ہے جب یہ عقیدہ راسخ ہو جائے تو صوفیہ اس کو موحد کہیں گے۔

ایک بزرگ کی بابت منقول ہے کہ ان کے موزے میں چوہے نے دو انگل کے برابر سوراخ کر دیا تو انھوں نے بہت افسوس کیا حاضرین نے پوچھا کہ ایسے خفیف نقصان پر اس قدر زیادہ رنج کرنے کی کیا وجہ ہے تو بزرگ نے کہا کہ مجھ کو افسوس موزے کے شگاف پر نہیں ہے بلکہ تاسف یہ ہے کہ مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے جس کی سزا میں میرے موزے کو نقصان پہنچایا گیا ہے۔ موحد کو لازم ہے کہ جس وقت جمال کا ظہور ہو تو خدا کی حمد کرے اور جلال کا پرتو معلوم ہو تو جمال سے پناہ طلب کرے۔ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اے اللہ میں تجھ سے تیرے ہی ساتھ پناہ چاہتا ہوں اللھم انی اعوذبک منک کبھی ایسا ہوتا ہے کہ موحد کے لئے مظہر جلال جمال ہو جاتا ہے اور قہر ظاہر کا نتیجہ لطف و کرم ہوتا ہے جس طرح کہ عصائے موسیٰ کافروں کے لئے اژدھا تھا اور حضرت موسیٰ کیلئے لکڑی۔

تیسری قسم توحید کی توحید رسمی ہے یعنی توحید کے معانی سنکر یا کتابوں میں دیکھکر توحید پر گفتگو کرے مگر اس کے دل پر اثر نہ ہو۔ یہ توحید کم رتبہ ہے۔ لیکن اس میں کچھ آمیزش توحید حالی کی ہو جائے تو اس موحد کو ذوق و سرور حاصل ہوتا ہے اور رسوم کی ظلمت کسی قدر دور ہو جاتی ہے لیکن اکثر احوال میں اپنے وجود کی ظلمت باقی رکھنے کی وجہ سے مقصود توحید سے محروم رہتا ہے۔

چوتھی قسم توحید کی "حالی" ہے یعنی توحید کا یقین موحد کی ذات کا لازمی وصف ہو جاتا ہے اور تقریباً سب ظلمات رسوم فنا ہو جاتی ہیں اس مرتبہ پہ موحد مشاہدۂ جمال وجود مطلق میں ایسا مستغرق ہوتا ہے کہ سوائے ذات و صفات واحد کے اس کو کچھ نظر نہیں آتا یہاں تک کہ توحید کو بھی واحد کی صفت سمجھتا ہے اور اس کے سمجھنے کو بھی اسی کی صفت دیکھتا ہے توحید دریا ہے اور موحد اس کا ایک قطرہ جس کا کوئی اثر ظہور باقی نہیں رہا۔

مشائخ ماوراء النہر میں سے محمد ابن ابی نصیر حسینی نے خواجہ ابوبکر خطیب کی معرفت شیخ ابوسعید ابوالخیر کے پاس ایک سوال بھیجا اور ابوبکر خطیب کو تاکید کی کہ سوال کا جواب لانا لیکن شیخ ابوسعید کو یہ نہ بتانا کہ سوال کس نے کیا ہے۔ وہ سوال یہ تھا "کیا آثار محو ہو جاتے ہیں"۔ خطیب نے کہا کہ مجھکو یاد نہ رہے گا۔ آپ کاغذ پر لکھ دیجئے۔ شیخ نے سوال لکھ کر حوالہ کر دیا۔ خواجہ ابوبکر خطیب کہتے ہیں کہ نیشاپور پہنچ کر میں مسافر خانہ میں اترا دو صوفی آئے اور آواز دی کہ "خواجہ ابوبکر خطیب کون ہیں"۔ میں نے جواب دیا کہ میں ہوں۔ صوفیوں نے کہا کہ شیخ ابوسعید نے سلام کہا ہے اور کہا ہے کہ آپ مسافر خانہ میں اترے ہیں۔ آپ کو چاہیئے کہ ہمارے پاس آئیں میں نے جواب دیا کہ غسل کر کے حاضر ہونگا لیکن اس سلام و پیام سے مجھ پر ایک عجیب حالت وجد کی سی طاری ہو گئی کیونکہ معلوم تھا کہ ظاہری طور پر کسی شخص نے ان کو میری آمد کی خبر نہیں دی ہے۔ میں نے حمام جا کر غسل کیا غسل خانہ سے باہر نکلا تو انھیں درویشوں کو دیکھا کہ لوبان و گلاب لئے کھڑے ہیں۔ میں وہاں سے شیخ کی خدمت میں گیا تو فرمانے لگے یہ پیامبر میرے سر آنکھوں پر۔ ایسے پیامبر کی صورت مجھے بھیجنے والے کی محبت کی وجہ سے پیاری معلوم ہوتی ہے، پھر سلام کا جواب دیکر بولے کہ تم اس پیر کے سوال کو ناچیز سمجھتے ہو لیکن اس کی بات مجھے عزیز ہے۔ جس

وقت ہے کہ تم اپنے شہر سے نکلے ہو۔ میں منزل بہ منزل تمہاری آمد کا حساب لگاتا رہا ہوں۔ اب بتاؤ کہ اس پیر نے کیا سوال کیا ہے۔ میں ہیبت شیخ سے سوال بھول گیا تھا۔ کاغذ نکال کر پیش کیا۔ شیخ نے کہا جواب اسی وقت دوں تو تم کو واپس جانا لازم ہوگا اور جس شغل کے لئے یہاں آئے ہو وہ چھوٹ جائے گا بہتر ہے کہ تم جب واپس ہونے والے ہو تو جواب دوں۔ میں نے قبول کیا۔ جب تک نیشاپور میں رہا شیخ کے پاس حاضر ہوتا تھا۔ واپسی کے وقت پیام کا جواب طلب کیا تو شیخ نے فرمایا کہ اس پیر سے کہو لا تبقی ولا تذر (یعنی "نہ باقی رکھتا ہے نہ چھوڑتا ہے" جب عین نہ رہا تو اثر کہاں رہے۔ میں نے عرض کی کہ جواب سمجھ میں نہیں آیا تو بولے کہ میرے دو شعر یاد کرلو اور وہی ان کو سنا دینا۔ میری گذارش سے اشعار لکھوا کر عنایت کئے میں رخصت ہو کر اپنے شہر کو آیا اور پیر حسینی کی خدمت میں حاضر ہو کر سب قصہ بیان کیا اور وہ اشعار پڑھے۔ پیر نے نعرہ مارا بیہوش ہو گئے اور سات دن تک زمین پر پڑے رہے۔ وہ اشعار یہ تھے ؎

جسمم ہمہ اشک گشت و چشمم بگریست	در عشق تو بے جسم ہمیں باید زیست
از من اثرے نماند (ایں) عشق ز چیست	چوں من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست

طالب صادق کو ملاحظہ و مراقبہ کے بعد تمکین حاصل ہوتی ہے تو اس پر توحید حالی کبھی کبھی اتنی غالب ہو جاتی ہے کہ حواس جلتے رہتے ہیں۔ کسی چیز کی طرف التفات باقی نہیں رہتا۔ ابو سعید[1] خراز کہتے تھے کہ ابتدائے حال کے وقت ایک دن

---

[1] اسم مبارک احمد بن عیسیٰ تھا۔ موزہ دوزی کرتے تھے اس لئے خراز مشہور ہوئے۔ ذوالنون مصری اور سری سقطی جیسے بزرگوں کی صحبت پائی تھی ۲۵۶ھ میں وصال ہوا۔ ۱۲ (مترجم)

جنگل میں تھا۔ میری پشت کی طرف سے کسی چیز کی آواز آئی میں نے اس طرف توجہ نہ کی اور نہ نظر موڑی۔ جب وہ چیز میرے قریب آگئی تو معلوم ہوا کہ دو بڑے درندے میرے کندھوں پر سوار ہو گئے ہیں نہ چڑھتے دیکھا نہ اترتے۔ حضرت قدوۃ الکبریٰ فرماتے تھے کہ مشاہدۂ الٰہی کے وقت جسمانی تکلیفوں کا بالکل احساس نہیں ہوتا۔ ایک صوفی کسی تہمت میں گرفتار ہوا اور سزا کے لئے اس کے سو کوڑے لگائے گئے ۹۹ کوڑوں پر نہیں رویا لیکن آخری کوڑے پر بے طاقت ہو گیا چلانے لگا لوگوں نے اس عجیب کیفیت کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ ۹۹ کوڑوں تک محبوب کے مشاہدے میں تھا اور اس کی لذت سے مجھ کو تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔ آخری کوڑے کے وقت یاد سے غفلت ہو گئی تھی تب چوٹ کا اثر معلوم ہوا۔

توحید حالی نور مشاہدہ سے پیدا ہوتی ہے اور توحید علمی مراقبہ کے نور سے جس شخص پر توحید حالی کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس کی بشریت اکثر فنا ہو جاتی ہے لیکن توحید علمی سے فنائے رسوم بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ اگر رسوم بالکل فنا ہو جائیں تو افعال و اقوال کی ترتیب بھی غیر ممکن ہو جائے گی۔ اس وجہ سے ابو علی دقاق نے کہا ہے کہ توحید ایک قرضخواہ ہے جس کا قرضہ ادا نہیں ہو سکتا یا ایک غریب ہے جس کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔

خاص خاص لوگوں کو توحید حالی کا وہ جلوہ جس میں آثار و رسوم بالکل فنا ہو جائیں کبھی کبھی چند لمحوں کے لئے ہوتا ہے۔ ہر وقت نہیں رہ سکتا۔ اور اس سے بڑھ کر کسی انسان کے لئے مرتبہ نہیں۔ دولت شہود ہر شخص کو اس کی صفائی باطن کے مطابق پہنچتی ہے بعض کو حق تعالےٰ ہمیشہ شہود سے مشرف رکھتا ہے۔ بعض کو

چند ساعتوں کے لئے نصیب ہوتا ہے۔ چند ایسے بھی ہیں کہ الست بربکم کا خطاب ان کے کانوں میں ہمیشہ گونجتا رہتا ہے۔ غلبۂ توحید حالی کی ایک علامت یہ ہے کہ مغلوب الحال کی زیارت سے انسان خدا کو یاد کرنے لگتا ہے اور دوسرا اثر یہ ہے کہ مغلوبوں کو تکلیف کا احساس نہیں ہوتا۔

حضرت علی کی بابت منقول ہے کہ کسی لڑائی میں وہ زخمی ہوئے اور ایک آلۂ جراحت ان کے جسم میں رہ گیا تو حکم دیا کہ جب میں نماز میں ہوں تو وہ آلہ میرے زخم سے نکال لینا۔ چنانچہ ایسا ہی عمل کیا گیا اور آپ کو کچھ خبر نہ ہوئی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو معلوم ہوا۔

ایک بزرگ غیر مذاہب والوں سے مناظرہ کیا کرتے تھے اور مخالفوں کو شکست دیتے تھے ان کا لقب ابوالادیان مشہور ہو گیا تھا۔ ایک مجوسی سے انھوں نے پوچھا کہ آگ حق تعالےٰ کی اجازت سے کام کرتی ہے یا اپنی طبیعت سے۔ مجوسی نے کہا اپنی طبیعت سے اثر کرتی ہے۔ وہ خود مختار ہے اگر تم ثابت کرو کہ آگ خدا کے حکم سے کام کرتی ہے تو تمہارا دین قبول کر لوں گا۔

شرط منظور کی گئی اور آگ جلائی گئی لکڑیوں کا انبار رہا شعلے بلند ہوئے اور بہت سے تماشائی جمع ہو گئے جب لکڑی جل گئی تو کوئلے زمین پر بچھائے گئے۔ ابوالادیان نماز پڑھ رہے تھے۔ جب سلام پھیرا تو کھڑے ہوئے اور ان شعلوں پہ ننگے پاؤں پھرنے لگے آخری کنارے پر پہنچے تو مجوسی سے پوچھا کہ اس قدر امتحان کافی ہے یا دوسرا چکر لگاؤں مجوسی نے کہا کافی ہے اور مسلمان ہو گیا۔ رات کے وقت ان کے خادم نے دیکھا کہ انگوٹھے کے نیچے ایک آبلہ سیب کے برابر پڑا ہے

سبب پوچھا۔ شیخ نے کہا کہ میں آگ پر چلتا تھا تو بشریت سے غائب تھا۔
کنارے پر پہنچا تو حاضر ہو گیا اور مجوسی سے بات کی اگر آگ کے درمیان یہ شعور
مجھ کو پیدا ہوتا تو جل جاتا۔ اصحاب بصیرت نے استدلال کیا ہے کہ آگ کسی
معین وقت پر خداوند تعالیٰ کے حکم سے کام نہ کرے تو کیا تعجب کی بات ہے
جس طرح حضرت ابراہیم کے معاملہ میں فرمان ہوا کہ یا نار کونی برداً وسلاما
علیٰ ابراهیم۔ یعنی اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی ہو۔ ابراہیم پر اگر حکم میں لفظ
سلاما نہ ہوتا تو وہ آگ اتنی سرد ہو جاتی کہ ٹھنڈک سے حضرت ابراہیم کی جان
خطرے میں پڑ جاتی پس خدا کے حکم سے آگ اس حد تک سرد ہوئی کہ جسم مبارک
کی سلامتی رہی۔

جس وقت شہود کی آگ عارف کے جسم میں بھڑکتی ہے وہ ذرہ برابر بھی
تصرف کسی پر کرے تو وہ اثر کر جاتا ہے۔ حضرت شیخ[1] نجم الدین کبریٰ کو بعض لوگ
ولی تراش بھی کہتے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ غلبۂ وجد کے وقت جس شخص
پر ان کی نظر پڑتی تھی وہ ولی ہو جاتا تھا۔ ایک روز ایک سوداگر سیر کرتا ہوا ان کی
خانقاہ میں آگیا۔ شیخ پر اس وقت قوی حالت طاری تھی نظر سوداگر پر پڑی تو
فوراً مرتبہ ولایت سے سرفراز ہوا۔ شیخ نے اس کا وطن دریافت کر کے اسی ملک
کے باشندوں کے ارشاد و ہدایت کے لئے اس کو روانہ کر دیا۔ ایک روز شیخ
اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور ایک باز ہوا میں کسی کبوتر کا تعاقب

---

[1] آئندہ لطائف میں آپ کا احوال زیادہ تفصیل سے درج ہے۔ ۱۲ (مترجم)

کر رہا تھا۔ آپ کی نظر کبوتر پر پڑی تو وہ مڑا اور باز کو پکڑ کے شیخ کے پاس لے آیا (یعنی کبوتر اس قدر قوی ہو گیا کہ باز کو گرفتار کر سکا) شیخ اصحاب کہف کا قصہ بیان کر رہے تھے کہ آپ کے مریدوں میں سے ایک کے دل میں خطرہ آیا کہ اس زمانہ میں کوئی ایسا بزرگ ہے یا نہیں جس کی نظر کتے پر اثر کرے۔ شیخ نے نورِ فراست سے خطرہ دریافت کر لیا۔ خانقاہ کے دروازے پر ایک کتا کھڑا تھا اس پر نظر کی وہ بیخود ہو گیا اور شہر کو چھوڑ کر قبرستان کی طرف چلا گیا۔ سرزمین پر ٹپکتا تھا اور روتا تھا جس جگہ جاتا پچاس ساٹھ کتے اس کے گرد حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے تھے اور اس کی عزت کرتے تھے۔ چند روز کے بعد وہ کتا مر گیا تو شیخ نے حکم دیا کہ اس کو دفن کرو اور اس کی قبر پر عمارت بناؤ۔

جس زمانہ میں شیخ نجم الدین اپنے استاد سے کتاب شرح السنتہ پڑھ رہے تھے ایک درویش آئے جن کو وہ نہیں پہچانتے تھے۔ ان کو دیکھتے ہی شیخ کے حال میں ایسا تغیر ہوا کہ پڑھنے کی قوت نہ رہی۔ پوچھا یہ کون شخص ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ ایک مجذوب ہیں اور بابا فرح تبریزی کہلاتے ہیں۔ شیخ رات بھر بیقرار رہے اور استاد سے آکر عرض کی کہ چلیے بابا فرح سے ملاقات کر آئیں۔ استاد بھی راضی ہوئے اور اپنے اصحاب کو ساتھ لے کر بابا فرح کی خانقاہ میں آئے۔ خادم نے ان لوگوں کیلئے حاضری کی اجازت مانگی۔ بابا فرح نے کہا کہ خداوند تعالٰے کی درگاہ میں جس صورت سے جاتے ہیں۔ اسی طرح میرے سامنے آئیں۔ شیخ پر بابا فرح کی نظر اثر کر چکی تھی وہ اس قول کے معنی سمجھے اور جو کچھ پہنے تھے اتار کر اور سینہ پر ہاتھ رکھ کر بابا فرح کے حضور میں گئے۔ اور دوسرے ہمراہی بھی اسی صورت سے پیچھے پیچھے چلے بابا فرح کے سامنے

پہنچے تو سب کا حال متغیر ہوگیا اور بابا کی صورت آفتاب کی طرح چمکتی ہوئی نظر آئی اور لباس جو ان کے جسم پر تھا خود بخود الگ ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اپنی حالتِ اصلی پر واپس آئے اور اپنے کپڑے شیخ نجم الدین کبریٰ کو پہنا کر کہا کہ اب تمہارے لئے دفتر پڑھنے کی حاجت نہیں بلکہ وقت آگیا ہے کہ تم جہان کے سردفتر بنو یہ سنتے ہی شیخ کا حال متغیر ہوا اور ان کا دھیان غیر حق سے قطع ہو گیا۔ خانقاہ سے واپس آئے تو استاد نے کہا کہ شرح السنتہ تھوڑی باقی رہ گئی ہے تین دن اس کو اور پڑھ لو اس کے بعد اختیار ہے۔ چنانچہ درس شروع کیا۔ بابا فرج پھر آئے کہا۔ "کل ہزار منزلیں علم الیقین کی طے کر چکے ہو اور آج پھر کتاب پڑھنے آئے"۔ انھوں نے درس ترک کر دیا۔ اور ریاضت و خلوت میں مشغول ہوئے وارداتِ غیبی ان پر ظاہر ہونے لگے۔ ارادہ کیا کہ اس کو لکھتے جائیں۔ یکایک بابا فرج سامنے آئے اور کہا کہ شیطان تم کو تشویش دیتا ہے۔ ان باتوں کو نہ لکھو۔ شیخ نے قلم پھینک دیا اور سب امور سے قطع نظر کر کے یادِ حق میں مستغرق ہو گئے۔

جس وقت حضرت جہانگیر نے یہ قصہ بیان کیا تو آپ کے مرید قاضی رفیع الدین کے دل میں خطرہ آیا کہ شیخ نجم الدین کبریٰ کی نظر میں جو تاثیر تھی کہ کثیف جانور ان کی نگاہ سے پاک ہو جاتے تھے۔ ویسا ہی تصرف اس زمانہ کے کسی بزرگ میں ہے یا نہیں۔ حضرت نے یہ خطرہ دریافت کر لیا اور کمال جوگی کی بلی پر اپنے تصرف سے حالتِ بے خودی طاری کر دی جس کی تفصیل مقدمۃ الکتاب میں لکھی جا چکی ہے اب دوبارہ تحریر کی ضرورت نہیں ہے۔

شیخ جنید بغدادی سے منقول ہے کہ خواجہ سری سقطی نے ان کو ہدایت کی

کہ وہ مجلس میں بیٹھ کر وعظ و تلقین کریں۔ لیکن وہ سمجھتے تھے کہ ان کو تلقین کا استحقاق نہیں ہے لہذا تعمیلِ ارشاد سے گریز کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک رات جمعہ کی شب انھوں نے جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپ نے وعظ کا حکم دیا۔ خواب سے بیدار ہو کر صبح کے وقت خواجہ کے مکان پر گئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ خواجہ سری سقطی نے کہا کہ تم مجھ کو سچا نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت کو ارشاد کی ضرورت پڑی اسی روز سے شیخ جنید نے مجلس شروع کی جب شہرت ہوئی کہ جنید وعظ کہتے ہیں تو ایک آتش پرست زاہدوں کا لباس پہن کر مجلس میں آیا اور بولا کہ اے شیخ رسول علیہ السلام کے اس قول کے کیا معنی ہیں کہ مومن کی فراست سے ڈرو۔ کیونکہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔ شیخ جنید یہ سوال سنکر تھوڑی دیر تک سر جھکائے رہے اس کے بعد سر اٹھا کر کہا کہ تو اسلام لا تیرے مسلمان ہونے کا وقت آگیا ہے۔

امام عبداللہ یافعی فرماتے تھے کہ لوگ اس قصہ میں جنید کی ایک کرامت سمجھتے ہیں۔ مگر درحقیقت دو کرامتیں ہیں۔ اول تو اس جوان کے کفر پر اطلاع پانا دوسرے اس بات سے واقف ہونا کہ وہ اسی وقت اسلام قبول کرے گا۔

[1] شیخ ابواسحٰق گازرونی نے ایک بار حضرت رسالتماب کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ توحید کیا ہے آپ نے فرمایا کہ جو خیال تیرے دل میں گذرے اللہ تعالےٰ اس سے خلاف ہے۔ یعنی اللہ کی ذات تک انسان کی عقل نہیں پہنچ

---

[1] شیخ ابواسحاق کی حکایات اس کتاب میں کئی جگہ درج ہیں۔ لطائف ۱۴ اور ۱۵ میں کسی قدر تفصیل ہے۔ سنہ ۴۲۶ھ میں وفات پائی۔ ۱۲۔ (مترجم)

سکتی توحید یہ ہے کہ شرک وشک وانکار صفات سے پاک ہو جائے۔

سیّد الطائفہ جنید بغدادی کا قول ہے کہ سب ریاضتوں سے بہتر یہ ہے کہ میدانِ توحید میں نحر کرتا رہے۔ اپنی ہمت کو حق تعالیٰ کی طرف صرف کرے اور ایسا نہ ہو کہ جس آنکھ سے حق تعالےٰ کا مشاہدہ کرتا ہے وہ غیر خدا پر پڑے۔ ایسا کیا تو حق تعالےٰ کی نظر سے گر جائے گا۔

حضرت جہانگیر فرماتے تھے کہ اصحابِ توحید کے عقیدوں پر ایمان لانا بہت ضروری ہے اور بعض محققوں نے کہا ہے کہ زمانہ قدیم کے صوفیہ کے کلمات سے جو عقیدہ حاصل ہوتا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو اس زمانہ کے اصحاب کو مجاہدے کے بعد مکاشفہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کشف کے لئے ریاضت ومجاہدہ شرط ہے اگلے بزرگوں کی ریاضات ومجاہدات بہت بڑھے ہوئے تھے اور جو شخص ریاضت نہیں کریگا اس کو مشاہدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

توحید کی حقیقت یہ ہے کہ بطور ملکہ حق تعالےٰ کا مشاہدہ کرے وہ مشاہدہ اس سے جدا نہ ہو اور دل میں یہ تصور کرے کہ جو کچھ بظاہر میں دیکھتا ہوں وہ اسی مظہر کا عکس ہیں۔ یعنی مخلوقات در حقیقت حق کا پرتو ہیں۔

اربابِ ذوق کہتے ہیں کہ کوئی شخص اس نسبت سے ایک دم کے لئے بھی غافل ہو جاوے تو وہ مردے کے برابر ہے۔ انسان موت طبعی سے مرتا ہے تو دوسرے آدمی اس کی وفات سے واقف ہو جاتے ہیں۔ لیکن عارف دولت شہود سے محروم ہو جاتا ہے تو جانوروں کو بھی خبر ہوتی ہے شیخ ابوبکر واسطی کی زیارت کے لئے دو شخص جاتے تھے۔ ان کے مقام کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ دو بلیاں آپس میں کہہ رہی ہیں کہ شیخ

ابوبکر واسطی کی وفات ہو گئی۔ اس اطلاع سے ان کو بہت افسوس ہوا اور اسی جگہ سے واپسی کا ارادہ کیا پھر سوچے کہ شرفِ صحبت سے محروم رہے تو چلو ان کی تربت کی زیارت کر لیں۔ ان کے مقام تک گئے تو دیکھا کہ شیخ زندہ و تندرست ہیں۔ ان کو بہت تعجب ہوا اور یہ واقعہ حضرت شیخ سے عرض کیا۔ شیخ یہ سنکر رونے لگے۔ اور فرمایا کہ بلبیاں سچ کہتی تھیں۔ ابوبکر جس وقت حق تعالےٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے تو وہ مُردے کے برابر ہے جس کی خبر حیوانات کو ہو جاتی ہے۔

توحید الٰہی یہ ہے کہ حق تعالےٰ ازل سے وصف وحدانیت سے موصوف ہے کان اللہ ولم یکن معہ شیئاً یعنی ازل میں اللہ تھا اور اس کے ساتھ کچھ نہ تھا۔ وہ آج بھی الآن کما کان اسی حال پر ہے اور ابد تک ویسا ہی رہے گا کل شئی ھالک الا وجھہ فرماتا ہے جس کے معنی ہیں کہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ سوائے اس کی ذات کے یہاں پر ھالک نہیں کہا جس سے خیال ہوتا کہ آئندہ ہلاک ہوگی ہر شئی کا وجود آج بھی ھالک ہے اور قیامت تک ملتوی سمجھنا محجوبوں کے لئے ہے ورنہ اصحاب مشاہدہ کیلئے یہ دولت آج بھی نقد ہے۔ یہ توحیدِ الٰہی نقصان کے داغ سے پاک ہے اور توحید خلائق بہ سبب نقصان وجود کے ناقص ہے۔ سالکوں کو مقصود یہ نہیں ہے کہ وہ دریائے احدیت میں غرق ہو جائیں بلکہ اس کے احکام کا نفاذ بعین رضا قبول کریں۔ فرض کرو کسی شخص کو بادشاہ کا قرب حاصل ہو تو اس کا مقصود یہ نہیں ہوتا ہے کہ بادشاہ کی ذات پر تصرف حاصل کرے۔ بلکہ کمال قرب یہ ہے کہ اس کو وزارت یا کوئی اور اعلیٰ عہدہ مل جائے۔ اسی طرح منصبِ خاص عارفوں کو نصیب ہوتا ہے۔ ورنہ حق تعالےٰ کی ذات چادر کبریائی سے ہمیشہ ڈھکی رہتی ہے اور مخلوقات میں سے کوئی شخص اس تک

نہیں پہنچ سکتا۔ انبیار واولیار کی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

ایک روز ابو اسحاق گازرونی نے پیغمبر خدا صلعم کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ عقل کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ادنیٰ درجہ عقل کا یہ ہے کہ دنیا کو ترک کرے اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات میں فکر کو ترک کرے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو اللہ تعالےٰ کی ذات میں فکر کرتے ہیں وہ احمق ہیں۔

حدیث صحیح ہے کہ اللہ کی نعمتوں میں فکر کرو اس کی ذات پر فکر نہ کرو۔ صاحبِ فصوص الحکم نے لکھا ہے کہ اللہ کی ذات میں تفکر محال ہے۔ پس صرف مخلوقات میں فکر کی جا سکتی ہے۔

عارفوں کا حصولِ مرتبہ صفات میں ہوتا ہے اور نزول مراتب تنزلات میں اس کی تفصیل آئندہ بیان ہوگی۔

لطیفہ دوسرا

ولایتِ ولی اور اس کے اقسام

امام عبداللہ یافعی نے ایک کتاب میں اولیار کی فضیلت پر دس آیتیں قرآن شریف کی اور دس حدیثیں صحاح کی نقل کی ہیں ان میں سے تین آیتیں اور تین حدیثیں یہاں درج کی جاتی ہیں۔

(آیت اول) اولئك الذين انعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين وحسن اولئك رفيقا ذالك الفضل من الله

(وہ لوگ ایسے ہیں کہ حق تعالےٰ نے ان پر انعام کیا ہے۔ نبیوں و صدیقوں و شہیدوں و صالحوں میں سے اور وہ لوگ بڑے اچھے رفیق ہیں۔ یہ حق تعالےٰ کی طرف سے فضل ہے)

(دوسری آیت) الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون الذین آمنوا وکانوا یتقون لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الاخرۃ لاتبدیل لکلمات اللہ ذالک ھو الفوز العظیم۔ (یہ تحقیق خدا کے اولیار پر کوئی خوف نہیں ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ جو لوگ کہ ایمان لائے اور پرہیز کیا ان کے لئے اچھی خبر ہے۔ دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔ نہیں تبدیلی ہے واسطے کلماتِ خدا کے اور یہ بڑی مُراد تک پہنچنا ہے)

(تیسری آیت) ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون۔ (تحقیق جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ پھر اس پر استقامت کی۔ ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ نہ ڈرو اور غمگین نہ ہو اور خوشنود ہو ایسی جنت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے)

صحیح بخاری میں ہے کہ حق تعالےٰ کہتا ہے کہ جس شخص نے میرے کسی دوست سے عداوت کی اس کو خبردار کرتا ہوں۔ جنگ سے کوئی بندہ نزدیکی نہیں حاصل کرتا ہے۔ کسی کام سے جو مجھ کو زیادہ محبوب ہو اس چیز سے جو اس پر میں نے فرض کی ہے اور میرا بندہ ہمیشہ نزدیکی حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں پس جب اس کو دوست رکھتا ہوں تو اس کی شنوائی ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی بینائی ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے

کوئی سوال کرے تو پورا کروں گا اور مجھ سے پناہ مانگے تو پناہ دوں گا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ "بہت سے پریشاں بال والے جو دروازے سے ہٹا دئے جاتے ہیں اس مرتبہ کے ہیں کہ وہ کسی بات کے لئے قسم کھائیں تو اللہ ان کے قول کو سچا کر دیتا ہے۔"

میری امت کی مثال مثل برسنے والے پانی کی ہے جس کی بابت یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کا اول بہتر ہے یا آخر یعنی اس امت پر کوئی وقت ایسا نہیں گذرتا جس میں اولیا و مشائخ اور علمائے راسخ موجود نہ ہوں۔

طریقۂ سلف کا یہ تھا کہ ریاضات و مجاہدات کے نور سے مریدوں اور مستفیدوں کے باطن پر اثر ڈالا کرتے تھے۔ حکایات و روایات میں مشغول نہیں رہتے تھے کتابیں اس زمانہ میں کم تھیں۔ زبانِ حال زبانِ قال سے زیادہ گویا ہے۔ اسی سے کام لیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی بدرجۂ کمال کر کے مرتبۂ وصول تک پہنچتے اور اس کے بعد ہدایتِ خلق پر مامور ہوتے تھے۔

امام قشیری نے لکھا ہے کہ اسلام پر کوئی عہد ایسا نہیں گذرا جس میں طبقہ صوفیہ کا کوئی بزرگ ایسا موجود نہ ہو جس کا مرتبہ توحید و معرفت میں بلند ہو علما و ائمہ اس کے مطیع ہوں اور اس سے برکت کے طلبگار رہتے ہوں۔

ولایت مشتق ولا سے ہے جس کے معنی قرب کے ہیں۔ ولایت عام مشترک سب مومنوں میں ہے اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور یعنی اللہ دوست ان لوگوں کا ہے جو ایمان لائے اور ان کو تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے لیکن ولایت خاص سالکوں واصلوں کے لئے مخصوص ہے

اور وہ عبارت ہے بندہ کے حق تعالےٰ میں فنا ہو جانے اور اس کے ساتھ باقی رہنے سے "فنا" یہ ہے کہ سیر الی اللہ ختم ہو اور "بقا" یہ ہے کہ سیر فی اللہ شروع ہو۔ سیر الی اللہ اس وقت ختم ہوتی ہے جب سالک وجود کے جنگل سے نکل جائے اور سیر فی اللہ اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب بندہ خودی کے فنا کے بعد اوصافِ خداوندی کے ساتھ اخلاق میں ترقی کرے۔ ابو علی جرجانی کہتے ہیں کہ ولی وہ ہے جو حق تعالےٰ کے مشاہدہ میں باقی ہو۔ اس کو نہ اپنے نفس کی خبر ہوتی ہے اور نہ غیر خدا کے ساتھ قرار ملتا ہے۔

ابراہیم ادھم نے ایک شخص سے کہا کہ ولی ہونا چاہتا ہے تو دنیا و عقبیٰ کی کسی چیز سے رغبت نہ کر اپنے نفس کو حق تعالےٰ کے واسطے فارغ رکھ اور اسی کی طرف متوجہ رہ۔

رسالہ قشیری میں ہے کہ ولی کے دو معنی ہیں ایک بروزن فعیل بمعنی مفعول یعنی اللہ تعالےٰ اس کے کام کا متولی ہو جاتا ہے وھو یتولی الصّالحین ہ پس اس کو ایک لحظہ کے لئے نفس کے سپرد نہیں کرتا اور اس کی رعایت کا ذمہ دار رہتا ہے۔

ولی کے دوسرے معنی فاعل کے ہیں یعنی وہ ذمہ دار ہوتا ہے حق تعالےٰ کی بندگی و طاعت کا اس کے لئے عبادت لازمی اور نافرمانی محال ہو جاتی ہے واجب ہے کہ حق تعالےٰ کے حقوق پر تمام و کمال قائم ہو اور خدا خوشی و رنج میں ہمیشہ اس کا محافظ رہے۔

نبی کے لئے شرط ہے کہ معصوم ہو اور ولی کے لئے شرط ہے کہ محفوظ ہو جس شخص پر بروئے شرع اعتراض ہو سکتا ہو وہ مغرور ہے اور فریب میں گرفتار ہے۔

ایک شخص ولی مشہور تھا۔ ابویزید بسطامی اس کی ملاقات کو گئے۔ مسجد کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ اس شخص نے باہر نکل کر قبلہ کی طرف تھوکا۔ ابویزید سلام کئے بغیر پلیٹ آئے اور کہا کہ یہ آداب شریعت پر امین نہیں تو حق تعالےٰ کے اسرار کا امانت دار کیونکر ہو سکتا ہے۔ ایک شخص ابوسعید ابوخیر کی خدمت میں آیا اور پہلے بایاں پاؤں مسجد میں رکھا۔ شیخ نے کہا واپس جاؤ جو دوست کے گھر میں آنے کا ادب نہیں جانتا مجھ کو اس سے ملاقات کرنا مناسب نہیں ولی کے لئے محفوظ ہونے کی جو شرط ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ وہ گناہ پر قائم رہنے سے محفوظ ہے اور معاصی پر اصرار نہیں کرتا۔ بعض نے کہا ہے کہ ولی گناہان صغیرہ پر بھی قائم رہنے سے محفوظ ہے۔ ایک شخص نے حضرت جنید سے سوال کیا۔ کیا ولی زنا کر سکتا ہے۔ حضرت تھوڑی دیر تک سرنگوں رہے۔ اس کے بعد کہا کان امر اللہ قدراً مقدوراً۔ یعنی خدا کا کام اندازہ مقرر کیا ہوا ہے۔

شیخ علاء الدولہ سمنانی فرماتے تھے کہ انبیاء علیہم السلام بالقصد گناہ سے معصوم ہیں اور اولیاء گناہ کو بے حقیقت سمجھنے سے محفوظ ہیں اور میرے نزدیک تو کوئی گناہ اس سے بدتر نہیں کہ بندہ اپنے تئیں خطا کار اور محروم نہ سمجھے۔ ولی کیلئے اہم شرط یہ ہے کہ وہ قول و فعل اور اعتقاد میں رسول علیہ السلام کا تابع ہو ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی۔ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو پیغمبر خدا صلعم کا اتباع کرو۔ اس موافقت میں ہرگز قصور نہ کرے دنیا کے خیر و شر کی طرف التفات نہ ہو اور کونین کا وجود و عدم برابر سمجھے۔

ولی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ جاہل نہ ہو لیکن علم سے مراد یہاں کتابوں کا

پڑھنا نہیں ہے بلکہ وہ علم مقصود ہے جو انبیاء کا ورثہ ہے۔ کتابوں سے علم آتا تو علمائے ظاہر اولیاء کے سردار ہوتے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ علمِ وراثت بے واسطہ تعلیم حاصل ہوتا ہے۔ وعلمناہ من لدنا علما (ہم نے اس کو اپنے پاس سے علم تعلیم کیا) اور جس کو یہ علم حاصل ہو وہ ولی ہے۔ اگرچہ از روئے ظاہر اس نے ایک حرف بھی نہ پڑھا ہو۔ حافظ شیرازی نے خوب کہا ہے ؎

نگارِ من کہ بمکتب نہ رفت وخط ننوشت

بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

(ترجمہ) میرا معشوق جو نہ مکتب گیا نہ کچھ پڑھا لکھا اپنے غمزوں سے سینکڑوں استادوں کو مسئلے سکھانے لگا۔

اس قسم کے عالم متقدمین و متاخرین میں بے شمار ہوئے ہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام احمد جامی امی تھے۔ بائیس برس کی عمر میں توبہ کی توفیق ہوئی۔ پہاڑ پر جا کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہوئے۔ ۱۸ سال کے بعد ہدایتِ خلق کا حکم ہوا۔ علم لدنی کے دروازے ان پر کھل گئے اور توحید و معرفت۔ طریقت و حقیقت کے بیان میں انھوں نے سینکڑوں کاغذ سیاہ کئے جن میں آیات و احادیث کی اسناد درج تھیں۔ تقریباً ۳ لاکھ اشخاص نے ان کے ہاتھ پر توبہ کی ہے۔

شیخ ابوالحسن خرقانی اور شیخ ابوالعباس قصاب بھی پڑھے ہوئے نہ تھے قاف و کاف میں تمیز نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن یگانہ روزگار اور اپنے عہد کے غوث تھے۔

شیخ احمد جامی کہیں دعوت میں جانے والے تھے۔ خادم نے نعلین پیش

گیں۔ آپ نے کہا ذرا ٹھہر جاؤ ایک کام درپیش ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک ترکمان مع اپنی خاتون کے آیا اور ۱۳ برس کا ایک خوبصورت لڑکا ان کے ساتھ تھا مگر آنکھوں سے اندھا۔ انھوں نے کہا کہ اے شیخ حق سبحانہ نے ہم کو سب نعمتیں دی ہیں مگر سوائے اس نابینا لڑکے کے کوئی فرزند نہیں جس جگہ کسی درویش۔ بزرگ۔ مزار یا طبیب کا نام ہم نے سُنا لڑکے کو وہاں لے گئے لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا ہم نے سُنا ہے کہ آپ جو کچھ حق تعالےٰ سے مانگتے ہیں مل جاتا ہے۔ ہمارے اس لڑکے پر نظر عنایت کیجئے اس کی آنکھیں روشن ہو جائیں تو جو کچھ ہمارے پاس ہے آپ پر فدا کریں گے اور اگر ہمارا مقصود حاصل نہ ہوا تو یہیں اپنے کو ہلاک کر دیں گے۔

شیخ نے کہا مردے کو زندہ کرنا اور نابینا کی آنکھیں روشن کرنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ احمد کی کیا مجال ہے کہ وہ ایسی ہمت کرے یہ کہہ کر روانہ ہوئے خانقاہ کے دالان تک پہنچے تو ایک خاص حالت طاری ہوئی اور زبان سے نکلا "ہم کرینگے ہم کرینگے"۔ شیخ خانقاہ واپس آئے لڑکے کو پاس بلایا انگوٹھے اس کی آنکھوں پر رکھے اور کہا انظر باذن اللہ (دیکھ خدا کے حکم سے) لڑکا دونوں آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ بعض لوگوں نے سوال کیا کہ اول آپ نے کہا تھا کہ مردے کو زندہ کرنا اور نابینا کو بینا بنانا معجزہ عیسیٰ علیہ السلام کا ہے بعدازاں کہا "ہم کریں گے ہم کریں گے" ان دونوں باتوں میں مطابقت کیونکر ہوتی ہے۔ شیخ نے فرمایا پہلے جو کچھ کہا گیا وہ احمد کا کلام تھا۔ اور سوا اس کے وہ کچھ نہ کہہ سکتا تھا لیکن جب وہ دالان تک پہنچا تو ندا ہوئی کہ احمد ٹھہر! مُردے کو زندہ کرنا عیسیٰ کا کام ہے لیکن تو بھی کہہ دے کہ "ہم کریں گے"۔ ہم نے اس لڑکے کی آنکھ کی روشنی تیرے اختیار میں دی ہے۔ غیب سے یہ آواز آئی تو میری زبان

سے دوسرا فقرہ نکلا یہ قول و فعل حق کا تھا جو احمد کے ہاتھ اور زبان سے ظاہر ہوا۔

روایت ہے کہ محمد معشوق طوسی[1] نماز نہیں پڑھتے تھے۔ لیکن خواجہ احمد غزالی کا قول ہے کہ قیامت کے دن صدیقوں کو تمنا ہوگی کہ وہ خاک ہوتے تاکہ ان پر محمد معشوق کے قدم پڑ جاتے۔

شیخ ابوالخیر طوس کی جامع مسجد میں وعظ کہہ رہے تھے محمد معشوق نے جو حاضر مجلس تھے اپنی قبا کے بند باندھے تو شیخ ابوسعید کی زبان گنگ ہو گئی۔ ایک ساعت کے بعد ابوسعید بولے کہ "اے سلطان عالم قبا کے بند کھولئے۔ آپ نے ساتوں آسمانوں اور زمینوں کو باندھ دیا ہے۔" سبحان اللہ کیسے امی تھے کہ تمام علوم کے چشمے ان کے زبان و دل سے جاری ہوتے تھے۔

بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ فلاں بزرگ نے وفات کے وقت ولایت و نعمت دوسرے کو بخشدی۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ولایت و نعمتِ خاص جو ہزار محنت و کلفت سے حاصل کی تھی دوسرے کو عطا کی۔ بلکہ مُراد یہ ہے کہ سلوک کا طریقہ جو ان سے مخصوص تھا دوسرے کے سپرد کیا۔ پیر کے پاس ولایت بالکسر ہوتی ہے اور ولایت بالفتح بھی ہوتی ہے۔ ولایت سے مقصود ہے مرید کو خدا اور رسول تک پہنچانا۔

---

[1] محمد نام معشوق لقب طوس کے باشندے تھے اور وہیں مزار ہے۔ مولانا جامی لکھتے ہیں کہ محمد معشوق عقلائے مجانین سے تھے اور بڑے بزرگوار اور صاحب حالات با کمال تھے۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر المتوفی ۴۴۰ھ کے ہمعصر تھے اور ان کو بشارت دی تھی کہ وہ نوبت جو تیرے یہاں بجتی ہے چند روز کے بعد تمہاری درگاہ پر بجے گی۔ ۱۲

اور آداب طریق سکھانا اور ولایت سے مطلب ہے محبت حق اور قرب حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پیر دنیا سے انتقال کرتا ہے تو ولایت جس کو چاہے بخشدے اور وہ خود نہ دے تو حق تعالےٰ اپنے دوستوں میں سے جس کو چاہے عنایت کر دے لیکن ولایت پیر کے ہمراہ ہوتی ہے اور اس کے ساتھ جاتی ہے۔

شیخ ابوسعید ابوالخیر کے پاس ایک خرقہ تھا جو ان کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بواسطۂ مشائخ ملا تھا۔ بوقت آخر حکم ہوا کہ یہ خرقہ احمد جام کو دیا جائے۔ اپنے فرزند شیخ ابوطاہر کو وصیت کی کہ میری وفات کے چند سال بعد ایک خوبصورت نوجوان احمد نام تیرے پاس خانقاہ میں آئے گا یہ خرقہ ان کو دے دینا۔ شیخ ابوطاہر کی آرزو تھی کہ شیخ ابوسعید اپنی ولایت ان کو عطا کریں۔ شیخ نے آنکھ کھول دی۔ اور کہا کہ تم جس ولایت کی طمع کرتے ہو وہ دوسرے کے سپرد کی گئی اور ہمارا منصب شیخی ایک خراباتی کو دیا گیا۔ اس واقعہ سے چند سال بعد ایک رات ابوطاہر نے خواب میں دیکھا کہ ابوسعید اپنے دوستوں کے ساتھ جا رہے ہیں۔ ابوطاہر نے پوچھا کہ یا شیخ عجلت کا کیا سبب ہے جواب ملا تو بھی چل قطب اولیاء آرہے ہیں۔ دوسرے روز ابوطاہر خانقاہ میں بیٹھے تھے کہ ایک جوان آئے ابوطاہر نے فوراً پہچان لیا اور ان کا اعزاز کیا لیکن تقاضائے بشریت سے خیال آیا کہ باپ کا خرقہ میں کیوں ایثار کر دوں وہ جوان بولے کہ اے خواجہ امانت میں خیانت جائز نہیں۔ ابوطاہر یہ سنکر خوش ہو گئے اور خرقہ ان کو عنایت کیا یہ نوجوان شیخ احمد تھے نوجوانی میں شراب پیتے تھے معلوم نہیں کہ شیخ احمد جام کے بعد وہ خرقہ کس کو ملا اور کہاں گیا۔

ایک مشہور مقولہ ہے کہ ان اولیاء اللہ لا یموتون ولکن ینقلبون من

دارالی دارِ یعنی اللہ کے دوست مرتے نہیں ہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کو منتقل ہو جاتے ہیں۔ اس سے مراد "موت طبعی" نہیں ہے بلکہ "موت ارادی" مقصود ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ موتوا قبل ان تموتوا (مر جاؤ قبل موت آنے کے) حق تعالے کے دوست موت ارادی سے مرتے نہیں بلکہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر ترقی کرتے ہیں۔ کمالِ انسانی کی انتہا نہیں ہر ساعت ترقی ہوتی رہتی ہے۔ خدا کی ذات میں تغیر نہیں۔ ہردم صفاتِ حق سے مزید حصول ہو سکتا ہے۔ شیخ سعدی نے خوب کہا ہے ؎

نہ حسنت غایتے دارد ، نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

دوسرے معنی حدیث موتوا قبل ان تموتوا کے یہ ہیں کہ اولیار صفائے قلب کی بدولت مراتبِ باطن پر مطلع اور منازلِ تنزلات سے واقف ہوتے ہیں ان کی ارواح لباسِ مثال پہن کر عالمِ اجسام میں تصرف کرتی ہیں اور موتِ طبعی کے بعد بھی اتنا ہی تصرف ہوتا ہے جتنا زندگی میں تھا۔

حضرت خواجہ نظام الدین گنجوی علوم ظاہری میں کامل تھے لیکن سب چھوڑ کر حق تعالے کی طرف رجوع ہوئے۔ قناعت و گوشہ نشینی اختیار کی۔ زہد و تقویٰ سے بسر کی۔ دوسرے شعرار کی طرح اربابِ دنیا کی خوشامد سے زبان کو آلودہ نہ کیا بلکہ خود سلاطینِ روزگار ان سے برکت کے طلبگار رہتے تھے۔ ان کا بیشتر کلام ظاہراً افسانہ ہے لیکن حقیقت و معرفت کا دراصل خزانہ ہے۔ بعض اشعار اس مضمون کے ہیں کہ جو شخص اُن کے کلام پر اعتراض کرے گا وہ بدنصیب ہے اور اس کو نقصان پہنچے گا۔ مخزن اسرار میں لکھا ہے ؎

تیغ ز الماس زبان ساختم ۔۔۔ ہر کہ پس آمد سرِ شش انداختم

اور یہ پیشین گوئی بھی فرمائی ہے کہ ارباب جدل ان کی کتابوں سے مقابلہ کی جرأت کریں گے ؂

دو ہندی بر آید ز ہندوستاں ۔۔۔ یکے دزد باشد دگر پاسبان

چنانچہ تصنیفات کے عہد سے اس وقت تک جس شاعر نے ان کی برابری کرنی چاہی اس کو نقصان پہنچا۔

حضرت امیر خسروؒ نے نظامی کے جواب میں پانچ مثنویاں تصنیف کیں اور حسب ذیل اشعار میں نظامی پر چوٹ کی ؂

گرچہ زند تیغِ دو دستی بسے ۔۔۔ تا نہ وہد حق نیابد کسے

دبدبۂ خسرویم شد بلند ۔۔۔ غلغلہ در گورِ نظامی فگند

نظامی کی روح پاک کو یہ تاز ناگوار ہوا ایک رات ان کی تیغ جہاں سوز خسروؒ کے سر تک آئی مگر سلطان نظام الدین درمیان آگئے اور فرمایا یہ میرا فرزند ہے اس کا جرم معاف کرو۔ نظامی نے کہا کہ مردوں کی تلوار خالی نہیں جاتی۔ سلطان جی نے اپنی آستین دراز کر دی اور وہ کٹ گئی۔

شیخ روزبہانؒ کے ایک دوست کہتے تھے کہ میں روز صبح کو شیخ کے ساتھ

ؒ روزبہان کی کنیت ابو محمد ابن نصر تھی شیراز کے رہنے والے تھے۔ سلطان عرفا مشہور تھے ۶۰۶ھ میں وفات پائی۔ بڑے صاحب تصانیف تھے۔ غلبۂ وجد میں ایسے اشعار کہے کہ ان کا سمجھنا دشوار ہے۔ ۱۲

قرآن پڑھا کرتا تھا۔ تین سیپارے میں پڑھتا تھا اور تین وہ پڑھتے تھے جب وہ فوت ہوئے دنیا مجھ پر تنگ ہو گئی۔ رات کے آخری حصہ میں اٹھا اور نماز پڑھی۔ اور شیخ کی تربت کے قریب بیٹھ کر قرآن پڑھنا شروع کیا اپنی تنہائی کا خیال کر کے رونے لگا۔ تین سیپارے ختم کئے تو شیخ کی قبر سے قرآن خوانی کی آواز آنے لگی اور جب تک ان کے دوسرے اصحاب جمع نہیں ہو گئے وہ آواز منقطع نہیں ہوئی۔ مدت تک یہی حال رہا ایک دن میں نے یہ حال کسی دوست سے بیان کر دیا اسی روز سے آواز بند ہو گئی۔

طبقات صوفیہ میں ہے کہ پانچ مشائخ قبور سے ویسا ہی تصرف کرتے ہیں جیسا کہ زندگی میں کرتے تھے اور ان کے نام یہ ہیں۔ حضرت معروف کرخی۔ شیخ عبدالقادر جیلانی شیخ محی الدین ابن العربی۔ شیخ عقیل مسیحی۔ اور شیخ حیاتؒ حرانی۔ یہ مشائخ دوسری ولایتوں کے ہیں۔ ہندوستان کے بزرگوں میں فرق مراتب کرنا بے ادبی سے خالی نہیں۔ مگر خانوادہ چشتیہ کے اکثر اولیاء ہنوز صاحب تصرف ہیں خصوصاً شیخ علاء الدین، سلطان نظام الدین۔ شیخ فریدالدین گنج شکر۔ خواجہ قطب الدین بختیار اور خواجہ معین الدین سنجری۔

طبقات صوفیہ میں ہے کہ حضرت غوث الثقلین کا تصرف ممات میں حیات سے زیادہ ہے کیونکہ حیات کے وقت کسی قدر کثافت بشری باقی تھی۔ جو موت طبعی کے بعد زائل ہو گئی۔ جوانی کے وقت ایک دن شیخ حماد کی خدمت میں

---

[1] سال وفات ۵۸۱ھ ہے۔ صاحب کرامات اور مقامات عالیہ تھے۔ نفحات الانس میں بعض کرامات درج ہیں۔ ۱۲

حاضر تھے۔ جب رخصت ہوئے تو شیخ حماد نے کہا۔ اس جوان کا قدم ایک دن کل اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہوگا۔ چنانچہ مدت کے بعد ایک روز شیخ عبدالقادر خانقاہ میں وعظ کہہ رہے تھے تقریباً ۵۰ مشائخ موجود تھے کہ اثنائے سخن میں آپ نے کہا قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ (میرا یہ قدم سب اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے)

شیخ ابوسعید جو اس وقت مجلس میں حاضر تھے کہتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر نے یہ فقرہ کہا تو میرے دل پر تجلی ہوئی اور میں نے دیکھا کہ رسول علیہ السلام نے ایک خلعت شیخ کو پہنایا فرشتوں اور رجال الغیب نے مجلس کو گھیر لیا اور روئے زمین پر کوئی ولی نہ تھا جس نے اپنی گردن پست نہ کی ہو سُنا ہے کہ عجم میں ایک شخص نے تواضع نہیں کی تو اس کا حال سلب ہوگیا۔ کلام مجید میں ہے الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون یعنی آگاہ رہو کہ خدا کے دوستوں کو خوف نہیں ہے اور وہ غمگین نہیں ہوتے۔ اس آیہ شریفہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اولیاء کو آخرت کا خوف اور غم نہیں ہوتا اور یہ اہلسنت کے عقائد کے خلاف ہے کیونکہ سوائے انبیاء اور عشرہ مبشرہ کے کسی شخص کے حسن خاتمہ اور عاقبت بخیر ہونے کا اطمینان نہیں ہوسکتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کی عنایت وشفقت پر اس گروہ کو بہت اعتماد ہے اور وہ امیدوار ہیں ارحم الراحمین اپنے فضل وکرم سے تمام مومنوں کو لباس مغفرت سے ملبوس فرمائیگا ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا جب عام مومنین کے لئے یہ بشارت موجود ہے تو اولیاء بطریق اولیٰ خوف وغم سے خلاصی پانے کے مستحق ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت حق کا ظہور جمال صدور جلال پر غالب ہے جمال کا مقتضاء مغفرت ہے اور جلال کا عقوبت۔ حدیثِ قدسی ہے ان رحمتی سبقت غضبی

اگر اولیاء بہ نظر جمال خیال جلال سے بے خوف ہوں تو کیا تعجب کی بات ہے ؎

اگر در دہد یک صلائے کرم　　　عزازیل گوید نصیبے برم

تفسیر شہابی میں ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ (تیرا پروردگار اتنا دیگا کہ تو راضی ہو جائے گا) کی تشریح میں لکھا ہے کہ رسول اللہ کی امت سے کمینہ گنہگار بھی دوزخ میں رہے گا تو رحمۃ للعالمین راضی نہ ہوں گے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ مہمان عزیز ہوتا ہے تو اس کے طفیلی کی بھی دعوت کی جاتی ہے۔ کیا عجب ہے کہ مہمان سرائے دار السلام میں رسول علیہ السلام کے تصدق سے اولیاء طفیلیوں کی طرح داخل ہوں اور عام امتی بھی اس سعادت سے بہرہ مند ہوں۔

چوتھا جواب صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قسم اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تم کو مٹا دیتا اور دوسری قوم پیدا کرتا کہ وہ گناہ کرتی اور خدائے تعالےٰ اس کو معافی دیتا" شیخ علاء الدولہ سمنانی اس حدیث کے ضمن میں بیان کرتے تھے کہ مسلمین و مومنین سے عصیاں و طغیان نہ ہوتا تو حضرت حق کی صفت غفاری کا ظہور کیونکر ہوتا۔

گناہ من از نبودے در شمار　　　ترا نام بودے آمرزگار

وہ ارحم الراحمین اور اکرم الاکرمین ہے اور کوئی مومن اس کے احاطۂ رحمت سے خارج نہیں ہے۔

حضرت شبلی سے کسی نے پوچھا کہ اکرم الاکرمین کس کو کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ "ایک شخص کا قصور معاف کیا ہو تو کسی دوسرے کو اسی نوع کے قصور پر عذاب نہ کرے کیونکہ یہی خطا فلاں دوست یا غلام کو معاف کی جا چکی ہے۔ اکرم الاکرمین

کی یہی شان ہے۔"

حضرت سید اشرف فرماتے تھے کہ میں کاشان کے مقام پر شیخ عبدالرزاق کاشی کی خدمت میں حاضر تھا۔ معفرت پر گفتگو شروع ہوئی۔ شیخ نے کہا کہ "یہ حقیقت کے راز ہیں جن کو علمائے ظاہر نہیں سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ حضور مدینہ کے کسی کوچہ سے اصحاب کے ہمراہ گزر رہے تھے کہ ایک عورت نے آپ کو قسم دے کر گھر کے اندر بلایا حضور مکان کے اندر داخل ہوئے تو آگ جل رہی تھی اور اس عورت کے بچے آگ کے گرد کھیل رہے تھے۔ عورت نے کہا یا نبی اللہ کیا خدا اپنے بندوں پر سب رحمت کرنے والوں سے زیادہ رحیم ہے یا میں اپنی اولاد پر زیادہ مہربان ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ زیادہ رحم کرنے والا اور ارحم الراحمین ہے۔ عورت نے کہا یا رسول اللہ میں اپنے کسی بچہ کو آگ سے جلانا گوارا نہیں کر سکتی تو خدا کیونکر چاہے گا کہ اپنے بندوں کو آگ میں ڈال دے وہ تو سب سے زیادہ رحیم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گریہ کیا اور فرمایا کہ ایسی ہی وحی کی ہے اللہ تعالے نے مجھ پر۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ بعض اولیاء قرب فرائض پر ہوتے ہیں اور بعض قرب نوافل پر۔ قرب فرائض میں حق ظاہر ہوتا ہے اور بندہ باطن۔ قربِ نوافل میں حق باطن ہوتا ہے اور بندہ ظاہر سالک کے قویٰ اور اعضا رعین حق ہو جاتے ہیں۔ جہت حقیقت غالب ہو جاتی ہے اور خلقیت مغلوب بندۂ سالک فاعل ہوتا ہے۔ اور حق تعالے ذرایعہ فعل یا آلت جس کی طرف حدیثِ قدسی میں اشارہ ہے کہ "قرب نوافل سے میں اس کے کان۔ آنکھ۔ زبان ہاتھ پاؤں ہو جاتا ہوں وہ مجھ سے سنتا ہے۔ مجھ سے

دیکھتا ہے مجھ سے بولتا ہے۔" لیکن قرب فرائض کی تاثیر یہ ہے کہ سالک کا وجود درمیان نہیں رہتا۔ ذات سالک فنا ہو جاتی ہے حق تعالیٰ فاعل ہوتا ہے اور سالک کے اعضاء بمنزلہ آلت۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ گویا ہوتا ہے زبان عمر پر۔ ان الحق ینطق علی لسان عمر جب سالک فنا کے اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے تو صفات اس سے کیونکر منسوب ہو سکتے اور خوف و غم کا وصف جو مقتضائے بشریت تھا دور ہو گیا الا ان اولیآء اللہ لاخوف علیھم کی تصدیق ہو گئی۔ ایک دن دو[1] شخص ابوالعباس قصاب کے پاس آئے اور کہا کہ ایک بحث درپیش ہے۔ ایک کہتا ہے کہ ازل و ابد تمام رنج ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ ازل و ابد تمام شادی ہے آپ کیا فرماتے ہیں۔ شیخ ابوالعباس نے دونوں ہاتھ سر اور سینے پر پھیرے اور کہا الحمد للہ پسر قصاب کی منزل میں نہ رنج ہے نہ شادی تمہارے پروردگار کے پاس نہ صبح ہے نہ شام۔ رنج و خوشی تمہاری صفت ہے اور تمہاری یہ صفت حادث ہے۔ اس کی رسائی قدیم تک نہیں ہو سکتی۔ جب یہ دونوں شخص باہر گئے تو معلوم ہوا کہ ایک ان میں سے ابوالحسن خرقانی تھے اور دوسرے

---

[1] ابوالعباس کا اسم مبارک احمد بن محمد تھا۔ صاحب کرامات عظیم اور غوث زماں تھے ابوعبداللہ داستانی کا نام محمد بن علی تھا۔ ان کا لقب شیخ المشائخ مشہور ہے۔ ۴۱۷ھ میں وفات پائی صرف ۵۹ سال کی عمر تھی۔ ابوالحسن خرقانی کا نام علی بن جعفر تھا۔ ابوالعباس قصاب کے بعد غوث زماں ہوئے سال وفات ۴۲۵ھ ہے۔ ان تینوں بزرگوں کا احوال اس کتاب میں جگہ جگہ ملے گا۔ ۱۲

ابو عبداللہ داستانی ۔ گروہ صوفیہ کے نزدیک اپنے وجود قدرت فعل کا دعویٰ محض شرک ہے اول دیوار لجدہ نقش و نگار ۔ جب ذات نہیں تو صفات کہاں ۔ شیخ ابوالوفا خوارزمی نے اسی مضمون کی ایک رباعی لکھی تھی جو مقدمۃ الکتاب میں لکھی جا چکی ہے ۔ بغرض تسلسل کلام کے لئے یہاں بھی نقل کی جاتی ہے ۔

بد کردم و اعتذار بدتر ز گناہ | چوں ہست دریں عذر سہ دعویٰ تباہ
دعویٰ وجود و قدرت و دعویٰ فعل | لا حول و لا قوۃ الا باللہ

کلمات قدسی میں ہے اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری (میرے دوست میری قبا کے نیچے ہیں اور ان کو سوائے میرے کوئی نہیں پہچانتا) لیکن مشائخ کا قول ہے کہ جو ولی صاف باطن ہو وہ اولیاء اور اصفیا کو پہچان سکتا ہے ۔ ان دونوں اقوال کی تطبیق یوں ہے کہ چار ہزار اولیاء مکتوم ہوتے ہیں جن کو سوائے حق تعالےٰ کے کوئی نہیں پہچانتا ۔ ان کا حال اغیار سے پوشیدہ رہتا ہے ۔ لیکن قرب فرائض یا قرب نوافل کے سالکوں کا شمار اغیار میں نہیں ہے وہ ان سے واقف ہو سکتے ہیں ۔ اولیاء مکتوم کی ایک نوع بیگانگی کے لباس میں رہتی ہے ۔ مثلاً محمود غزنوی کے والد سبکتگین ہرات پہلی بار آئے تو ان کے ایک سپاہی نے بہت سی گھاس خرید کی ۔ پوری قیمت ادا کی اور گھسیارے سے کہا کہ دوبارہ گھاس لاؤ تو میرے ہی پاس آنا گھسیارا بہت خوش ہوا اور اکثر اس لشکری کے پاس آنے جانے لگا ۔ اتفاقاً عرفہ کے دن گھسیارے نے کہا کہ آج عرفات میں حج ہوتا ہوگا ۔ کاش میں بھی وہاں ہوتا ۔ لشکری نے کہا میں تجھکو وہاں پہنچا سکتا ہوں ۔ بشرطیکہ تو کسی سے بیان نہ کرے گھسیارے نے وعدہ کیا تو وہ سپاہی اس کو عرفات لے گیا حج کرایا اور واپس لایا گھسیارے نے واپسی کے بعد کہا ۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ کا سا بلند حال بزرگ فوج میں نوکری کرے" لشکری نے جواب دیا کہ ایسے خدمت گزار لشکر میں نہ ہوں تو ضعیفوں اور کمزوروں کی فریاد کون سُنے۔ مجھ ایسے ضعیف کا انصاف کون کرے۔ اور کوئی جوان عورت گرفتار ہو تو اس کو لشکریوں کے پنجہ سے کون چھڑائے۔ میں لشکر میں ان خدمات کے واسطے رہتا ہوں۔

خاکسارانِ جہاں را بہ حقارت منگر

تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

شیخ علاء الدولہ سمنانی کہتے تھے کہ کوئی شخص مرتبہ ولایت پر نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ حق تعالےٰ اس پر پردہ نہ ڈالے اور مخلوق کی نگاہ سے اس کو پوشیدہ نہ کرے اور یہ پردہ صفاتِ بشریت کا ہوتا ہے۔ البتہ جس شخص کا باطن منور ہو وہ اس کو پہچان سکتا ہے شناخت وہ نورِ حق کرتا ہے نہ کہ انسان۔

شیخ علاء الدین کی خدمت میں ایک جماعت حاضر تھی اور ہدایت الاولیا نہایت الانبیاء کی بحث ہو رہی تھی یعنی جو اولیاء کا آغاز ہے وہ انبیاء کی انتہا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ اس مقولہ کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کی جو انتہا شریعت میں ہے وہ اولیاء کا آغاز ہے لیکن انبیاء کا جو آغاز طریقت میں ہے وہ اولیاء کی انتہا ہے۔

شریعت کا کمال نبی پر تمام ہو گیا الیوم اکملت لکم دینکم سالک جب تک شریعت کا پابند نہ ہو ولایت میں قدم نہیں رکھ سکتا لہذا نبی کی جو انتہا شریعت میں ہے وہ ولی کے لئے ابتداء ہے اگر کوئی شخص ان احکام پر عمل کرے جو مکہ میں نازل ہوئے اور ان کی طرف توجہ نہ کرے جو مدینہ میں اترے تو وہ ہرگز ولی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ انکار سے کافر ہو جائے گا لہذا شریعت نبی کا کامل اتباع ولی کی پہلی منزل ہے۔ مگر طریقت کا معاملہ

یہ ہے کہ ولی کتنی ہی کوشش کرے اس کی روح کو وہ معراج نہیں حاصل ہو سکتی جو نبی کے جسم کو حاصل ہے ولایت کی انتہا پر روح ولی کو نبی سے کسی قدر مشابہت ہوتی ہے تو یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ اولیا کی انتہا انبیاء کا آغاز ہے۔ حضرت خواجہ بہاءالدین نقشبند فرماتے تھے کہ ولی دو قسم کے ہیں۔ ولی عزلت اور ولی عشرت۔ ولی عزلت کا مرتبہ ندیموں کا ہے جب تک ان کو قربِ حق نصیب نہیں ہوتا وہ بے اختیار ہوتے ہیں اور ولی عشرت کا مرتبہ وزیروں کا ہے۔ حضرت حق نے ان کو اپنا خلیفہ صاحبِ اختیار اور مطلق العنان بنا دیا ہے۔ ان کا حال زوال سے محفوظ ہے مگر تقاضائے ادب یہ ہے کہ اپنے احوال کو شریعت کے مطابق رکھیں۔

گروہ صوفیہ کے لئے ضروری ہے کہ ذرہ برابر بھی مخالفتِ شریعت نہ ہو۔ اور معرفت کے اسرار ظاہر نہ ہونے پائیں۔ شیخ احمد نصر[1] کو ایک بے ادبی کی وجہ سے سال بھر سور چرانا پڑے وہ بڑے مشائخ میں سے تھے۔ ۶۰ حج کئے تھے اور خراسان سے احرام باندھ کر جاتے تھے ایک دن حرم میں حقائق اور اسرارِ معرفت کی ایک عبارت انکی زبان سے نکلی۔ مشائخ نے اعتراض کیا اور اپنی جماعت سے نکال دیا۔ ان کے پیر بغداد میں تھے اسی وقت گھر سے باہر آئے اور خادم سے کہا کہ خراسانی جوان جو ہر سال یہاں آتا ہے اب کی آوے تو خانقاہ میں گھسنے نہ دینا جب احمد بغداد پہنچے اور پیر کے آستانہ پر گئے تو خادم نے کہا۔ شیخ نے فلاں وقت باہر آکر تمہارے داخلہ کی ممانعت

---

[1] نفحات الانس میں ہے کہ کبائر مشائخ سے تھے۔ ابو العباس قصاب اور ابو سعید ابو الخیر کے ہم عصر تھے۔ ۱۲

کی تھی۔ احمد یہ سنکر بے ہوش ہو گئے کئی رات دن تک اسی جگہ پڑے رہے۔ آخر ایک دن پیر کو ترس آیا اور کہا تم نے جو بے ادبی حرم میں کی اس کا کفارہ یہ ہے کہ تم روم جاؤ اور وہاں ایک سال تک خوکبانی کرو۔ دن بھر سور چرانا اور رات کو طرسوس کے مقام پر جس کو کافروں نے مسلمانوں سے چھین کر ویران کر دیا ہے نماز پڑھو مگر خبردار ایک ساعت کے لئے بھی نہ سونا۔ تب شاید تمہارا قصور معاف ہو۔ احمد نے جو صادق الحال تھے حکم کی تعمیل کی اور میعاد پوری کرنے کے بعد دوبارہ بغداد آئے۔ شیخ کے دروازہ پر پہنچے تو خادم نے کہا جلد آؤ آج سات بار شیخ تم کو طلب کر چکے ہیں۔ اتنے میں شیخ خود باہر نکل آئے اور کہا کہ اے احمد تو میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔ اس کے بعد احمد حرم گئے تو وہاں کے مشائخ نے بھی استقبال کیا۔

بعض اولیاء اللہ بے صفت اور بے نشان ہوتے ہیں اور بعضے باصفات ہوتے ہیں۔ اولیاء کی انتہا بے صفتی اور بے نشانی ہے اور اس سے اشارہ کشفِ ذاتی کی طرف ہے جو نہایت بلند مقام ہے جس شخص نے روشِ نبوی کے خلاف طریقہ اختیار کیا وہ کعبۂ مقصود کو نہیں پہنچ سکتا۔ شیخ علاء الدولہ سمنانی شیخ مجد الدین[1] بغدادی سے روایت کرتے تھے کہ انھوں نے حالتِ مراقبہ میں حضرت رسالت پناہ سے پوچھا۔ کہ آپ ابو سینا کے حق میں کیا فرماتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ وہ ایک مرد تھا جس نے میرے وسیلہ کے بغیر خدا تک پہنچنے کا ارادہ کیا اور میں نے اس کو اپنے ہاتھ سے

---

[1] شیخ مجد الدین بغدادی کا احوال کسی قدر تفصیل سے آئندہ اوراق میں نظر آئیگا۔ ان کو بادشاہ خوارزم نے دریا میں غرق کرا دیا تھا اور اس کی سزا میں ملک خوارزم تباہ کیا گیا۔ ۱۲ مترجم

روک دیا یہاں تک وہ آگ میں گر پڑا۔ مولانا جمال الدین حلبی نے یہ شکایت سنکر فرمایا "عجب ہے کہ میں بغداد سے شام کی طرف جاتا تھا اور روم جانے کا ارادہ تھا موصل پہنچا تو ایک رات مسجد میں سو رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک جماعت حلقہ باندھے بیٹھی ہے اور ایک نورانی صورت بزرگ ان کے درمیان ہیں جن کے سر سے نور آسمان تک جاتا ہے وہ بزرگ کلام فرما رہے ہیں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کون ہیں، جواب ملا کہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ میں سامنے گیا اور سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور اسی حلقہ میں بیٹھنے کی اجازت عطا فرمائی میں بیٹھ گیا اور پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ ابی سینا کے حق میں کیا فرماتے ہیں حضور نے فرمایا وہ ایک مرد ہے جس کو حق تعالےٰ نے اس کے علم کے موافق گمراہ کر دیا۔ تب میں نے پوچھا کہ آپ شہاب الدین مقتول کے حق میں کیا کہتے ہیں حضور نے فرمایا "وہ ابی سینا کے تابعوں میں سے ہے۔" اس کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ علمائے اسلام کی بابت بھی پوچھوں۔ میں نے عرض کی کہ آپ فخر الدین رازی کے حق میں کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے کہا "وہ ایک مرد ہے جس پر عتاب کیا گیا۔" تب میں نے پوچھا کہ آپ کا حجت الاسلام غزالی کے حق میں کیا حکم ہے فرمایا کہ "وہ ایک مرد ہے جو مقصود کو پہنچا" تب میں نے پوچھا کہ امام الحرمین کی بابت کیا ارشاد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "وہ ان لوگوں میں سے ہے جنھوں نے میرے دین کی مدد کی۔" تب میں نے سوال کیا کہ ابو الحسن اشعری کی بابت کیا فرماتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ "میں کہہ چکا ہوں اور قول میرا سچا ہے کہ ایمان و حکمت یمن میں ہے۔" میرے پاس ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے ٹوکا کہ ان سوالوں سے کیا فائدہ ہے۔ حضور

سے دعا کی درخواست کرو۔ تب میں نے عرض کی کہ "یا رسول اللہ مجھ کو دعا سکھائیے"۔ آپ نے فرمایا کہ اللھم تب علیّ حتیٰ اتوب واعصمنی حتیٰ لا اعوذ وحبب الیّ الطاعات وکرہ الیّ الخطیات۔

(ترجمہ) اے اللہ مجھ کو توبہ کی توفیق دیجئے۔ اور مجھ کو محفوظ رکھئے تاکہ میں پھر گناہ نہ کروں اور طاعت کو میرے لئے محبوب کیجئے اور گناہوں کو میرے دل کیلئے ناپسند بنائیے"۔ بعد ازاں حضرت نے مجھ سے پوچھا کہ تو کہاں جائے گا میں نے کہا "روم" تو فرمایا کہ الروم ما دخلہ المعصوم" یعنی روم میں کوئی معصوم داخل نہیں ہوا۔

میں اس کے بعد ہشیار ہو گیا اس جگہ ایک غرفہ تھا اور وہاں ایک بزرگ مولانا موفق الدین رہتے تھے جو آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے میں ان کی زیارت کیلئے گیا۔ انھوں نے پوچھا کہ تو کون ہے میں نے کہا "جمال الدین" پوچھا کہاں سے آتا ہے میں نے کہا بغداد سے۔ انھوں نے پوچھا کہاں جائے گا۔ میں نے کہا "روم" تو وہ بولے "الروم ما دخلہ المعصوم" مجھ کو بہت تعجب ہوا اور ان کا دامن پکڑ کے کہا کہ آپ شاید رات کی مجلس میں حاضر تھے۔ انھوں نے کہا مجھ کو چھوڑ دو میں نے ان کو چھوڑ دیا اور واپس چلا آیا۔

اولیا درگاہ حق سبحانہ کے وزرا اور ندیم ہیں وہ خدا کی مرضی کے موافق کام کرتے ہیں اور اپنی مراد سے کوئی تصرف نہیں کرتے وہ اس ملاحظہ میں رہتے ہیں کہ جو کچھ اللہ نے کیا بہتر ہے جو کچھ ظاہر ہوا وہ محض خیر ہے اور ہرگز دم نہیں مارتے کہ یہ ہوا اور وہ نہ ہوا مثلاً وبا اگرچہ ظاہر ابری ہے۔ ہر شخص پر لازم ہے

کہ خدا کے قہر سے پناہ ڈھونڈھے اور دفع وبار کے لئے دعا کرے لیکن کاملین خدا کی مراد قبول کرتے ہیں اور ہرگز نہیں کہتے کہ وبا برطرف ہو۔

"ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست"

سیّد احمد کبیر[1] کے بھانجے ابوالحسن بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے ماموں کی خلوت کے قریب بیٹھا تھا۔ میں نے ان کے پاس کسی کی آواز سُنی، نظر اٹھائی تو دیکھا کہ ایسا شخص بیٹھا ہے جس کو میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ دیر تک وہ دونوں باہم باتیں کر رہے اس کے بعد وہ شخص دیوار کے ایک سوراخ سے باہر نکلا اور بجلی کی طرح ہوا میں غائب ہو گیا۔

میں شیخ کے پاس گیا اور پوچھا کہ یہ مرد کون تھا۔ انھوں نے کہا "تم نے اس کو دیکھا تھا" میں نے اقبال کیا تو وہ بولے کہ وہ ایک شخص ہے جس سے خدائے تعالےٰ بحرِ محیط کی حفاظت کراتا ہے وہ رجال الغیب میں سے ہے تین روز سے اس پر عتاب ہے لیکن اس کو خبر نہیں۔ میں نے کہا یا سیّد اس پر عتاب کی کیا وجہ ہے تو بولے کہ ایک جزیرہ میں تین رات دن مسلسل پانی برستا رہا۔ انکے دل میں خطرہ گزرا کہ کاش یہ پانی آبادی میں برستا اس کے بعد وہ سمجھے اور استغفار کیا لیکن اتنے ہی اعتراض پر معرض عتاب میں آگئے۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے ان کو عتاب کی خبر دی بولے کہ مجھ کو شرم معلوم ہوئی۔ میں نے نہیں کہا۔

---

[1] اسم مبارک احمد ابوالحسن الرفاعی۔ امام موسیٰ کاظم کی اولاد سے تھے۔ سال وفات ۵۷۸ ہے۔ ۱۲

میں نے عرض کی کہ اگر آپ فرمائیں ان کو اطلاع کر دوں۔ انھوں نے کہا اپنا سر گریبان میں ڈالو۔ میں نے تعمیل کی۔ تب میرے کان میں آواز آئی کہ سر اٹھاؤ۔ میں نے سر اٹھایا تو خود کو ایک جزیرہ میں پایا نہایت حیران تھا تھوڑی دور چلا تھا کہ اُسی مرد سے ملاقات ہوئی جن کو خبر کرنے میں آیا تھا۔ میں نے سلام کیا اور وہ قصہ سنایا۔ انھوں نے مجھ کو قسم دی کہ جو کچھ وہ کہیں میں اس کی تعمیل کروں۔ میں نے قسم کھائی تب انھوں نے کہا کہ اس خرقہ کو گردن میں ڈال کر مجھ کو زمین پر گھسیٹو اور منادی کرو کہ یہ سزا اس شخص کی ہے جو خدا کے کام پر اعتراض کرے۔ میں نے خرقہ ان کی گردن میں ڈالا اور چاہتا تھا کہ گھسیٹوں یکایک ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ اس کو چھوڑ دو آسمان و زمین کے فرشتے اس کے حال پر روتے ہیں اور خدا اس سے راضی ہو گیا۔ یہ آواز سنکر میں بے خود ہو گیا جب ہوش آیا تو خود کو اپنے ماموں کے سامنے دیکھا۔ واللہ میں نہیں جانتا کہ میں کیونکر گیا اور کیسے واپس آیا۔

شیخ ابوالمسعود[1] اپنے مریدوں سے کہتے تھے کہ پندرہ برس سے خدائے تعالےٰ نے مجھ کو دنیا میں تصرف کا اختیار دیا ہے لیکن میں نے اس وقت تک کوئی تصرف نہیں کیا حق سبحانہ کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ مالک اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔

---

[1] اسمِ مبارک ابوالمسعود بن الشِل ہے۔ حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی کے اصحاب میں سے تھے۔ نفحات الانس میں بہت تعریف لکھی ہے۔

ہر چہ خواہد میکند پروردگار　　بندہ را در کار مولیٰ نیست کار

اولیاء اللہ اسرار خداوندی سے واقف ہو جاتے ہیں اور جو کچھ عالمِ بالا سے نازل ہوتا ہے وہ فوراً ان سب کو معلوم ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت غوث الثقلین جمعہ کے دن بغداد جا رہے تھے۔ راہ میں ایک بیمار ننگے پاؤں زرد رنگ اور نہایت کمزور ملا اس نے کہا السلام علیک یا عبدالقادر۔ حضرت نے سلام کا جواب دیا تب اس نے کہا کہ "میرے نزدیک آؤ اور مجھکو بٹھا دو۔" آپ نے اس کو بٹھا دیا تو اس کا جسم تازہ ہو گیا۔ صورت درست ہوئی اور رنگ صاف ہو گیا۔ اس سے پوچھا "تو کون ہے۔" وہ بولا "مجھ کو نہیں پہچانتے میں دینِ اسلام ہوں میرا حال وہ ہو گیا تھا جیسا کہ پہلے تم نے دیکھا۔ اب خدائے تعالےٰ نے تمہارے سہارے سے مجھ کو زندہ کیا ہے۔ تم محی الدین ہو یعنی دین کے زندہ کرنے والے۔"

حضرت اس واقعہ کے بعد جامع مسجد پہنچے تو ایک شخص سامنے آیا اور کہا "یا شیخ محی الدین" نماز کے بعد ہر طرف سے لوگوں نے گھیر لیا۔ آپ کے ہاتھ پاؤں چومتے تھے اور شیخ محی الدین کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ حالانکہ اس دن سے پہلے ان کو اس لقب سے کسی نے یاد نہیں کیا تھا۔

حضرت قدوۃ الکبریٰ سید اشرف فرماتے تھے کہ اولیاء کے لئے معراج صوری ممکن ہے اور معنوی بھی دو طرح کی ہوتی ہے۔ پہلی معراجِ معنوی تو وہ ہے جب وہ بُری صفات سے نکل کر صفاتِ محمود تک پہنچتے ہیں اور دوسری معراجِ معنوی وہ ہے جب وہ غیر حق سے قطع نظر کرتے ہیں۔ اس کے بعد درجہ مکانی یعنی معراجِ صوری بھی حاصل ہو جائے تو نقل دیگر کرامات کے کچھ تعجب انگیز نہیں۔

بعض اولیاء شہرت کو دوست نہیں رکھتے اور کہتے ہیں کہ شہرت آفت ہے اور گمنامی راحت۔ اپنا جمال نظر اغیار سے ایسا چھپاتے ہیں کہ خضر علیہ السّلام کو بھی ان کے اسرار پر اطلاع نہیں ہوتی۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں ایک دن شیخ عبدالرزاق حدیث بیان کر رہے تھے مگر ایک شخص ان کی مجلس سے الگ بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت خضر کے اعتراض پر اس نے جواب دیا تھا کہ یہ لوگ عبدالرزاق سے حدیث سنتے ہیں اور میں رزاق سے سنتا ہوں۔ جس سے ثابت ہوا کہ حق سبحانہ کے ایسے مقرب بندے بھی ہیں جن کے مرتبہ کی بلندی حضرت خضر کو بھی معلوم نہیں۔ یہ قصہ مقدمۃ الکتاب میں درج کیا جا چکا ہے۔

لطیفہ تیسرا

معرفت عارف و جاہل

معرفتِ مراتب ظہور یعنی افعال وصفات وذات حق تعالےٰ کو دیکھنا ہے جب معلوم مجمل کو تفاصیل میں دیکھا جائے تو معرفت حاصل ہوتی ہے مثلاً علمِ نحو بتاتا ہے کہ عاملِ لفظی و معنوی کیا عمل کرتے ہیں یہ نحو کا علم بر سبیل اجمال ہے لیکن عربی عبارت پڑھتے وقت بے توقف اور بے ساختہ صحیح طور پر عامل کا استعمال کرے تو یہ نحو کا علم صورت تفاصیل میں ہے۔ یہ جاننا کہ موجود حقیقی اور فاعلِ مطلق حق سبحانہ ہے۔ علمِ توحید بر سبیل اجمال ہے لیکن نفع و نقصان قبض و بسط عطا و منع کو بے توقف اور بغیر فکر کے حق تعالےٰ کی طرف منسوب کرنا علم توحید

تفاصیل ہیں ہے عارف ایک آئینہ ہے جس میں سوائے حق تعالےٰ کے کچھ ظاہر نہیں ہوتا اگر اول دہلہ میں غفلت ہو تو تھوڑی ہی دیر میں خیال درست ہو جاتا ہے۔ اور رابطہ اور واسطہ کا فاعلِ مطلق خدا کو جان لیتا ہے ایسے شخص کو مُتَعرِّف کہتے ہیں۔ مگر عارف وہ ہے جس کو ایک لحظہ کے لئے بھی غفلت نہ ہو اور وہ ہر فعل میں حقِ تعالےٰ کا مشاہدہ کرے اگر بالکل غافل ہو اور سب افعال کو وسائط کے حوالہ کرے تو وہ مشرکِ خفی ہے مثلاً کوئی شخص توحید کی تقریر کرتا اور عارف بنتا ہو دوسرا کہے یہ معرفت کی گفتگو وجد و حالت سے نہیں ہے بلکہ فکر کا نتیجہ ہے۔ تو اس کو غصہ آجائے اور یہ نہ سمجھے کہ اس کی رنجش منکر کے قول کی عین تصدیق ہے۔ کیونکہ اس کا حال سچا ہوتا تو وہ انکار کرنے والے کی صورت میں بھی فاعلِ مطلق کو دیکھتا اور معترض پر غصہ نہ کرتا۔

صاحبِ فصوص نے لکھا ہے کہ عارفوں کے مختلف مراتب ہیں۔ بعض عقل سے شناخت کرتے ہیں۔ فعل پر فاعل سے اور موجودات پر پیدا کرنے والے سے دلیل لاتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ واردات اور تجلیات سے حق تعالےٰ کی معرفت حاصل کرتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ حق کو حق سے پہچانتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے رب کو رب سے پہچانا اس شناخت کی مثال آفتاب کی روشنی سے آفتاب کو دیکھنا ہے لیکن جو سالک حق کی طلب عقل سے کرے تو وہ چراغ لے کر آفتاب کو ڈھونڈھتا ہے۔ بعض اہلِ کشف نے کہا ہے ما رایت شئیاً الا رایت اللہ فیہ یعنی نہیں دیکھی میں نے کوئی چیز مگر دیکھا اللہ کو اس میں۔ ابو یزید کا قول ہے کہ میں نے خدا کو خدا سے شناخت کیا اور ماسوائے خدا کو نورِ خدا سے پہچانا۔

عارف کو چاہیئے کہ کائنات کے تمام مظاہر میں انوار الٰہی کا مشاہدہ کرے اگر کوئی نفع پہنچے تو یہ سمجھے کہ "اسم النافع" کی تجلی مجھ کو نفع پہنچاتی ہے۔ شکرانہ بجالادے اور نقصان یا تکلیف پہنچے تو جانے کہ "اسم الضار" کی تجلی ہے جو مجھ کو ضرر پہنچا رہی ہے صورتاً ضرر ہو مگر معنی میں نفع ہی نفع ہے۔

سلطان نظام الدین کے ایک مرید دہلی سے دو منزل کے فاصلہ پر ایک گاؤں میں رہتے تھے اور حضرت کے ارشاد کے مطابق سلوک کی منزلیں طے کرتے تھے اتفاقاً ایک وقفہ پیش آیا اور وہ کسی طرح دور نہ ہوتا تھا پیر مرشد کی خدمت میں آئے۔ حضرت نے مناسب تدبیروں سے وہ تردد رفع کرادیا خوش ہوکر واپس گئے ایک مدت کے بعد دوسرا حجاب سامنے آیا پھر خدمت میں حاضر ہوئے حضرت نے بہت علاج کیا مگر وہ مرض دور نہ ہوسکا تب فرمایا کہ تم صبر کرو مفتح الابواب کوئی راستہ تمہارے لئے نکالے گا مرید مایوس ہوکر اپنی گھر کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں ایک مسجد میں قیام کیا اس کی چھت پر چند جوان بیٹھے ہوئے خربوزہ کھا رہے تھے اس صوفی کو دیکھکر بطور مذاق کے خربوزہ کے چھلکے ان کی طرف پھینکنے لگے مگر جو چھلکہ ان کے جسم پر پڑتا تھا ایک عقدہ حل ہوجاتا تھا یہاں تک کہ ان کا تردد بالکل دفع ہوگیا اور وہ شکرانہ بجالائے۔

عارف "اسم القہار" کی تجلی دیکھے تو مناسب ہے کہ "اسم الحفیظ" یا "اللطیف" کی تجلی سے پناہ لے خوب سمجھے کہ حق تعالےٰ نے اس صورت "القہار" میں تجلی کی ہے۔ اور نامناسب جرأت ہرگز نہ کرے۔ شیخ عبداللہ[1] بلیانی کے ایک مرید کوہستان

---

[1] لقب اوحدالدین تھا۔ شیخ ابوعلی دقاق کی اولاد میں تھے سلسلۂ شہروردیہ کے مشاہیر میں شمار ہے سال وفات ۶۸۶ھ ہے - ۱۲

میں رہتے تھے۔ ایک کالا سانپ ان کے سامنے آیا۔ انھوں نے اس کے پکڑنے کا ارادہ کیا اس نے کاٹ کھایا اور مرید کے اعضاء پر ورم آگیا بعض لوگ ان کو اٹھا کر شیخ کے پاس لے گئے۔ شیخ نے کہا کہ تو نے سانپ کو کیوں پکڑا۔ جو اس نے کاٹ کھایا وہ بولے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ غیر خدا کچھ نہیں ہے۔ میں نے اس کو غیر خدا نہیں سمجھا اور پکڑنے کا ارادہ کیا۔ شیخ نے فرمایا کہ جب حق کو بلباس قہر میں دیکھو تو بھاگو اور اس کے نزدیک نہ جاؤ ورنہ تم جس تکلیف میں ہو اسی میں پڑے رہو۔ بعد ازاں شیخ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا آئندہ ایسی گستاخی نہ کرنا پھر دعا پڑھ کر پھونکی تو ورم دور ہوا اور مرید نے شفا پائی۔

اسی بنیاد پر اگلے وقت کے بعض بزرگ خواجہ منصور حلاج کے کمال میں نقصان اور قصور بتاتے تھے کیونکہ انھوں نے شریعت کی رعایت نہیں کی اور اسم القہار کی تجلی سے اسم لطیف کی پناہ نہیں ڈھونڈھی شیخ عبداللہ بلیانی زاہد ابوبکر کے پاس جو ایک مرد عارف و کامل تھے گئے زاہد نے پوچھا کہ تم کہاں تھے اور کیا لائے۔ انھوں نے کچھ جواب نہ دیا تھوڑی دیر کے بعد زاہد نے پوچھا کہاں سے آتے ہو۔ شیخ نے کہا کہ خانہ خدا سے آتا ہوں۔ زاہد خفا ہوئے تو شیخ نے کہا کہ میں غیر خدا نہیں ہوں زاہد بولے کہ تو نے منصور کی بات پھر نکالی۔ شیخ نے کہا کہ میں ایک آہ سے منصور کے سے دو لاکھ بنا سکتا ہوں۔ زاہد بہت خفا ہوئے اور اپنا عصا ان کی طرف پھینکا۔ شیخ نے اس جگہ سے جست کی اور وار خالی گیا زاہد نے گالیاں دینا شروع کیں اور کہا کہ منصور کو سولی دے دی گئی۔ مگر انھوں نے بھاگنے کا ارادہ نہیں کیا تو ایک عصا سے ڈرتا ہے۔ شیخ نے جواب دیا کہ منصور کا نہ بھاگنا ان کی ناتمامی کی دلیل ہے۔ ورنہ ضرور بھاگتے کیونکہ خدائے تعالیٰ

کے نزدیک سب ایک ہے زاہد بولے کیا تو گھاس کھا گیا ہے؟ شیخ نے کہا ہاں حقیقت کی چراگاہ سے گھاس کھائی ہے" زاہد خوش ہو گئے اور فرمایا کہ خوب کھاؤ اور میرے سجادہ پر آکر بیٹھو مگر تم نے جو کہا کہ منصور کا نہ بھاگنا ان کی ناتمامی سے تھا۔ اس کی کیا دلیل ہے۔ شیخ نے کہا کہ جو شہسواری کا دعویٰ رکھتا ہو اگر لگام اس کے ہاتھ سے چھوٹ جائے اور گھوڑے کا سر پکڑ کر گھوڑے کو روک لے تب بیشک وہ سوار چالاک اور ہوشیار کہا جائے گا۔ لیکن گھوڑے کو نہ روک سکا تو اس کی استادی کا دعویٰ غلط ہو یہی معاملہ منصور کا سمجھنا چاہیئے۔ زاہد نے تصدیق کی اور کہا کہ تم بڑے صاف کہنے والے ہو۔

خواجہ بہاء الدین نقشبند نے فرمایا کہ جس شخص نے معرفت کا دعویٰ کیا اور دولتمندوں کے سامنے عاجزی نہ کی وہ دروغ گو ہے کیونکہ عارف جب توحید حقیقی تک پہنچتا ہے اور وحدت کو کثرت میں دیکھتا ہے تو وہ جانتا ہے کہ سوائے جمال وکمال محبوب کے اور کچھ ظہور نہیں ہے لہذا دولت مندوں کے حضور میں سر تسلیم خم نہ کیا تو اس معرفت سے غافل ہو گیا کہ غنی حضرت حق کے جمال وکمال کا مظہر ہے۔ حدیث میں ہے من تواضع غنیا لغناہ فقد ذھب لہ ثلثا دینہ یعنی جس شخص نے غنی کی تواضع کی بہ سبب اس کی غنا کے تو اس کا دو تہائی دین جاتا رہا۔ اس حدیث کا ظاہری مضمون قول سابق کے خلاف معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت مخالفت نہیں" لغناہ" کی ضمیر غنی کی طرف راجع ہے۔ نقصان اس وقت ہے جب دولت کو اس غنی کی طرف منسوب کرے مگر جانتا ہو کہ غنا صرف حق کے لئے ہے اور دولت مند کی غنا دراصل غنائے حق ہے تو اس کے سامنے عاجزی کرنا ضروری ہے۔

غنی مطلقاً در جہاں کردگار غنا جائے دیگر بود مستعار

عارف کو فتوح نصیب ہو تو سمجھے کہ اس دینے والے کی صورت میں درحقیقت حق تعالٰے ہے۔ ہرات میں ایک بادشاہ کافور نام تھا اس نے شیخ اسلم طوسی کو ایک خط لکھا اور کچھ سونا بطور نذر کے بھیجا۔ شیخ نے قبول نہ کیا اور یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ مجھکو اس کی حاجت نہیں جن لوگوں سے تو نے زبردستی چھینا ہے ان کو دیدے۔ کافور نے جواب میں لکھا کہ "اے مرد میں اموال کو سختی سے وصول کروں یا نرمی سے تیرا اس میں کیا دخل ہے تو نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ اللہ کے واسطے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمینوں میں ہے اور اس کے درمیان ہے۔

وللہ ما فی السموات وما فی الارض وما بینھما اب بتا کہ کافور کہاں ہے اور تو نے حق سے کیوں نہیں قبول کیا۔ شیخ عبداللہ[1] انصاری کہتے تھے کہ کافور کی یہ معرفت اسلم طوسی کی ستر سال کی عبادت سے بڑھکر ہے۔ اگلے وقتوں کے بادشاہ باوجود کمال شوکت کے خود کو سوائے مظہر قضا و قدر کے کچھ نہیں جانتے تھے۔ اپنی عظمت و حشمت کو اسمائے حق کا ظہور تصور کرتے تھے۔ آج کل درویش بھی جو خود کو توحید میں مستغرق سمجھتے ہیں ان بادشاہوں کا سا یقین نہیں رکھتے۔ امیر تیمور شہر سبزوار سے سمرقند جا رہے تھے اور پانچسو امیر و رئیس ان کے ہمراہ تھے۔ ایک مقام پر گھوڑے سے اترے اور تھوڑی دور تک پیادہ چلنے کا قصد کیا۔ امیر تیمور لنگڑے تھے دو غلاموں نے سہارا دیا تب وہ چلنے کے قابل ہوئے کچھ فاصلہ

---

[1] ابو اسماعیل عبداللہ بن ابی منصور انصاری ہروی شیخ الاسلام کے لقب سے مشہور ہیں نفحات الانس اور لطائف اشرفی میں ان کے بہت اقوال درج ہیں۔ بڑے بلند مرتبہ بزرگ تھے۔ ۱۲

طے کرنے کے بعد امیر نے غلاموں سے کہا ہٹ جاؤ میں بغیر سہارے کے چلوں گا۔ غلاموں نے چھوڑ دیا۔ امیر منہ کے بل گر پڑے پھر اٹھایا" امیر نے کہا کہ چھوڑ دو میں خود چلوں گا" چھوڑ دیا پھر گر پڑے۔ جب تین بار یہی معاملہ درپیش آیا تو امیر نے سرداروں کی طرف رُخ کرکے کہا کہ تیمور اپنی طاقت سے دو قدم بھی نہیں چل سکتا ہے اور یہ سب شوکت جو تم دیکھتے ہو حق تعالےٰ کے عظمت وجلال سے ہے۔ میرا اس میں کچھ دخل نہیں اور میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

خواجہ بہاء الدین نقشبند سے منقول ہے کہ کل کائنات مظہر اسماء واوصاف خداوندی ہے لیکن بادشاہوں کی مظہریت بالکل صاف ہے اور اپنے مقاصد ہر وقت حاصل کرسکتے ہیں اور مرادات پوری کرنے کے لئے زیادہ وسائط کی احتیاج نہیں رکھتے وہ اللہ کے "امر تکوینی" کے مظہر ہیں۔ ان کے سامنے خضوع وانکسار کرنا چاہیئے اور ان کے آداب کی رعایت ہر عارف پر لازم ہے۔

حضرت سید اشرف فرماتے تھے کہ عارف رفتار گفتار کردار میں طرفۃ العین کے لئے نسبت سے غافل نہیں ہوتا بلکہ کھانے اور سونے میں بھی اس کو غفلت نہیں ہوتی کمال اس کو کہتے ہیں کہ تمام کام اختیار اور ارادے سے صادر ہوں۔ اگر افعال بغیر اختیار اور ارادے کے ہوں تو نقصان ہے وہ خود سمیع وبصیر متکلم موجد ہو ظہور تمام صفاتِ ذاتیہ وفعلیہ میں اور یہ تمام صفات ہمیشہ قائم رہیں بے ابتدا اور انتہا کے اگر کسی وقت ان صفات کا اثر جاتا رہے تو وہ کمال میں نقص کہا جائے گا اور اللہ تعالےٰ کے کمال میں کس کو کلام ہوسکتا ہے۔

حق تعالےٰ کسی بندے کو معرفت نصیب کرتا ہے تو اسی مقدار سے بلا بھی نازل

کرتا ہے تاکہ اس کے تحمل و برداشت کی قوت معرفت سے حاصل ہو۔

جس شخص کو معرفت کم ملی اور اس نے اپنی معرفت کے مطابق کام کیا تو اللہ اس کا درجہ بڑھاتا ہے۔ معرفت کے خلاف کام کیا تو اس کی معرفت سلب نہیں ہوتی۔ لیکن زیادتی نہیں ملتی۔ جس بندہ کو حق تعالٰے نے معرفت عطا کی ہو اس کو مناسب نہیں کہ اپنے دل میں کسی غیر کے خیال کو دخل دے اور جس گھر میں فاعلِ مطلق کی شناخت موجود ہو اس میں کھوٹی پونجی رکھے۔

شیخ ابوالعباس یزیدی کہتے تھے کہ وہ اور شیخ عبداللہ فرغانی بازار جارہے تھے اور شیخ عبداللہ نے اپنے چھوٹے بچے کے لئے ایک شیشی قارورہ کی خرید کی تھی راہ میں ایک جماعت صوفیوں کی ملی سب حضرات ایک جگہ بیٹھ گئے۔ شکر اور دودھ خرید کیا کوئی برتن نہ تھا جس میں دودھ پیتے وہ شیشی نئی تھی۔ لہذا اس میں دودھ لیا اور سب نے پیا جب وہ لوگ متفرق ہو گئے۔ میں اور عبداللہ وہاں سے روانہ ہوئے۔ شیشی عبداللہ کے ہاتھ میں تھی۔ واللہ میں نے اور عبداللہ دونوں نے سُنا کہ اس شیشی سے آواز آئی "اولیاء اللہ نے مجھ میں کھایا ہے اور اب میں پیشاب اور نجاست کی جگہ نہیں بن سکتی خدا کی قسم ایسا نہ ہوگا۔" وہ عبداللہ کے ہاتھ سے چھوٹی اور زمین پر گر کر ٹکڑے ہو گئی۔ اس واقعہ سے ہم سب پر عجیب حالت پیدا ہو گئی۔ میں نے عبداللہ سے کہا کہ تم شیشی کی نصیحت نہیں سمجھے اس کے الفاظ کا مطلب وہ نہیں ہے جو تمہارے خیال میں آیا ہے۔ ہزاروں برتن ہیں جن میں تم سے بہتر لوگوں نے کھایا ہے پھر بھی وہ نجس ہوئے۔ اس قول سے شیشی کا مقصود یہ ہے کہ تمہارا دل خدا کی معرفت کا گھر ہے۔ اس میں اغیار کو جگہ نہ دو اور جن امور کو خدا تعالٰے نے منع کیا ہے وہ اس پاک گھر میں نہ

داخل ہوں اور شیشی نے ٹوٹ کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ حق سبحانہ کے سامنے ایسا ہی شکستہ خاطر ہونا چاہیئے۔ عبداللہ نے کہا سچ کہتے ہو۔ میں اس مطلب سے غافل تھا۔

سہیل بن عبداللہ تستری سے منقول ہے کہ خدا تعالےٰ کے نزدیک مومن کے دل سے زیادہ عزیز کوئی مکان نہیں کیونکہ معرفتِ حق سے بڑھ کر کوئی عطا نہیں اور اس عزیز عطا کے لئے مکان بھی عزیز ترین بنایا ہے۔ کوئی مکان خدا کو دل سے زیادہ عزیز ہوتا تو اپنی معرفت کو اس گھر میں جگہ دیتا بڑی کم ہمتی ہے کہ جو مکان خدا کو سب سے زیادہ عزیز ہو وہ غیر حق سے مشغول کیا جائے اللہ تعالےٰ کی نظر دل پر ہو اور اس کے نظارہ کی جگہ غیر کا ٹھکانہ بنے۔ عارف وہ ہے جس کو کوئی شئی تاریک نہ کر سکے بلکہ سب امور اس کے روشن ہو جائیں۔

سید اشرف فرماتے تھے کہ دل میں عرفان کی بنیاد اور معرفت کا لباس اگرچہ ریاکاری سے ہو۔ سب امور سے بہتر ہے۔ ریا عارفین مریدوں کے اخلاص سے افضل ہے ایک بزرگ کا قول ہے کہ معرفت ہزار سال کی عبادت پر فضیلت رکھتی ہے سید الطائفہ کا قول ہے کہ عابد بغیر معرفت کے مثل پن چکی کے گدھے کے ہے جو نہیں جانتا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔

شریف عقیلی کہتے تھے کہ عارفوں کی عمدہ علامت یہ ہے کہ ان کو تمام عالم کی خبر رہتی ہے۔

ابن البرقی بیمار تھے لوگ شربت ان کے لئے لائے انھوں نے نہ پیا اور کہا کہ مکہ میں حادثہ ہو گیا ہے جب تک معلوم نہ ہو جائے کہ وہاں کیا افتاد ہوئی میں کچھ

نہیں پیوں گا۔ تیرہ دن انھوں نے کچھ نہیں کھایا اس کے بعد خبر آئی کہ قرامطہ نے حرم پر چڑھائی کی تھی۔ سینکڑوں آدمی قتل کئے اور حجر اسود توڑ ڈالا جب یہ تفصیل معلوم ہو گئی تو انھوں نے نہار شکنی کی۔

ابو عثمان مغربی نے یہ قصہ سنکر ایک بزرگ سے کہا کہ یہ کوئی بڑا کام نہ تھا بات جب ہے کہ یہ بتاؤ آج مکہ میں کیا ہو رہا ہے۔ بزرگ نے جواب دیا کہ آج مکہ میں تلوار چل رہی ہے۔ طلحیوں اور بصریوں میں لڑائی ہے۔ طلحیوں کا سردار سیاہ رنگ کے گھوڑے پر سوار ہے اور لال رنگ کی دستار باندھے ہے۔ چند روز بعد اُدھر سے مسافر آئے اور اس خبر کی لفظ بہ لفظ تصدیق کی مگر عارف کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ بالعموم ہر وقت آگاہ رہے۔ بندہ پر بار اتنا ہی ڈالا جاتا ہے جتنا وہ برداشت کر سکے۔ خداوند تعالیٰ اپنے غیب پر کسی شخص کو غالب نہیں کرتا۔ اور کوئی بشر عالم الغیب نہیں ہو سکتا ؎

دانش جزو کل عادت اوست　　　عالم الغیب والشہادت اوست

احمد بن حسین بن منصور حلاج سے منقول ہے کہ انھوں نے اپنے والد سے آخری رات کو عرض کی کہ مجھکو وصیت کیجئے تو انھوں نے کہا کہ اپنے نفس کو شغل میں ڈالو قبل اس کے کہ وہ تم کو شغل میں ڈالے۔ احمد نے کہا کچھ اور فرمایئے" کہا جس وقت تمام عالم تمہاری خدمت کی کوشش کرتا ہو تم اس چیز کی کوشش کرو جس کا ایک ذرہ بھی تمام دنیا کے اعمال سے بہتر ہو۔" بیٹے نے کہا کہ وہ کیا ہے تو فرمایا کہ "حق تعالےٰ کی معرفت۔"

محمد[1] بن یوسف عشاء کی نماز پڑھکر پہاڑ کی طرف چلے جاتے تھے اور صبح تک

---

[1] آپ کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ تین سو شیوخ سے حدیث سنی تھی۔ حضرت جنید قدس سرہٗ کے ہم عصر تھے اور وہ بھی ان کے فضل و کمال کے قائل تھے

وہیں رہتے تھے دعا مانگتے تھے کہ خداوندا مجھے اپنی معرفت عطا کیجئے یا پہاڑ کو حکم دیجئے کہ میرے سر پر گر پڑے میں آپ کی شناسائی کے بغیر زندگی نہیں چاہتا جب وہ مکہ پہنچے تو بعض بزرگ مقام ابراہیم میں بیٹھے تھے یہ بھی ان کے نزدیک بیٹھ گئے۔ قاری نے پڑھنا شروع کیا جب اس نے کہا "بسم اللہ الرحمن الرحیم" ان کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ فریاد کرنے لگے۔ بزرگوں نے قاری کو خاموش کیا اور ان سے پوچھا کہ قاری نے ایک آیت بھی نہیں پڑھی تمہیں کیا ہو گیا جو فریاد کرنے لگے کیا بسم اللہ کے تم کوئی خاص معنی سمجھے جس پر تمہیں وجد ہو گیا۔ انھوں نے کہا کہ "بسم اللہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے نام پر زمین و آسمان قائم ہوئے اور ہر چیز اس کے نام سے قائم ہے بس اس کا نام سننے کے لئے کافی ہے۔" سب بزرگوں نے ان کی عزت کی اور اپنے پاس بٹھایا وہ مکہ میں یہی دعا مانگتے تھے کہ یا رب مجھے اپنی معرفت عطا کیجئے یا میری جان لیجئے۔ آپ کی شناخت کے بغیر مجھ کو زندگی کی حاجت نہیں۔ خواب میں بشارت ہوئی کہ معرفت چاہتے ہو تو مہینہ بھر روزہ رکھو کسی سے بات نہ کرو اس کے بعد چاہ زمزم کے پاس جا کر اپنی مراد مانگو۔ انھوں نے مہینہ بھر تک روزہ رکھا بعد ازاں زمزم کے قریب جا کر دعا مانگی۔ کنویں سے آواز آئی کہ اے ابن یوسف دو کاموں میں سے ایک اختیار کر دیا تو علم کو پسند کرو۔ اس کے ساتھ دولت دنیا ملے گی یا معرفت قبول کرو۔ اس کے ساتھ فقر و فاقہ ہوگا۔ انھوں نے معرفت قبول کی تب کنویں سے آواز آئی کہ تجھ کو دی گئی دی گئی۔"

حضرت جنید بغدادی نے ایک خط میں شیخ علی اصفہانی کو لکھا کہ اپنے مرشد سے پوچھو ان پر کیا چیز غالب ہے۔ مرشد نے جواب لکھوایا واللہ غالب علی امرہ۔ یعنی اللہ ہر کام پر غالب ہے۔ یہ مرشد یہی محمد بن یوسف تھے جن کا سطور بالا میں تذکرہ کیا

گیا۔ جواب کا مطلب یہ ہے کہ اللہ مجھ پر متصرف ہے اور کسی دوسرے حال کا غلبہ نہیں ہے۔

بزرگوں کا قول ہے کہ عالم تم کو سرکہ اور حنظل چکھاتا ہے لیکن عارف مشک و عنبر کی خوشبو سنگھاتا ہے۔ علماء ظاہر احکام تکلیفی بیان کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کی طرف سرکہ اور کڑوے پھل سے اشارہ کیا مگر ارباب عرفان حیات حقیقی کا سرچشمہ ہیں۔ ان کے احوال سے دوسروں کو جمعیت باطن حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کی صحبت میں مشک و عنبر کی تاثیر ہے۔ زاہدوں کو عارفوں سے وہ نسبت ہے جو ذرہ کو آفتاب سے ہے کیونکہ زاہد کا مقصود آخرت کی نعمتوں سے محظوظ ہوتا ہے لیکن عارف کی خواہش تجلیات مولیٰ ہے اس میں زاہد کے مطلوب میں بڑا فرق ہے۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔

جعفر خلدی[1] سے لوگوں نے پوچھا کہ عارف کون لوگ ہیں۔ جواب دیا کہ عارف وہ ہیں جو نہیں ہیں۔ اگر وہ ہیں تو عارف نہیں ہیں۔ عارف کا دل آئینہ ہوتا ہے جب اس طرف نظر ڈالتا ہے تو اللہ کو دیکھتا ہے۔ اللہ کی ذات میں گفتگو جہالت ہے۔ اور حقیقت و معرفت میں کلام موجب حیرت ہے۔ کیونکہ رب کی معرفت میں کلام موجب حیرت ہے۔ کیونکہ رب کی معرفت رب ہی کو ہو سکتی ہے۔ دوسرے اس کام سے عاجز اور متحیر ہیں اور اس کی ذات کی طرف اشارہ کرنا شرک خفی ہے۔ کیونکہ اشارہ کرنیوالا دوسرا ہونا چاہیئے اور سوائے حق کچھ ہے نہیں جو کچھ ہے وہی ہے اور سب بہانہ ہے الا کل شئی ماخلا اللہ باطل یعنی جو کچھ سوا خدا کے ہے وہ باطل ہے۔

---

[1] حضرت جنید کے شاگرد اور صاحب تصانیف تھے ۳۴۸ھ میں وفات ہوئی۔ ۱۲

لطیفہ چوتھا

معرفت صوفی و ملامتی وغیرہ

صوفی وہ ہے جو حق تعالےٰ کے صفات سے موصوف ہو یعنی اس کی صفات کا نمونہ ہو سوائے واجب الوجود اور قدیم ہونے کے کیونکہ اس صفت کا نمونہ کسی مخلوق میں نہیں ہو سکتا۔

ترجمۂ عوارف میں ہے کہ بنی آدم کے طبقات تین ہیں۔ پہلا طبقہ واصلین وکاملین کا ہے وہ درجہ اعلیٰ ہے۔ دوسرا طبقہ سالکین کا ہے وہ درجۂ وسطیٰ ہے تیسرا طبقہ مقیمان ناقصان ہے وہ سب سے نیچے ہے۔ کاملین مقربون اور سابقون میں ہیں۔ سالکین ابرار واصحاب میں ہیں اور مقیم اشرار واصحاب شمال ہیں۔ اہلِ وصول بعد انبیاء علیہم السلام کے دو گروہ ہیں۔ اول مشائخ صوفیہ جو رسول علیہ السلام کی کامل پیروی کر کے مرتبہ وصول تک پہنچے۔ اور ہدایتِ خلق کے لئے مامور ہوئے۔ دوسرا گروہ کامل غیر مکمل کا ہے جو مرتبہ وصول تک پہنچے مگر ہدایتِ خلق ان کے سپرد نہیں کی گئی اور عوام کو ان کے احوال کی خبر نہ ملی

متصوفہ وہ جماعت ہے جس نے نفس کی بعض صفات سے نجات پائی کچھ احوال صوفیوں کا حاصل ہوا مگر بعض اوصاف مذمومہ نفس باقی رہنے کی وجہ سے درجۂ کمال تک نہیں پہنچے۔ ملامتیہ وہ طائفہ ہے جو صدق اور اخلاص کی بے حد کوشش میں اپنی عبادت کو خلق کی نظر سے چھپانا ضروری سمجھتے ہیں سب نیک اعمال بجالاتے ہیں لیکن ہر وقت اخلاص کی فکر رہتی ہے۔ گنہگار کو خطا ظاہر ہونے کا جتنا خوف ہوتا ہے

اتنا ہی ان کو اپنی عبادت کے ظاہر ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ سید اشرف فرماتے تھے کہ ملامتیہ وہ ہے جو نیکی نہ ظاہر کرے اور نہ بدی۔

شیخ اکبر کا قول ہے کہ ملامتی وہ ہیں جو باطن کا اثر ظاہر نہ ہونے دیں۔ اخلاص اور صدق کا مزہ مل گیا تو نہیں چاہتے کہ ان کے حال وجمال واعمال واقوال سے کوئی مطلع ہو۔ سید اشرف کی روم میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی جس کے مذہب کا راز نہ کھلتا تھا اور نہ ان کی عبادت کا پتہ چلتا تھا بعد کو معلوم ہوا کہ وہ اولیاء اللہ کے زمرہ میں منسوب تھا۔

ملک سبزوار میں ایک نوجوان نظر پڑا جس کے پہلو میں ایک خوبصورت عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ صراحی سامنے رکھی تھی گزک کا سامان موجود تھا اور وہ اشعار پڑھ رہا تھا۔ پہلے یہ خیال ہوا کہ یہ لہو ولعب میں مشغول ہے۔ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ عورت اس کی منکوحہ تھی اور صراحی میں شربت گلاب تھا۔

گروہ ملامتیہ شریف الحال ہوتے ہیں۔ لیکن حجاب وجود ان کی نظر سے کامل طور پر دور نہیں ہوا۔ ورنہ اپنے اعمال کو نظر خلق سے چھپانے کی کوشش نہ کرتے برخلاف اس کے صوفیہ کاملین بحر توحید میں غرق ہو جاتے ہیں خلق کا حجاب ان کی نظر سے دور ہو جاتا ہے وہ اپنی عبادت کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتے۔ طاعت کا اظہار مصلحت وقت ہو تو کرتے ہیں اور اخفا مناسب حال ہو تو چھپاتے ہیں۔

طالبانِ آخرت کے چار گروہ ہیں۔ زاہد۔ فقیر۔ خادم اور حامد۔ زاہد نور ایمان سے جمالِ آخرت کا مشاہدہ کرتے اور دنیا سے نفرت کرتے ہیں۔ زاہد اور صوفیوں میں یہ فرق ہے کہ زہاد حظِ نفس کے لئے بہشت کی تمنا کرتے ہیں۔ لیکن صوفی جمال ازلی کا مشاہدہ

چاہتے ہیں اور دنیا کی طرح عاقبت سے بھی رغبت نہیں رکھتے۔

۲۔ فقیر وہ ہیں جن کے پاس دنیا کا اسباب اور مال نہ ہو اور فضل خدا کے طلب میں سب کو ترک کر دیا ہو یہ ترک خواہ تخفیف حساب کے لئے ہو کیونکہ حلال پر حساب ہے اور حرام پر عذاب۔ یا ثواب کثیر حاصل کرنے کے لئے ہو کیونکہ جنت میں فقرار دولتمندوں سے پانچسو سال پہلے داخل ہوں گے یا اطمینان اور فراغت کی خاطر سے ہو تاکہ دنیا کے بکھیڑوں سے نجات رہے اور عبادت کے لئے زیادہ وقت ملے وہ بھی بہشت کے طالب ہیں اور حظِ نفس چاہتے ہیں لیکن ملامتیہ اور متصوفہ طالب حق ہیں اور قربِ خداوندی کے طلبگار ہیں۔

صوفی کا مرتبہ فقرار سے بلند ہے کیونکہ وہ مقام فقر سے ترقی کر کے مرتبۂ صفات تک پہنچتا ہے۔ تمام اعمال و احوال سے اپنی نسبت قطع کر لیتا ہے کوئی عمل، کوئی حال کوئی مقام اپنی طرف منسوب نہیں کرتا بلکہ خود کو بھی نہیں دیکھتا اس کا نہ وجود ہوتا ہے نہ ذات نہ صفت اور یہی حقیقی فقر ہے۔ جس کی طرف مشائخ نے اشارہ کیا ہے۔ ورنہ پہلے جو تعریف فقر کی گئی ہے وہ فقر رسمی ہے حقیقی فقر نہیں ہے۔

شیخ عبداللہ خفیف کا قول ہے کہ فقر کے معنی عدم املاک اور احکام صفت سے باہر نکل جانے کے ہیں۔ صوفی کا فقر و غنا کی بابت کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔ اس کا ارادہ عین ارادۂ حق ہے۔

فقیر کا لقب اس شخص کو سزاوار ہے جس میں تین وصف ہوں اول یہ کہ پیوند درست لگا سکے۔ دوسرے کلام صحیح کہہ سکے اور سُن سکے۔ اور تیسرے یہ کہ زمین پر صحیح طور سے قدم رکھ سکے۔ پیوند درست لگانے کا یہ مطلب ہے کہ اس کی گفتگو حال

سے بےہنر نہ ہو اور قدم صحیح رکھنے کا یہ مقصود ہے کہ غلبۂ حال سے وجد میں پاؤں اٹھائے کھیل کود نہ کرے۔

اس گروہ کے لئے ضروری ہے کہ خود کو فقر کے لباس سے آراستہ رکھے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر اختیار کیا۔ اور فقراء پر اعتراض نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اصحابِ صفہ میں سے کوئی صحابی مجلس میں حاضر ہوتے تو کسی دوسرے کی طرف توجہ نہیں فرماتے تھے۔ دولت کو فقر پر فضیلت حاصل ہوتی تو پیغمبر صاحب فقراء کو افضل کیوں قرار دیتے۔

آداب المریدین میں ہے کہ فقراء کو دولت مندوں پر فضیلت اس وقت ہے جب ان کا فقر رضائے حق کے لئے ہو۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے الید العلیا خیر من الید السفلیٰ یعنی اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے افضل ہے۔ اور اس سے ظاہراً دولتمند کی فضیلت کا شک ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہ فضیلت سخاوت اور بخشش کی ہے نہ کہ دولتمندی کی۔ اگر کوئی شخص کہے کہ گناہ کو عبادت پر فضیلت ہے کیونکہ گناہ کے بعد توبہ کی توفیق ہوتی ہے اور توبہ بڑی نعمت ہے تو یہ فضیلت توبہ کی ہے نہ کہ گناہ کی۔

فقر بغیر زہد کے بھی ممکن ہے مثلاً کوئی شخص دنیا ترک کرے لیکن اس کی طرف رغبت باقی رہے اسی طرح زہد بھی بغیر فقر کے ممکن ہے مثلاً کسی کے پاس اسبابِ عیش ہوں مگر ان کی طرف رغبت نہ رکھے۔ خداوند تعالےٰ جن اولیاء کو نظرِ اغیار سے مخفی کرنے کے لئے پردۂ عزت سے ڈھانکتا ہے تو ان کو دولت کا لباس پہناتا ہے تاکہ اہلِ ظاہر ان کو دنیا دار سمجھیں۔ اور ان کے کمال سے ناواقف رہیں ورنہ

در حقیقت فقر و زہد صوفی کا وصفِ خاص ہے اور اس کے حال کے لئے لازم ہیں۔ شیخ مجد الدین بغدادی کی خانقاہ کا خرچ ہر سال دو لاکھ اشرفی تھا اور پانچ لاکھ اشرفیوں کی املاک انھوں نے وقف کی تھی۔ شیخ علاء الدولہ کی خانقاہ کا خرچ روزانہ سو اشرفی تھا۔

۳؎ خدام سے مراد وہ جماعت ہے جو فقیروں کی خدمت اختیار کرے اور بعد ادائے فرائض فقراء کی امداد نوافل سے بہتر سمجھتی ہے اور ان کی حاجت براری کے لئے کسب سے یا بھیک مانگ کر یا اور کسی جائز طریقہ سے سامان فراہم کرتی ہے وہ لوگ حق کی طرف نظر رکھتے ہیں اور خلق کو صرف رابطہ اور واسطہ سمجھتے ہیں۔ شیخ ابواسحٰق گاذرونی کپڑا بنتے تھے۔ شیخ ابوعلی حسین فیروز آبادی کا گذر ان کے گاؤں میں ہوا تو دیکھا کہ شیخ ابواسحٰق تار بنانے میں مصروف ہیں نظر پڑتے ہی پہچان لیا کہ یہ ایک دن اولیاء کے سردار ہوں گے۔ لہٰذا فرمایا کہ اسحٰق آؤ میرے مرید ہو۔ ابواسحٰق بہت سادہ مزاج تھے انھوں نے کہا کہ میں مرید اور مراد نہیں جانتا۔ شیخ نے فرمایا کہ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دو اور کہو میں تمہارا مرید ہو گیا۔ انھوں نے حکم کی تعمیل کی۔

شیخ ابوعلی حسین ان کو مرید کر کے سفر کرنے پر آمادہ ہوئے تو ابواسحٰق نے کہا کہ "آپ نے مجھ کو مرید کیا تو کچھ وصیت کیجئے۔ فرمایا کہ تمہارے لئے وصیت صرف اتنی ہے کہ فرائض اہتمام سے ادا کرو اور جو کچھ کھاؤ اس میں سے ایک ٹکڑا کسی فقیر یا مہمان کو کھلا دیا کرو۔ شیخ نے قبول کیا۔ پیر کے حکم کی تعمیل کرتے تھے اور اپنی خوراک کا ایک حصہ فقیروں کے سامنے پیش کیا کرتے تھے۔ اتفاقاً تین بزرگ

صاحب تصرف اس گاؤں میں آئے۔ شیخ نے ان کے لئے آش کا انتظام شروع کیا تیار ہونے سے پہلے وہ فقراء گاؤں سے روانہ ہو گئے۔ شیخ ان کے پیچھے دوڑے اور تین روٹیاں جو خود ان کے کھانے کے لئے تھیں۔ نذر درویشوں کے سامنے رکھدیں جب وہ کھا چکے تو ایک نے کہا اس جلاہے نے اپنا کام کیا ہم کو بھی کچھ کرنا چاہیئے پہلا بولا میں دنیا دیتا ہوں دوسرا بولا کہ میں دین دیتا ہوں۔ تیسرے نے کہا خدا کے خزانہ میں کچھ کمی نہیں ہے دنیا و دین دونوں دیتا ہوں۔ ان بزرگوں کی زبان کے اثر سے حق تعالےٰ نے ابواسحٰق کو اس مرتبہ پر پہنچایا کہ اکابر صوفیوں کے سر حلقہ ہوئے اور اس وقت تک ان کے مزار پر پانچسو اشرفیوں کا لنگر بٹتا ہے۔ بہت سے اہل حرفہ کو شرفِ ولایت ملا ہے۔ حق تعالےٰ نے علم حال کو قال پر فوقیت دی ہے۔ مولانائے روم دیوان میں لکھتے ہیں۔

گر نہ علمِ حال فوق قال بودے کے شدے
بندہ اعیان بخارا خواجۂ نساج را!

بعض اکابر کی رائے ہے کہ یہاں "خواجہ نساج" سے مقصود وہی شیخ ابواسحٰق گازرونی ہیں۔ مشائخ اور صوفیہ خدام کی رعایت کرتے ہیں اور ان کی گراں خاطری کے روادار نہیں ہوتے۔ شیخ ابوالعباس قصاب اپنے وقت کے غوث تھے۔ مصر سے ایک نادان ان کی ملاقات کے لئے آیا۔ اس نے شیخ کو سلام نہیں کیا اور بے ادبی سے بیٹھا طہارت خانہ میں گیا جتنے آبخورے اور کوزے وہاں رکھے تھے توڑ ڈالے۔ اس کے بعد کہا اپنے شیخ سے کہو میرے لئے ڈھیلے لائے۔ شیخ کو جب معلوم ہوا کہ سب آبخورے ٹوٹ گئے ہیں تو حکم دیا کہ بازار سے لاؤ وہ بیوقوف طہارت خانہ

سے باہر نکلا اور بولا کہ شیخ سے کہو کہ ڈھیلے نہیں ہیں تو اپنی ڈاڑھی میرے استنجے کے لئے پیش کرے۔ شیخ نے سُن لیا۔ اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی لانبی، سفید ڈاڑھی دونوں ہاتھوں سے تھام کر بولے کہ قصاب کا بیٹا اب اس نوبت کو پہنچا کہ اس کی ڈاڑھی استنجے کے قابل ہے۔ اس ناداں نے سُن لیا۔ شیخ کے قدموں پر گر پڑا اور کہا کہ آج مسلمان ہوتا ہوں۔

سید اشرف فرماتے تھے کہ جو شخص اخوان طریقت کی خدمت سے دریغ کرے وہ بڑا بدنصیب ہے۔ ابو عبداللہ سے منقول ہے کہ جو دوستوں کی خدمت نہیں کرتا اس کو خدا ایسی ذلت میں گرفتار کرتا ہے جس سے چھٹکارا نہیں ملتا۔ مخلوق کی خدمت سعادت مندی کا نشان ہے جس نے بندوں کی خدمت کی۔ وہ مالک کی بھی طاعت بجا لا سکتا ہے۔ صوفیہ کائنات میں اسماء اور صفات آلہی کا مظہر دیکھتے ہیں۔ ان کی نظر میں مخلوق کی خدمت عین خدمت خالق کی ہے۔

ابو طالب[1] خزرج شیراز آئے تو ان کو پیٹ کی بیماری تھی۔ عبداللہ خفیف نے ان کی خدمت اختیار کی رات کو پندرہ بار یا سترہ بار وہ اٹھتے تھے اور عبداللہ خدمت کرتے تھے ایک رات عبداللہ کو کسی قدر غفلت تھی پہلی آواز انھوں نے نہ سنی۔ دوسری آواز پر اٹھے اور طشت پیش کیا۔ ابو طالب نے کہا "اے فرزند جبکہ تو مخلوق کی خدمت نہیں کرسکتا تو خالق کی خدمت کیونکر کرے گا۔" ایک بار

---

[1] ابو طالب بند علی حضرت جنید کے اصحاب سے تھے اور شیخ الاسلام ابو عبداللہ بن خفیف شیرازی کے استاد تھے۔ ۱۲

ابو طالب نے آواز دی اور انھوں نے نہ سُنا۔ دوسری بار پھر آواز دی اور کہا "تجھ پر لعنت ہو" وہ دوڑے اور طشت پیش کیا۔ ایک بزرگ نے شیخ عبداللہ سے پوچھا کہ تم سے لعنت کیسے سُنی گئی وہ بولے کہ جس طرح بزرگوں سے دعا سنی جاتی ہے۔ جس شخص نے استاد کے سامنے عاجزی نہ کی اس کے ہاتھ کی مار نہ کھائی اور لعنت پھٹکار نہ سُنی اس کو استاد سے کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ درویشوں کی خدمت گذاری میں تمیز نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ہر ایک درویش کی خدمت لازم ہے تاکہ مراد حاصل ہو اور مقصود فوت نہ ہو۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ عبادتِ نفل خدمت سے بہتر ہے لیکن یہ غلط ہے کیونکہ خدمت کا نتیجہ محبت ہے خدمت احسان ہے اور جس کے ساتھ احسان کیا جائے وہ محبت کرنے لگتا ہے اہلِ باطن کے قلوب میں محبت پیدا کرنا نفل عبادت سے یقیناً بہتر ہے۔

شیخ ابو علی فارمدی[1] جو اپنے عہد میں اولیاء کے سردار تھے تحصیل و تکمیل کے بعد تصوف کی منزل میں داخل ہوئے اور شیخ ابو القاسم گرگانی کی خدمت اختیار کی ایک دن شیخ غسل کے لئے حمام میں داخل ہوئے انھوں نے دو ڈول پانی گرمابہ میں ڈال دیا جب استاد غسل خانہ سے باہر آئے اور نماز پڑھی تو پوچھا کہ گرمابہ میں کس نے پانی ڈالا۔ ابو علی سمجھے کہ شاید ان سے کوئی قصور ہوا ہے۔ اس لئے

---

[1] اسمِ مبارک فضل بن محمد تھا خراسان کے شیخ الشیوخ تھے شیخ ابو القاسم گرگانی اور شیخ ابو الحسن خرقانی سے فیوض حاصل کئے تھے۔ ۱۲

خاموش رہے۔ استاد نے مکرر پوچھا پھر بھی انہوں نے جواب نہ دیا جب تیسری بار سوال کیا یہ بولے کہ "بیں تھا" استاد نے کہا کہ اے ابوعلی جو کچھ ابوالقاسم نے ستر سال میں حاصل کیا تھا وہ تو نے ایک ڈول پانی میں پالیا۔ شیخ علی موذن کہتے تھے کہ جب ان کی روح جوار قدس سے جسم میں داخل کرنے کے لئے دنیا میں لائی جارہی تھی تو جس آسمان پر پہنچتی تھی وہاں کے فرشتے کہتے تھے کہ اس کو عالم قدس سے اس دنیا میں کیوں لئے جاتے ہو جہاں شر و فساد ہے۔ حق تعالیٰ سے خطاب ہوتا ہے کہ قسم ہے میرے عزت و جلال کی اگر یہ سو ہزار برس تک جوارِ قدس میں رہتا تو وہ مرتبہ نہ پاتا۔ جو کسی بوڑھی عورت یا کمزور کو ایک گھونٹ پانی پلانے سے حاصل ہوگا۔ اکابر شریعت نے غیر مشروع اشیاء فراہم کرنا ممنوع قرار دیا ہے۔ لیکن مشائخ کی سنت یہ ہے کہ کوئی ناجائز شئی نہ ملنے کی وجہ سے کسی شخص کو تکلیف ہورہی ہو تو اس کا دکھ درد دور کرنے کے لئے وہ غیر مشروع چیز بھی مہیا کر دینا چاہیئے۔ حتیٰ کہ چاندی موجود نہ ہو تو اپنا خرقہ اور سجادہ رہن کر کے درویش کی خدمت کرے۔

حق تعالیٰ نے خدام کا مرتبہ اتنا بلند کیا ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام کی تمنا کرتے تھے ایک روز اصحاب کی دعوت تھی چند بادیہ نشین ناواقف اس بزم میں آگئے اور پوچھا کہ اس گروہ کا سردار کون ہے تو حضور نے فرمایا "سیدہم خادمہم" یعنی ان کا سردار ان کا خادم ہے۔ اکابر کا قول ہے کہ خادم مقام ابرار پر ہے اور شیخ مقامِ مقربین پر کیونکہ خادم کا مقصود خدمت سے ثوابِ آخرت ہے مگر شیخ بجز مشاہدہ حق کے کچھ نہیں ہے۔

۴۲ عابد وہ ہیں جو ہمیشہ وظائف عبادت اور نوافل کے پابند رہتے

ہیں تاکہ ثواب آخرت حاصل ہو۔ یہ وصف صوفی میں بھی موجود ہے لیکن اس میں کوئی علت یا کوئی غرض نہیں ہوتی وہ حق کی بندگی کے لئے کرتے ہیں۔ ثوابِ آخرت کے لئے نہیں کرتے۔

عابدوں اور زاہدوں میں یہ فرق ہے کہ وہ عبادت کرتے ہیں مگر دنیا کی رغبت باقی ہوتی ہے۔ فقراء سے یہ فرق ہے کہ باوجود دولت کے عبادت گزار ہو سکتے ہیں پس نتیجہ یہ ہوا کہ واصلوں کے دو گروہ ہیں اور سالکوں کے چھ گروہ اور آٹھوں گروہوں سے دو دو متشبہ ہیں۔ ایک صادق دوسرا باطل (۱) صوفیہ کے متشبہ صادق متصوفہ ہیں جو صوفیہ کے احوال پر مطلع ہیں لیکن تعلقات نفس باقی رہنے کی وجہ سے مقصود اصلی تک نہیں پہنچتے۔ (۲) صوفیہ کا متشبہ باطل وہ لوگ ہیں جو خود کو صوفی ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن ان کے عقائد اعمال و احوال سے خالی ہیں۔ اطاعت و بندگی چھوڑ کر امور نامشروع کو مباح سمجھتے ہیں کہتے ہیں کہ احکامِ شریعت کی پابندی عوام کے لئے ہے نہ کہ خواص اہلِ حقیقت کے لئے یہ فرقہ باطنیہ واباحیہ ہے۔

(۳) مجذوبوں کا متشبہ صادق وہ طائفہ ہے جن کی سیر سلوک ہنوز ختم نہ ہوئی اور صفاتِ نفوس ابھی تک باقی ہیں۔ جب تجلی کی بجلی چمکتی ہے تو ان کے نفوس کی تاریکی دور ہو جاتی ہے اور جب وہ منقطع ہو جاتی ہے تو وہ بحرِ فنا میں غرق ہو جاتے ہیں لیکن یہ حال ان کا مقام نہیں ہوتا کبھی کبھی نازل ہوتا ہے۔

(۴) مجذوبوں کے متشبہ باطل وہ لوگ ہیں جو فنا اور توحید کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اپنے حرکات و سکنات خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن ان کی مراد اس تمہید سے اپنے گناہوں کا چھپانا ہوتا ہے۔ پھر شرمندگی مٹانے کے لئے اپنے برے افعال ارادتِ حق

کے سبب بتلاتے ہیں۔ یہ لوگ زندیق ہیں۔

سہیل بن عبداللہ سے کسی نے پوچھا کہ وہ شخص کیسا ہے جو کہتا ہے کہ میرا فعل ارادتِ حق کا ویسا ہی تابع ہے جیسا کہ دروازہ حرکت دینے والے کا۔ انھوں نے جواب دیا کہ وہ شخص اگر اصولِ شریعت کا پابند ہے اور حدودِ احکام کی حفاظت کرتا ہے تو وہ صدیق ہے اگر اس کو احکامِ شریعت کی مخالفت کا خوف نہیں اور اپنے نفس سے ملامت دور کرنے کے لئے اپنے اعمال حق کے ارادہ کی طرف منسوب کرتا ہے تو وہ زندیق ہے۔

سید اشرف نے سفر کے زمانہ میں بعض ملحدوں کو دیکھا کہ شریعت سے انکار کرتے، گناہوں کے مرتکب ہوتے، ممنوعات کو طریقت سمجھتے اور زبان سے توحید کا اظہار کرتے تھے ان کو دلائل نقلی اور عقلی سے سمجھایا گیا کہ یہ تعطل اور زندقہ ہے۔

(۵) ملامتیہ کے متشبہ صادق وہ ہیں جو نظر خلق پر زاید توجہ نہیں کرتے اور ان کی اکثر کوشش تخریب رسوم اور عادات کی رہتی ہے۔ زاہدوں اور عابدوں کے مراسم کی پابندی نہیں کرتے۔ نوافل و عبادات میں کثرت نہیں کرتے لیکن فرائض ادا کرتے ہیں۔ اسباب دنیاوی سے گریز نہیں کرتے فراغتِ قلب پر قانع رہتے ہیں۔ وہ قلندریہ کہلاتے ہیں۔ بسبب ریاکاری نہ ہونے کے ملامتیہ سے مشابہت رکھتے ہیں سید اشرف فرماتے تھے کہ قلندر وہ ہے جو دنیا کے علاقوں سے مجرد ہو۔ شریعت و طریقت کا کوئی دقیقہ اور نکتہ فروگذاشت نہ کرے بحر شہود دریائے وجود میں مستغرق رہے لیکن آج کل جو لوگ قلندریہ کے نام سے مشہور ہیں۔ انھوں نے احکام ترک کر دیئے ہیں اور تمام اوصاف سے خالی ہیں ان کو قلندر کہنا غلط ہے۔ مگر چونکہ وہ ایک طائفہ اعلیٰ کی

تقلید کرتے ہیں اس لئے سب کا ایک دم منکر نہ ہونا چاہیئے۔

(۶) ملامتیہ کے متشبہ باطل وہ ہیں جو اخلاص کا دعویٰ کر کے فسق و فجور میں مبالغہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری مراد ان حرکات سے خلق کی ملامت ہے حق سبحانہ خلق کی بندگی سے بے نیاز ہے اور اس کو معصیت سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ یہ لوگ زندیق ہیں۔

(۷) زاہدوں کا متشبہ صادق وہ طائفہ ہے جس کی رغبتِ دنیا کامل طور پر دور نہیں ہوئی اور چاہتا ہے کہ یکبارگی دنیا سے منہ پھیر لے ان لوگوں کو متزہد کہتے ہیں۔

(۸) زاہدوں کے متشبہ باطل وہ جماعت ہے جو قبولِ خلق کے لئے زینتِ دنیا ترک کرتی ہے، اور اس بہانہ سے جاہ و عزت حاصل کرنا چاہتی ہے ان لوگوں کو مرائیہ کہتے ہیں۔

(۹) فقراء کا متشبہ صادق وہ گروہ ہے جو ظاہر میں فقر رکھتا ہے اور باطن میں حقیقتِ فقر کا طلبگار ہے۔ دولت کی طرف ہنوز میل رکھتا ہے اور اس کے نہ ملنے پر صبر کی کوشش کرتا ہے۔

(۱۰) فقراء کے متشبہ باطل وہ ہیں جو ظاہرا فقیر بنے ہوئے ہیں اور ان کا باطن فقر کی حیثیت سے بے خبر ہے ان کی مراد قبول خلق اور اظہارِ دعویٰ ہے۔ یہ گروہ بھی مرائیہ ہے۔

(۱۱) خادموں کا متشبہ صادق وہ طائفہ ہے جو بندگان حق تعالےٰ کی خدمت کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ ان کی خدمت دنیا کے مال اور جاہ کی غرض سے نہ ہو لیکن

زہد کی حقیقت تک نہیں پہنچا۔ کبھی نور ایمان کے غلبہ سے ان کی خدمت حق کے لئے ہوتی ہے اور کبھی نفس کے غلبہ سے ہوا اور ریار کی آمیزش ہو جاتی ہے کبھی اپنی ثنا و صفت کے لئے ان لوگوں کی خدمت کرتا ہے جو خدمت کے مستحق نہ ہوں اور جو مستحق خدمت ہوں ان کو محروم رکھتا ہے۔۔ ان لوگوں کو متخادم کہتے ہیں۔

(۱۲) خادموں کا متشبہ باطل وہ ہے جو دنیاوی منافع کے لئے خلق خدمت کرتا ہے۔ اور نفع ظاہر نہ ہو تو خدمت چھوڑ دیتا ہے۔ اس کا مقصود طلب جاہ و مال ہے۔ اپنے حظ نفس کے لئے خدمت بجا لاتے ہیں یہ لوگ مستخدم کہلاتے ہیں۔

(۱۳) عابدوں کا متشبہ صادق وہ ہے جو اپنے اوقات عبادت میں صرف کرے لیکن کمال نہ ہونے کی وجہ سے اس کے اعمال اور اوراد میں فتور اور تاخیر ہو یا ہنوز عبادت کی لذت نہ پائی ہو۔ اور بہ تکلف عبادت کرتا ہو ایسا شخص متعبد ہے۔

(۱۴) عابدوں کا متشبہ باطل وہ ہے جو قبولِ خلق کے لئے عبادت کرے اس کے دل میں ثواب آخرت پر ایمان نہ ہو جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ کوئی دوسرا شخص اس کی عبادت دیکھ رہا ہے وہ طاعت پر قیام نہ کرے۔ اللہ ہم سب کو ریاکاری اور قبولِ خلق کے لئے اظہار عبادت سے محفوظ رکھے۔

خداوند تعالےٰ نے نبوت کا ایک درجہ باقی رکھا ہے جو اولیار سے ظاہر ہوتا ہے یہ حضرات والیانِ عالم ہیں۔ انھیں کی برکت سے بارش ہوتی ہے۔ سبزہ اگتا ہے اور کافروں کی فوجوں پر مومنوں کو فتح حاصل ہوتی ہے۔ ان میں سے بعض درگاہِ خداوندی کے سرہنگ ہیں اور امور عالم کی اصلاح ان کے سپرد کی گئی ہے باہم مشورہ کرکے کاروبار کا

سرانجام کرتے ہیں۔ ان کے دس درجے ہیں۔

اول غوث۔ دوسرے اماماں۔ تیسرے اوتاد۔ چوتھے ابدال۔ پانچویں اخیار چھٹے ابرار۔ ساتویں قطب۔ آٹھویں نجیب۔ نویں مکتوم اور دسویں مفرد۔

قطب ہر ولایت میں جداگانہ ہوتے ہیں اور دنیا میں برکات وحسنات کا قیام ان کے فیض سے ہے۔ واصلان درگاہ خداوندی کے ایک گروہ کو دنیا کی محبت بالکل نہیں ہوتی اور احکام شرع کی سلامت روی سے پیروی کرتے ہیں۔ دوسرا گروہ دنیا کو طالب دنیا کے لئے چھوڑ کر آخرت مومنوں کو نذر کرتا اور خود مشاہدۂ حق میں مصروف رہتا ہے۔ اسی گروہ کے حضرات مرتبہ قطبی کو پہنچتے ہیں اور عالم کا مدار ان پر ہے۔ بعض مشائخ کا قول ہے کہ عابدوں۔ زاہدوں۔ عارفوں اولیاء اور عشاق میں سے ہر ایک صنف کا قطب الگ ہے لیکن تمام عالم میں قطب الاقطاب ایک ہی ہوتا ہے اور اسی کو "انسان کامل" "قطب الدائرہ" "غوث الاعظم" وغیرہ مختلف القاب سے یاد کرتے ہیں عنداللہ کا نام "عبداللہ" ہے وہ یگانہ روزگار ہوتا ہے اور حضرت ابراہیم کے (یا دوسرے قول کے مطابق) حضرت اسرافیل کے قلب پر ہوتا ہے۔ یہاں قلب سے مراد مشرب ہے۔ کیونکہ ہر ولی کسی نبی کے مشرب پر ہوتا ہے اور اس کے قدم پر چلتا ہے۔ شیخ نجم الدین کبریٰ نے اپنے ایک مرید کو شیخ مصلحت خجندی کے پاس بھیجا اور کہا "جو وہ بزرگ فرمائیں مجھ سے آکر بیان کرو"۔ جب وہ مرید شیخ مصلحت کے پاس پہنچے انھوں نے پوچھا "کہاں سے آتے ہو" درویش نے کہا "خوارزم سے"۔ شیخ مصلحت نے پوچھا "تمہارا یہودی اچھا ہے" مرید کو بہت ناگوار ہوا اور وہاں سے چلا آیا۔ پیر کی خدمت میں پہنچا تو انھوں نے کہا کہ جو کچھ اس عزیز نے کہا ہو بیان کرو۔ مرید بولا کہ انھوں نے ایسی بات کہی ہے جو میں

زبان پر نہیں لا سکتا پیر نے اصرار کیا تو اس نے مجبور ہو کر کہا شیخ مصلحت نے مجھ سے پوچھا "تمہارا یہودی اچھا ہے" وہ لفظ سنتے ہی شیخ نجم الدین کو ذوق پیدا ہوا اور حالت وجد طاری ہوئی ایک پہر تک یہی حال رہا جب طبیعت درست ہوئی تو مرید نے خوشی کا سبب پوچھا شیخ نے فرمایا کہ مدت سے مجھ کو تردد تھا کہ میں کس پیغمبر کے قلب پر ہوں۔ شیخ خجندی کے اشارے سے معلوم ہوا کہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدم پر ہوں۔ کیونکہ یہود حضرت موسیٰ کی قوم ہیں۔

سیّد اشرف فرماتے تھے کہ شیخ عبدالرزاق کاشی کی خدمت میں پہنچا تو اتفاقاً غوث روزگار کی بابت گفتگو ہوئی اور انھوں نے یہ حکایت نقل کی کہ ابوالحسن[1] دراج حج کو جاتے تھے۔ راہ میں ہمراہیوں سے کچھ رنجش ہوئی اور انھوں نے تنہا جانے کا عزم کیا۔ مسجد میں ایک بوڑھا جذامی ملا اور سلام کر کے کہنے لگا "اے ابوالحسن کیا حج کا ارادہ ہے مجھ کو اپنے ہمراہ لے چلو گے"۔ ابوالحسن نے خیال کیا کہ تندرست ہمراہیوں کو چھوڑ کر آیا اور یہاں جذامی کا ساتھ ہوتا ہے جواب دیا خدا کی قسم میں کسی کو ہمراہی نہ بناؤں گا۔ بوڑھے نے کہا "اے ابوالحسن اللہ ضعیف کے ساتھ وہ کرتا ہے کہ قوی اس کا تعجب کرتے ہیں"۔ ابوالحسن نے اس کو ساتھ نہ لیا اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔ دوسری منزل پر پہنچے تو صبح کے وقت دیکھا کہ وہی بوڑھا بیٹھا ہے اس نے پھر کہا "اے ابوالحسن اللہ ضعیف کے ساتھ وہ کرتا ہے کہ قوی اس پر تعجب کرتے ہیں"۔ انھوں نے کچھ جواب نہ دیا لیکن دل میں تردد اور وسواس پیدا ہوا۔ تیسری منزل پر صبح کے وقت تیزی سے

---

[1] بغدادی تھے سنہ ۔۔ میں درحالت سماع وفات ہوئی ۔ ۱۲

پہنچے مسجد میں قدم رکھا تو دیکھا وہی بوڑھا بیٹھا ہے۔ اس نے پھر کہا "اے ابوالحسن
اللہ ضعیف کے ساتھ وہ کرتا ہے کہ قوی اس پر تعجب کرتے ہیں" تب ابوالحسن
نے معذرت کی اور اپنی خطا کی معافی مانگ کر کہا کہ آپ کی ہمراہی چاہتا ہوں بوڑھے
نے کہا تم نے پہلے انکار کیا تھا اور قسم کھائی تھی اب میں تمہاری قسم توڑوانا نہیں چاہتا"
ابوالحسن نے کہا "خیر یہ منظور کیجئے کہ ہر منزل پر مجھ سے ملاقات ہو جایا کرے" اس نے
قبول کیا۔ ابوالحسن کہتے تھے کہ رنج راہ اور بھوک کی تکلیف مجھ سے جاتی رہی اور یہی
فکر رہتی تھی کہ جلد منزل پر پہنچوں اور اس بوڑھے کو دیکھوں۔ میں مکہ پہنچا اور وہاں کے
صوفیوں سے یہ قصہ بیان کیا۔ انھوں نے بتایا کہ وہ بڑھے شیخ ابوجعفر مجذوم ہیں۔ ہم
لوگوں کو تیس برس سے ان کے دیدار کی آرزو ہے خدا کرے تم سے پھر ملاقات ہو
اور تمہارے وسیلہ سے ہم بھی ان کی زیارت کریں۔ ابوالحسن طواف کر رہے تھے۔
کہ وہ مجذوم نظر پڑے۔ انھوں نے صوفیوں سے بیان کیا۔ صوفیوں نے کہا کہ اب ملاقات
ہو تو ہم کو آواز دینا منا اور عرفات میں وہ نظر نہ آئے۔ لیکن کنکری مارنے کے دن کسی نے
ان سے کہا "السلام علیکم اے ابوالحسن" مڑ کر دیکھا تو وہی پیر مجذوم تھے ان کے دیدار
سے ایسی حالت طاری ہوئی کہ یہ بے خود ہو گئے اور مجذوم اس عرصہ میں غائب۔

سید اشرف فرماتے تھے کہ بعض اولیاء اللہ جو امّی تھے وہ بھی شرف غوثی کو
پہنچے ہیں۔ چنانچہ شیخ قصاب کاف اور قاف میں تمیز نہیں کر سکتے تھے۔ شیخ ابوالحسن
خرقانی بھی امّی تھے مگر منصب غوث پر سرفراز ہوئے۔ کوئی بیمار ان کی خدمت میں حاضر
ہوتا تو الحمد پڑھکر پھونکتے اور مرض دفع ہو جاتا۔ ایک عالم کے دانت میں درد ہوا۔ شیخ
نے پڑھکر پھونکا درد جاتا رہا تو عالم نے کہا کہ آپ الحمد صحیح نہیں پڑھتے ہیں۔ میں آپ کو

یاد کرا دوں۔ شیخ نے جواب دیا کہ جاؤ اپنے دل کو درست کرو اور اسی وقت پھر درد پیدا ہو گیا۔ غوث کے لئے کعبہ کا مجاور رہنا شرط نہیں ہے۔ ابو العباس آمل میں تھے اور غوث الثقلین بغداد میں حالانکہ دونوں اپنے اپنے عہد میں غوث تھے اللہ نے اولیاء کو یہ قوت دی ہے کہ وہ مختلف مقامات پر ایک ساعت میں پہنچ سکتے ہیں۔

شیخ علاؤ الدین گنج بنات کے بعض مریدین مختلف پہاڑیوں پر شیخ کی تعلیم کے مطابق عبادت میں مشغول رہتے تھے اور ان کے درمیان میں بہت فاصلہ ہوتا تھا لیکن مدت پوری ہونے کے بعد وہ خلوت سے باہر آتے تھے تو ہر ایک کہتا تھا کہ فلاں فلاں تاریخ کو مرشد میرے پاس تشریف لائے تھے اور ہم کو ہدایت دی تھیں حالانکہ واقعہ یہ تھا کہ پیر مرشد ایک ساعت کے لئے بھی خانقاہ سے غائب نہیں ہوئے تھے۔

ایک غوث کی دعا سے دوسرے شخص کو منصبِ غوثی مل سکتا ہے۔ چنانچہ شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی کے متعلق روایت ہے کہ ان کو ایک غوث کی دعا سے یہ نعمت ملی تھی۔ ابو سعید عبد اللہ کا بیان ہے کہ وہ شباب کے زمانہ میں تحصیل علم کے لئے بغداد آئے ابن سقا ان کے رفیق تھے اور مدرسہ نظامیہ میں تعلیم پاتے تھے۔ اس وقت بغداد میں ایک بزرگ تھے جن کی بابت یہ مشہور تھا کہ وہ غوث ہیں کبھی نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں کبھی نمودار ہوتے ہیں۔ ابو سعید عبد اللہ، ابنِ سقا اور شیخ عبد القادر جیلانی نے ان کی زیارت کا ارادہ کیا ابنِ سقا نے کہا کہ میں ایسا مسئلہ پوچھوں گا جس کا وہ جواب نہ دے سکیں۔ ابو سعید نے کہا میں بھی ایک مسئلہ پوچھوں گا دیکھوں وہ کیا فرماتے ہیں۔ شیخ عبد القادر نے کہا میں ان سے کوئی سوال نہیں

کروں گا صرف دیدار کی برکت چاہتا ہوں۔ جب یہ تینوں شخص اس بزرگ کے مقام پر پہنچے تو ان کو موجود نہ پایا ایک ساعت کے بعد اسی جگہ نظر پڑے ابن سقا کی طرف غصہ کی نظر سے دیکھا اور کہا کہ تو مجھ سے ایسا مسئلہ پوچھنے آیا ہے جس کا میں جواب نہ دے سکوں سُن وہ مسئلہ یہ ہے اس کا جواب یہ ہے مگر میں دیکھتا ہوں تو کفر کی آگ سے جل رہا ہے اس کے بعد ابو سعید کی طرف دیکھا اور کہا تو مجھ سے مسئلہ پوچھنا چاہتا ہے۔ تیرا سوال یہ ہے اور اس کا جواب یہ ہے۔ لیکن اس بے ادبی کی وجہ سے تو دنیا کے جنجال میں پھنسے گا۔ اس کے بعد شیخ عبدالقادر کی طرف نظر کی اپنے نزدیک بلا کر کہا اے عبدالقادر تم نے اپنے ادب سے خدا اور رسول کو خوش کیا میں دیکھتا ہوں کہ تم بغداد میں منبر پر بیٹھ کر کہو گے قدمی ھذہٖ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ اور اس وقت کے تمام اولیاء اللہ اپنی گردنیں تعظیم کے لئے جھکائیں گے۔ اس قدر فرما کر وہ بزرگ غائب ہو گئے اور پھر نظر نہ آئے۔ تھوڑی مدت کے بعد شیخ عبدالقادر کی بزرگی ظاہر ہوئی اور انھوں نے بالائے منبر یہی فقرہ کہا اور تمام اولیاء نے تصدیق کی۔

ابن سقا کا یہ حال ہوا کہ علم و فضل میں کامل ہو کر اس نے مناظرہ شروع کیا تقریر ایسی بلیغ و فصیح ہوتی تھی کہ خلیفہ نے اس کو ایلچی بنا کر روم بھیجا نصرانیوں کے علماء اس کی بحث سے عاجز ہوئے اور بادشاہ روم نے بڑی عزت کی ایک دن اس کی نظر بادشاہ روم کی بیٹی پر پڑی اور اس کے عشق میں گرفتار ہوا بادشاہ نے کہا کہ جب تک نصرانی نہ ہو میں اپنی بیٹی نہیں دے سکتا۔ اس نے دین اسلام ترک کر کے اس لڑکی سے شادی کی تب غوث کا کلام یاد آیا اور سمجھا کہ یہ بے ادبی

کی سزا ہے۔

ابو سعید دمشق پہنچے تو سلطان نور الدین نے ان کی قابلیت دیکھ کر اوقاف کا محکمہ سپرد کیا اور وہ سرتاپا دنیا میں پھنس گئے غرض غوث کا قول تینوں شخصوں کی بابت بالکل صحیح ہوا۔

۸۰۰ھ میں سیّد اشرف جہانگیر غوث روزگار کے منصب پر مامور ہوئے جس کی تفصیل مقدمۃ الکتاب میں درج کی جا چکی ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس منصب پر فائز ہونے سے پہلے میرا شمار اماموں میں تھا مجھ کو عبد الملک کہتے تھے۔ اور میرا مقام غوث کے بائیں طرف تھا۔ جب مجھکو مرتبۂ غوث کا عطا ہوا تو داہنی طرف کے امام جن کا نام عبد الرب تھا میری جگہ پر آ گئے۔ ان کی جگہ پر اوتاد میں سے ایک بزرگ آئے اوتاد کی جگہ پر ایک ابدال آئے۔ ابدال کی جگہ اخیار۔ اخیار کے بجائے ابرار۔ ابرار کی جگہ نجیب۔ نجیب کی جگہ نقیب اور نقیب کی جگہ پر میری سفارش سے تنگر قلی میرے مرید کا تقرر ہوا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کافر کو مشرف بہ اسلام کر کے فوراً اس مرتبہ پر پہنچا دیتے ہیں۔

چنانچہ طبقاتِ صوفیہ میں حضرت غوث الثقلین کے ایک مرید کا بیان ہے کہ میں حضرت کی خدمت کرتا تھا اور رات کو اکثر بیدار رہتا تھا ایک رات وہ خلوت سے باہر نکلے میں نے پانی کا لوٹا پیش کیا لیکن وہ ملتفت نہ ہوئے اور مدرسہ کی طرف چلے دروازہ کھل گیا وہ باہر نکلے اور میں بھی ان کے عقب میں چلا میرا گمان تھا کہ ان کو میری ہمراہی کا علم نہیں ہے۔ بغداد کے پھاٹک پر پہنچے تو وہ بھی کھل گیا وہ باہر نکلے اور میں بھی ان کے عقب میں نکلا تب پھاٹک بند

ہو گیا ہم تھوڑی دور چلے تھے کہ ایک شہر میں پہنچ گئے جس کو میں نہیں جانتا تھا سرائے میں پہنچے تو دیکھا چھ آدمی بیٹھے ہوئے ہیں۔ انھوں نے حضرت کو سلام کیا میں ایک ستون کے پیچھے چھپ گیا۔ سرائے کی طرف سے رونے کی آواز آئی اور تھوڑی دیر میں بند ہو گئی ناگاہ ایک مرد آیا آواز کی طرف گیا اور کسی شخص کو کندھے پر چڑھا کرے آیا۔ اس کے بعد دوسرا شخص آیا جو ننگے سر تھا اور اس کی لبیں بڑھی ہوئی تھیں وہ حضرت کے سامنے بیٹھا۔ آپ نے کلمۂ شہادت پڑھایا سر اور لب کے بال کترے اور دستار پہنا کر اس کا نام محمد رکھا اور ان چھ شخصوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ مجھ کو حکم ہوا تھا کہ اس آدمی کو مردہ کا بدل بناؤں پھر شیخ ان کو چھوڑ کر باہر نکلے میں بھی عقب میں چلا تھوڑی چلنے کے بعد بغداد کے دروازہ پر پہنچ گئے۔ پھاٹک کھل گیا۔ مدرسہ تک آئے اس کا دروازہ بھی کھل گیا اور گھر تک پہنچ گئے۔ جب صبح ہوئی اور میں سبق پڑھنے کے لئے بیٹھا تو ان کا دبدبہ اتنا غالب تھا کہ مجھ سے پڑھا نہیں جاتا تھا۔ شیخ نے پڑھنے کا حکم دیا تو میں نے قسم دے کر کہا رات کے ماجرے کی تفصیل بیان کیجیے۔ انھوں نے فرمایا کہ وہ شہر نہاوند تھا اور چھ شخص جو وہاں بیٹھے تھے وہ ابدال تھے جو شخص کندھے پر بوجھ لے کے نکلا وہ خضر علیہ السلام تھے اور جس شخص کو کلمۂ شہادت تعلیم کیا گیا وہ قسطنطنیہ کا رہنے والا ایک آتش پرست تھا میں مامور تھا کہ اس آتش پرست کو ابدال کی جگہ پر مقرر کروں۔ اس واسطے وہ لایا گیا۔ میں نے اس کو مسلمان کیا اب وہ ابدال کی خدمت پر متعین ہے۔

سید اشرف نے فرمایا کہ غوث کے بائیں طرف جو امام ہوتا ہے وہ دنیا

کا محافظ ہے اور داہنے طرف عالم ملکوت کا ناظر ہے چونکہ دنیا کا ناظر عالم روحانی کے ناظر سے اعلیٰ ہوتا ہے اس لئے بائیں طرف کا امام غوث بنایا جاتا ہے۔ غوث کا جسم بہت لطیف ہوتا ہے طبقات صوفیہ میں ہے کہ شیخ اکبر نے خانۂ کعبہ کے طواف میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ آدمیوں کے بیچ سے نکل جاتا تھا اور کسی سے مزاحمت نہ کرتا تھا۔ شیخ نے سمجھا کہ یہ کوئی روح ہے اور اس کو سلام کیا اس نے جواب دیا۔ گفتگو شروع ہوئی تو معلوم ہوا وہ احمد سبطی تھے ان سے پوچھا کہ آج کل غوث زماں کون ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں ہوں میرے بعد سید[1] جلال ہوں گے ان کے بعد سید اشرف۔ الغرض امام دو ہوتے ہیں۔ داہنی طرف کے امام کو عبدالرب کہتے ہیں وہ ملکوت کا ناظر ہے بائیں طرف کے امام کو عبدالملک کہتے ہیں۔ اور دنیا کا محافظ ہے۔ عالم ان اماموں سے کبھی خالی نہیں رہتا کیونکہ سلطنت غوث کی بغیر وزیروں کے نہیں ہو سکتی۔

اوتاد اطراف بلاد میں چار ہیں مشرق والے کا نام عبدالحی۔ مغرب کا عبدالعلیم جنوب کا عبدالقادر۔ اور شمال کا عبدالمرید ہے۔ یہ بھی ہر زمانہ میں موجود رہتے ہیں۔

ابدال سات ہیں وہ اپنے مقام سے سفر کرتے ہیں تو ایک جسم انسانی اپنا ہمصورت مستقر پر چھوڑ جاتے ہیں تاکہ ان کی غیر حاضری کسی کو معلوم نہ ہو سکے۔

خاندانِ چشت کے سر حلقہ شیخ ابو احمد ابدال کے آبا و اجداد چشت کے حاکم و رئیس تھے ان کی ایک بہن بڑی پرہیزگار تھیں جن کے پاس کبھی کبھی شیخ ابو اسحاق

---

[1] سید جلال سے مراد غالباً سید جلال بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت ہیں۔ واللہ اعلم ۱۲

شامی آیا کرتے تھے۔ شیخ ابو احمد بیس برس کے تھے اپنے باپ کے ساتھ شکار کے لئے پہاڑ کی طرف گئے۔ اتفاقاً ہمراہیوں سے جدا ہو گئے ایک گھاٹی میں پہنچے تو دیکھا کہ ۴۰ مردانِ خدا ایک پتھر پر بیٹھے ہیں اور شیخ ابو اسحٰق شامی ان کے درمیان میں ہیں۔ یکایک ان کا حال غیر ہوا گھوڑے سے اتر کر شیخ کے پاؤں پر گر پڑے۔ گھوڑا اور ہتھیار چھوڑ کر اسی جماعت کے ہمراہ ہوئے ان کے والد نے بہت ڈھونڈھا لیکن پتہ نہ ملا چند روز کے بعد خبر ملی کہ پہاڑ کے فلاں موضع میں ابو اسحاق کے ساتھ ہیں والد نے ان کو بلانے کو آدمی بھیجے اور انھوں نے بہت نصیحت کی مگر کچھ اثر نہ ہوا اور وہ شہر کو واپس آئے۔

سید اشرف فرماتے تھے کہ صورت کی تبدیلی ابدال کے لئے لازم نہیں مگر ممکن ہے اور دوسرے مشائخ بھی تبدیلِ صورت پر قادر ہیں۔ ہمارے مرشد کو بعض مریدوں نے جنگ کے وقت یاد کیا تو حضرت دشمنوں اور باغیوں سے لڑ رہے ہیں۔ لیکن بعد کو تحقیق سے معلوم ہوا کہ حضرت خانقاہ سے برآمد نہیں ہوئے تھے۔

سلطان محمود سبکتگین کا تعلق آلِ سامان سے تھا جب وہ سومنات پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے تو خواجہ محمد بن احمد چشتی کو عالمِ واقعہ میں حکم ہوا کہ سلطان کی مدد کے لئے جانا چاہیئے۔ چھتر[۷۶] سال کی عمر میں اپنے دوستوں اور خادموں کو ساتھ لے کر جہاد کے لئے روانہ ہوئے اور مشرکوں سے جنگ کی۔ ایک دن بُت پرستوں کو لشکر اسلام پر غلبہ ہوا اور قریب تھا کہ مسلمان شکست پائیں۔ خواجہ محمد نے ایک مرید کو آواز دی جن کا نام محمد کاکو تھا اور جو موضع چشت میں چکی چلانے کا کام کرتے تھے اور وہیں موجود تھے ان پر فوراً اضطراب کی کیفیت پیدا ہوئی اور چکی کا کھونٹا کھینچکر دیوار پر

مارنا شروع کیا یہاں میدان جنگ میں لوگوں نے دیکھا کہ کفار کو قتل کر رہے ہیں حتیٰ کہ لشکرِ اسلام کو فتح ہوئی اور کفار کو شکست۔

بعض اکابر کہتے ہیں کہ ابدال چالیس ہیں اور بعض نے تیس بتائے ہیں۔

کشف المحجوب میں ہے کہ ابدال سات ہیں۔ تین سو اخیار ہیں۔ ۴۰ ابرار ہیں۔ ۴۰ اوتاد ہیں۔ تین نقیب ہیں اور ایک غوث۔

حدیث شریف میں ہے کہ ابدال ۴۰ ہیں بارہ عراق میں اور ۲۸ شام میں۔ یہاں عراق سے نصف عالم شرق مراد ہے اور شام سے بقیہ نصف غربی۔ چنانچہ خراسان ہندوستان و ترکستان وغیرہ عراق میں شامل ہیں اور مصر و ممالک مغرب شام میں شامل ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایران کے بادشاہ فریدون کے وقت میں بھی دنیا کی تقسیم اسی طرح کی گئی تھی۔ ابدال اور اوتاد کی تعداد میں مشائخ کو اختلاف ہے لیکن سید اشرف فرماتے تھے کہ ان کو حق تعالےٰ سے اس گروہ کا جو حال کشف ہوا اس کے مطابق وہی تعداد صحیح ہے جو پہلے لکھی گئی ہے۔ ایک ابدال مٹی کے برتن بیچتے تھے کوئی بچھو دوکان میں نظر آتا تو اس کو پکڑ کر جنگل میں چھوڑ آتے ہلاک نہیں کرتے تھے کیونکہ ابدال کسی جاندار کو ایذا نہیں دیتے ہیں۔

منقول ہے کہ ایک بزرگ کو کسی فرشتے کی زیارت ہوئی اس سے پوچھا کیا ترکیب ہے جس سے عام انسان آپ لوگوں کو دیکھا کریں۔ فرشتے نے جواب دیا کہ کسی جانور کو نہ ستاؤ تو ملائکہ سے ملاقات ہوگی۔ وہ عرصہ تک اس ہدایت پر عمل کرتا رہا۔ ایک بار چیونٹے نے کاٹا تو انھوں نے اس کو مار ڈالا۔ اس روز سے فرشتے کی زیارت موقوف

ہو گئی۔

قاضی موصل کو ایک بزرگ سے انکار تھا جو رجال الغیب میں سے تھے۔ قاضی نے ایک دن ان کو راستہ میں دیکھا اور قصد کیا کہ ان کو پکڑ کر حاکم کے پاس لے جائیں تاکہ سزا دے ناگاہ دیکھا کہ اس فقیر کی جگہ ایک کرد کی صورت ہے زیادہ نزدیک گئے تو دیکھا کہ ایک فقیر کی شکل ہے۔ فقیر نے کہا کہ قاضی جی ان میں سے کس کو حاکم کے پاس سزا کے لئے لے جاؤ گے قاضی شرمندہ ہوا اپنے انکار سے توبہ کی اور ان کا مرید ہوا۔ ان بزرگ کا نام قضیب[1] البان موصلی تھا۔

فتوحاتِ مکیہ میں ہے کہ صوفیہ ابدال کی طرف توجہ کرتے ہیں اور جس نیت سے ان کی شفاعت طلب کرتے ہیں وہ کام پورا ہو جاتا ہے۔ سفر کے وقت یا جنگ کی حالت میں ان کا پس پشت ہونا پناہ ہے اور مقابل ہونا مکروہ۔ حضرت فرماتے تھے کہ صبح کے وظائف پڑھنے کے بعد رجال الغیب کا دائرہ دیکھنا چاہیئے اور جس سمت وہ ہوں ادھر دل کو متوجہ کر کے کہنا چاہیئے کہ اے مردانِ غیب میری مدد کرو۔ اس کے بعد ان کی طرف پشت کرے اور ان کو اپنا پشت پناہ سمجھے۔ ہر روز اس عمل کی مشق کرے تو جو مقصد ہو حاصل ہو جائے گا۔ دائرہ رجال الغیب یہ ہے۔

---

[1] آپ کی کنیت ابو عبداللہ تھی اور موصل کے رہنے والے تھے۔ شیخ محی الدین ابن العربی نے آپ کی بہت تعریف لکھی ہے۔ ان کے کچھ حالات آئندہ اوراق میں نظر آئیں گے۔

بائب ۵ و ۱۳ و ۲۰	مغرب ۴ و ۱۲ و ۱۹ و ۲۷	نیرت ۲ و ۱۰ و ۱۷ و ۲۵
شمال ۸ و ۱۵ و ۲۳ و ۳۰		جنوب ۱۱ و ۱۸ و ۲۶ و ۳
ایسان ۶ و ۲۱ و ۲۸	مشرق ۷ و ۱۴ و ۲۲ و ۲۹	اگنی ۱ و ۹ و ۱۶ و ۲۴
کنجخ بامش کنجخ باشش		کنجغ بمش کنجخ امش

مندرجہ بالا شعر میں "ک" سے مراد اگنی ہے "ن" سے نیرت "ج" سے جنوب "غ" سے غرب "ب" سے بائب "ا" سے ایسان "م" سے مشرق۔ "ش" سے شمال۔

ہر قمری مہینہ کی پہلی تاریخ کو رجال الغیب اگنی میں ہوتے ہیں۔ دوسری کو نیرت میں۔ تیسری کو جنوب میں چوتھی کو مغرب میں۔ پانچویں کو بائب میں۔ چھٹی کو ایسان میں ساتویں کو مشرق میں آٹھویں کو شمال میں نویں کو اگنی میں دسویں کو نیرت میں وقس علیٰ ہذا۔

سیّد اشرف جہانگیر رحمۃ اللہ علیہ نے حساب ابجد سے ان تاریخوں کو نظم فرما دیا تھا۔

اگر خواہی کہ بدلا را بدانی از رہ قطبیاں حساب ابجد از حرفش شماری کن یقین بیداں

اطیوکلہ باکتی داں زیدکبب کط بہ شرقستاں ۔ دکاکج را بداں

۲۳ ۲۱ ۶ ۲۹ ۲۲ ۱۴ ۷ ۲۴ ۱۶ ۹ ۱

الیسان ۔ ج یہ کج ل شمالستان ۔ ھیج ک شدہ بائب ۔ دیب

۱۲۴ ۲۰ ۱۳ ۵ ۳۰ ۲۳ ۱۵ ۸

یط کز بہ غربستاں ۔ ب ی نیز کہ شدہ یزت ج یا یح کو

۲۶ ۱۸ ۱۱ ۳ ۲۵ ۱۷ ۱۰ ۲ ۲۷ ۱۹

جنوبستان ۔

ز اشرف مرجع ایشاں شنو از ضابطہ آساں اگر در کار ہر بندی بر آید کامت از یزداں

اخیار تین سو ہیں۔ بعض مشائخ کہتے ہیں کہ ۷ ہیں بعض کہتے ہیں کہ اٹھارہ ہیں ابرار سات ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ۴۴ ہیں۔ نقبا باطن مردم پر آگاہ ہوتے ہیں اور صاحب نصوص کے قول کے مطابق ان کی تعداد تین سو ہے لیکن کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ صرف تین ہیں۔

نجبا چار ہزار ہیں جو اپنا کمال خود نہیں جانتے ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے اور خلق سے پوشیدہ رہتے ہیں بعض مشائخ کہتے ہیں کہ اولیائی تحت قبائی لا یعرفہم غیری سے یہی لوگ مراد ہیں۔ ابدال۔ نقبا اور نجبا میں بعض عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں۔

مفردین قطب کی نظر سے خارج رہتے ہیں ان کو امور عالم میں ایک دوسرے سے صلاح کرنے یا غوث سے مشورہ کرنے کی احتیاج نہیں ہوتی۔ صاحب فتوحات لکھتے ہیں کہ خضر علیہ السلام اسی گروہ سے ہیں اور حضرت رسول اللہ علیہ السلام بعثت سے پہلے اسی جماعت میں تھے۔

سیّد اشرف نے فرمایا کہ ان منصب داروں میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔ اور جو ترتیب کشف سے معلوم ہوئی وہ پہلے بیان کی جا چکی ہے۔

رسالہ قشیری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اصحاب سے بڑھکر کسی کی فضیلت نہ تھی۔ ان کے بعد تابعین ہوئے پھر تبع تابعین۔ ان کے بعد زاہدین۔ عابدین اور صلحاء امت کا شمار ہوا۔ ہر فرقہ نے اپنے گروہ میں سے عابدوں اور زاہدوں کو مشہور کرنا شروع کیا۔ تب اہل سنت وجماعت نے اپنے اکابر کو صوفیہ کے لقب سے شہرت دی اور یہ واقعہ ۲۰۰ھ سے پہلے کا ہے۔ سب سے پہلے جس بزرگ کو صوفی کا خطاب دیا گیا وہ ابوالہاشم تھے۔ سفیان ثوری سے منقول ہے کہ ابوالہاشم نہ ہوتے تو ہم کو ریا کی باریکیاں نہ معلوم ہوتیں۔ سب سے پہلے جو خانقاہ بنائی گئی وہ ملک شام میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر تھی اور اس کی تعمیر کا قصہ یہ ہے کہ ایک آتش پرست امیر شکار کے لئے گیا تھا۔ راہ میں دو شخصوں کو دیکھا کہ مختلف سمتوں سے آکر ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے جو کچھ پاس تھا نکال کر رکھا دونوں نے ساتھ بیٹھکر کھایا اور اس کے بعد جدا ہو گئے۔ امیر کو یہ محبت اچھی معلوم ہوئی۔ اس نے ایک سے پوچھا کہ دوسرا شخص کون تھا وہ بولا میں نہیں جانتا

اور یہ بھی معلوم نہیں کہ کہاں سے آیا تھا۔ امیر نے کہا کہ تم اس شخص سے واقف نہ تھے تو محبت کی وجہ کیا تھی۔ درویش نے جواب دیا کہ یہ ہماری طریقت ہے۔ امیر نے پوچھا تمہارے رہنے کی کوئی جگہ ہے اس نے انکار کیا تو امیر نے کہا میں تمہارے لئے ایک گھر بنوا دوں جہاں تم سب لوگ جمع ہوا کرو۔ درویش نے منظور کیا اور اس طرح شام میں پہلی خانقاہ تیار ہوئی۔

شرح تعرف میں ہے کہ صوفی کو یہ لقب اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کا ظاہر و باطن پاک ہوتا ہے۔ وہ اپنے باطن کو غیر خدا سے پاک کرتے حق کے سوا کسی سے امیدوار نہیں ہوتے اور جو چیز ان کو حق تعالےٰ کی یاد سے غافل کرے اس کو ترک کر دیتے ہیں ان کو غرض اور طمع بالکل نہیں ہوتی۔ وہ خواہ کتنی ہی عبادت کریں خود کو تقصیر وار سمجھتے ہیں۔

بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ صوفی وہ ہے جس کا معاملہ حق تعالےٰ سے صاف ہو اور خدا نے اس کو کرامت عطا کی ہو۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ صوفی نہ بود اگر بود صوفی نہ بود۔ یعنی صوفی کی بود[1] نہیں ہوتی اگر بود ہو تو صوفی نہیں۔ شیخ ابوالحسن خرقانی سے کسی نے پوچھا کہ صوفی کون ہے۔ انھوں نے کہا کہ تسبیح سجادہ اور رسوم سے کوئی صوفی نہیں ہو جاتا "صوفی وہ ہے جو نہ ہو" آفتاب کی حاجت نہ ہو

---

[1] خلاصہ نگار کے ایک محترم بزرگ فرماتے ہیں۔

"جز احمد بے میم نہ غیبے نہ شہودے　　جز احمد یا میم نہ بودے نہ نمودے"

یہاں 'بود' سے اسی بود کی طرف اشارہ ہے فہم من فہم۔

چاند ستاروں کی ضرورت نہ ہو بستی کی احتیاج نہ رہے دن رات حق تعالےٰ کی یاد میں بیدار رہے اور حق کا ذکر کرے تو سر سے قدم تک اس کا ہر عضو باخبر ہو۔

سیّد اشرف فرماتے تھے کہ دعویٰ کرنے سے کوئی صوفی نہیں بن سکتا۔ اس لئے گواہوں کی ضرورت ہے پہلا گواہ انکسار تام اور دوسرا گواہ توجہ الی اللہ مستدام (ہمیشہ) آج کل تصوّف کا نام رہ گیا ہے حقیقت باقی نہیں رہی۔ پہلے حقیقت تھی نام نہ تھا۔ صوفی وہ ہے کہ جو کسی چیز کا مالک نہ ہو نہ کسی دوسرے کو کسی چیز کا مالک بنائے۔

شیخ عبداللہ کاشی شیخ اکبر کا یہ قول نقل کرتے تھے کہ صوفی وہ ہے جس کا نام نہ ہو نہ اسم نہ صفت نہ نشان دنیا کو اہلِ دنیا کے لئے ترک کرے عقبیٰ طالبِ آخرت کی نذر کرے۔ انانیت شیاطین کے لئے چھوڑے۔ جہالت کی سیاہی اور علم کی سفیدی سے باہر نکلے شرکِ خفی سے پاک ہو نظر کو غیر حق سے باز رکھے۔ تب ولایت کا نور جمال میسر آتا ہے۔ صوفی کو دو سبب سے یہ لقب دیا جاتا ہے صفائے اسرار یا صفِ اول میں شامل ہونے کی وجہ سے یا اس باعث کہ ان کو اصحابِ صفہ سے نسبت ہے۔ لیکن بشیتر مشائخ کو صوفی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ صوف کا لباس پہنتے ہیں اور صوف پیغمبروں کا لباس بتایا جاتا ہے۔

سید اشرف فرماتے تھے کہ تصوف کے معانی اکابر نے بہت تفصیل سے بیان کئے ہیں لیکن مجھ کو سید الطائفہ کا قول بہترین معلوم ہوتا ہے کہ التصوّف کلہ ادب یعنی تصوف سراسر ادب ہے۔ کیونکہ تصوف کے کل مقاصد اور معانی لفظ "ادب" میں شامل ہیں۔ اس جماعت کے کل احوال و مقامات کا خلاصہ

اس لفظ میں بیان کردیا ہے۔ (۱) اقرار وحدانیت۔ (۲) انکسار (۳) التزام ملازمت درویشاں (۴) عبادات ومعاملات مثل نماز وزکوٰۃ وغیرہ (۵) اذکار واشغال جلسہ۔ مراقبہ۔ مشاہدہ۔ فی الحقیقت سب ادب کے اجزاء ہیں۔

از خدا جوئیم توفیق ادب ؎ بے ادب محروم ماند از فضل رب

سبحان اللہ اس سے بڑھ کر کیا ادب ہو سکتا ہے کہ صوفی ملاحظہ عظمت وکبریائی حق سبحانہ میں ایسا غرق ہو کہ "ہمہ اوست" کا نعرہ لگائے اور فناء الفنا کی کثرت حاصل کر کے بقاء البقاء حقیقی تک رسائی پائے۔

حضور حضرتش چوں دید سالک ؎ ادب آں بود کہ خود را فنا کرد

لطیفہ پانچواں

معجزہ۔ کرامت۔ استدراج

کرامت خرق عادت ہے جو گروہ صوفیہ سے ظاہر ہو خواہ ارادہ سے ہو یا بغیر قصد کے۔ جواز کرامات کی پہلی دلیل یہ ہے کہ خلاف عادت امور خدائے تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں بلکہ ممکن ہیں۔ تمام اہلسنت وجماعت معجزات کو تسلیم کرتے ہیں جس طرح انبیاء سے معجزات ظاہر ہوتے ہیں اسی طرح اولیاء سے کرامت بھی صادر ہو سکتی ہے۔ خرق عادت دونوں ہیں لیکن نبی پر واجب ہے کہ اپنے معجزے کا دعویٰ کرے اور ولی کو لازم ہے کہ اپنی کرامت پوشیدہ رکھے صرف ضرورت کے وقت ظاہر کرے یا کسی حالت کے غلبہ میں بے اختیار

دعویٰ ہو جائے تو مجبوری ہے البتہ مریدوں کے تقویت اعتقاد کے لئے کرامت کا اظہار جائز ہے۔

معجزہ کرامت۔ استدراج اور جادو سب ایک ہی چیز ہے۔ اگر پیغمبر سے خرق عادت کا ظہور ہو تو معجزہ ہے۔ ولی سے کوئی امر خلافِ عادت ظاہر ہو تو کرامت ہے اور اگر مخالف شریعت سے کوئی امر عجب صادر ہو تو استدراج ہے۔ حضرت آصف بن برخیا کا تخت بلقیس کو ایک ساعت میں سبا سے بیت المقدس منگانا کرامت تھی۔ کیونکہ وہ نبی نہ تھے حضرت مریم کے پاس رزق پہنچا کلما دخل علیھا زکریا المحراب وجد عندھا رزقاً (جب کبھی زکریا محراب میں داخل ہوتے تھے مریم کے پاس رزق پاتے تھے) ان کی کرامت تھی کیونکہ وہ نبی نہ تھیں۔ اسی طرح اصحاب کہف کا قصہ ناقص عادات ہے۔ اور یہ سب دلیلیں کلام مجید سے ماخوذ ہیں۔ احادیث سے بھی کرامات کا اثبات ہوتا ہے۔

مثلاً حدیثِ صحیح میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ گزشتہ زمانہ میں تین شخص کسی جگہ جا رہے تھے رات ہو گئی تو ایک غار میں بیٹھ رہے۔ ایک پہر رات گزرنے کے بعد پہاڑ سے پتھر گرا اور غار کا منہ بند ہو گیا یہ لوگ بہت پریشان ہوئے۔ جب رہائی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو باہم طے کیا کہ اپنی زندگی میں خدا کے واسطے جو کار خیر کیا ہو اس کو درگاہِ خداوندی میں شفاعت کیلئے پیش کریں تاکہ اس مصیبت سے نجات ملے۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ میرے ماں باپ زندہ تھے اور میرے پاس کچھ نہ تھا جس سے ان کی خدمت کرتا صرف ایک بکری تھی اس کا دودھ اپنے والدین کو دیا کرتا تھا۔ لکڑی کا گٹھا جنگل سے لاتا تھا۔ اس کو بیچ کر

خوراک کا بندوبست کرتا تھا۔ ایک رات مجھ کو واپسی میں دیر ہوئی۔ جب میں دودھ کا پیالہ والدین کے پاس لے کر گیا تو وہ سو چکے تھے۔ میں ہاتھ میں پیالہ لئے کھڑا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ وہ بیدار ہوئے اور انھوں نے طعام قبول کیا تب میں بیٹھا۔ اے خدا اگر میں سچ کہتا ہوں تو میری فریاد رسی کر وہ پتھر ہٹا اور ایک شگاف ظاہر ہوا۔ تب دوسرا شخص بولا کہ میرے چچا کی بیٹی بہت خوبصورت تھی اور میں اس کے خیال میں ہر وقت مشغول رہتا تھا ایک شب سو دینار کی لالچ دے کر میں نے اس کو اپنی خلوت میں بلایا۔ جب وہ نزدیک آئی میرے دل میں خدا کا خوف پیدا ہوا اور میں اس سے باز رہا اے خدا اگر میں سچ کہتا ہوں تو میری مصیبت دور کر وہ پتھر پھر ہٹا اور شگاف زیادہ ہو گیا تیسرا شخص بولا کہ مزدوروں کا ایک گروہ میری خدمت میں تھا وہ روزگار کرتے تھے اور اور اپنی اجرت لے جاتے تھے۔ جب عمارت تمام ہوئی تو سب مزدور اپنی اپنی اُجرت لے گئے لیکن ایک شخص غیر حاضر ہو گیا میں نے اس کی اُجرت سے ایک بکری خرید کی اور اور اس کی نسل بڑھاتا رہا۔ چالیس سال کے بعد ایک دن وہ آیا اور کہا میری مزدوری تمہارے یہاں باقی رہ گئی تھی ادا کرو۔ میں نے کہا یہ بکریوں کا گلہ سب تمہاری مزدوری ہے لے جاؤ وہ سمجھا میں دھوکہ دیتا ہوں۔ میں نے کہا مذاق نہیں ہے اور وہ گلہ سب اس کے حوالہ کر دیا۔ اے خدا اگر میں سچ کہتا ہوں تو اس مصیبت سے نجات دے۔ وہ پتھر غار کے دہانے سے ہٹ گیا اور تینوں آدمی باہر نکل آئے یہ روایت جواز کرامت کا ثبوت ہے۔

علاوہ اس کے جریج راہب کی حکایت بھی حدیث میں ہے یعنی بنی اسرائیل میں ایک راہب جریج نام بڑا عبادت گذار تھا۔ اس کی ماں ایک دن دیدار کے لئے

آئی تو جریج نماز میں تھا۔ اس نے دروازہ نہ کھولا۔ ماں پلٹ گئی۔ دوسرے دن اور پھر تیسرے دن آئی۔ لیکن ایسا ہی قصہ پیش آیا اور عبادت خانہ کا دروازہ نہ کھلا۔ ماں نے تنگدل ہو کر دعا کی کہ یا رب میرے بیٹے کو رسوا کر۔ اتفاقاً اس زمانہ میں ایک عورت جریج کو بدکار بنانا چاہتی تھی مگر وہ التفات نہ کرتا تھا وہ ایک گڈریئے سے حاملہ ہوئی اور مشہور ہوا کہ یہ نطفہ جریج کا ہے جب بچہ پیدا ہوا تو باشندگانِ شہر جریج کو سزا کے لئے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ جریج نے اسی دودھ پیتے بچہ سے پوچھا کہ تیرا باپ کون ہے تو وہ قدرتِ خداوندی سے بولا کہ میری ماں نے تجھ کو جھوٹ لگایا ہے۔ میرا باپ ایک گڈریا ہے۔

علاوہ اس کے صحابہ تابعین اور مشائخ سے اس قدر کرامات کا ظہور ہوا ہے کہ تحریر و تقریر میں نہیں آسکتا۔ اولیاء کی کرامات اور انبیاء کے معجزات سے ہرگز انکار نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اس سے دین کی بربادی ہے۔ آج کل بعض لوگ اپنے کو ولایت کے اعلیٰ مراتب پر سمجھتے ہیں اور کرامت سے انکار کرتے ہیں کیونکہ ان کا دامن اس سے خالی ہے اگر ظاہر شریعت کے مطابق نہیں اور باطن طریقت کے خلاف ہو تو ایک لاکھ خرق عادات بھی کرامت نہ کہے جائیں گے بلکہ وہ استدراج ہوگا۔ خرق عادت بہت صورت میں ہو سکتا ہے مثلاً موجود کو معدوم کرنا یا معدوم کو موجود کرنا پوشیدہ امور کو ظاہر کرنا مسافتِ بعید تھوڑی مدت میں قطع کرنا ایک وقت میں مختلف جگہ حاضر ہونا مردے کو زندہ کرنا درختوں اور جانوروں کی بولی پہچاننا پانی پر چلنا ہوا میں اڑنا وغیرہ وغیرہ۔

جب حق سبحانہ اپنے کسی دوست کو مظہر قدرت بناتا ہے تو وہ دنیا میں تصرف کر سکتا ہے۔ لیکن درحقیقت وہ تاثیر و تصرف حق سبحانہ کا ہے جو اس شخص کے ذریعہ

سے ظاہر ہوا۔ صوفیہ حتیٰ الامکان کرامات کا اظہار نہیں کرتے البتہ طالبوں کے اطمینانِ قلب کے لئے اظہار جائز ہے۔ شیخ ابوالخیر کہتے تھے جو اپنے عمل ظاہر کرے وہ ریاکار ہے اور جو اپنا حال نمایاں کرے وہ مدعی ہے۔ انھوں نے ایک شخص کو پانی پر چلتے ہوئے دیکھا تو اس کو ٹوکا کہ یہ کیا بدعت کرتا ہے کنارے آ اور خشکی پر چل اس نے نہ مانا تو شیخ نے پوچھا کہ کہاں جاتا ہے اس نے کہا کہ حج کو جاتا ہوں تو جواب دیا کہ جا کرامت فریش تو دھوکہ میں ہے۔ جن کا خیال ضعیف ہوتا ہے ان کی تقویت اور یقین کے لئے کرامت عطا کی جاتی ہے لیکن جن کا حجابِ وجود دور ہو گیا اور معرفت کی عزت حاصل ہوئی ان کے یقین کے لئے تقویت کی ضرورت نہیں ہے۔"

اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلوب آنحضرت کی برکتِ صحبت اور انوارِ نبوت کے مشاہدے سے یقین سے منور تھے جو کچھ ان کو حق سبحانہ نے عنایت کیا تھا اس پر قانع تھے جو دوسروں کے لئے غیب تھا وہ ان کے لئے شہادت لہٰذا ان کے یقین کو تقویت کی ضرورت نہ تھی۔

امام یافعی کا قول ہے کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ لوگ اولیاء ابرار و تارکان دنیا کی طرف جادو کا گمان کرتے ہیں۔ جو شیاطین کا فعل ہے۔ حالانکہ ان حضرات نے اپنے قلوب کی جاروب کشی کی ہے اور نفسوں کو مردہ کر کے زندہ کیا ہے۔

حضرت غوث الثقلین سے جس قدر کرامات کا ظہور ہوا ہے اتنا کسی دوسرے بزرگ سے نہیں ہوا چنانچہ انھوں نے خود کہا ہے کہ سالکوں کا سلوک مکان قاب قوسین تک پہنچتا ہے لیکن یہ فقیر سرحد قضا و قدر سے باہر نکل جاتا ہے۔

ایک روز شیخ علاء الدین سمنانی کے سامنے کسی شخص کی تعریف کی گئی کہ وہ

ایک ساعت میں سمرقند سے کعبہ جاتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہ بہت سہل ہے شیطان طرفۃ العین میں مشرق سے مغرب کی طرف پہنچ جاتا ہے۔

شیخ صدقہ بغدادی ایک دن غوث الثقلین کی مجلس وعظ میں آئے اور مشائخ کے درمیان میں بیٹھے حضرت مجلس میں تشریف لائے تو نہ کوئی لفظ بولے نہ قاری نے کچھ پڑھا مگر سب حاضرین پر وجد کا عالم طاری ہو گیا شیخ صدقہ کو بہت تعجب ہوا اور دل میں سوچنے لگے کہ حضرت نے کچھ نہیں کہا وجد کی حالت کیونکر طاری ہوئی تو حضرت ان کی طرف مخاطب ہو کر بولے کہ اس وقت میرا ایک مرید بیت المقدس سے ایک قدم میں یہاں آیا ہے اور میرے ہاتھ پر توبہ کی ہے تمام حاضرین اس کی مہمانی میں مصروف ہیں۔ شیخ صدقہ کو پھر وسوسہ ہوا کہ جو شخص ایک قدم میں بیت المقدس سے بغداد آیا ہے اس کو توبہ کی کیا ضرورت! اور پیر کی کیا حاجت۔ حضرت نے پھر ایک طرف رُخ کیا اور فرمایا کہ اس کو توبہ اس امر سے کرنا چاہیئے کہ دوبارہ ہوا پر نہ اڑے اور پیر کی حاجت اس لئے ہے کہ حق سبحانہ کی محبت کا راستہ دکھلائے۔

سید اشرف فرماتے تھے کہ کرامات اور واقعات کی طرف اولیاء کی نظر ابتدائے حال میں ہوتی ہے جس طرح بچوں کو انگور کا لالچ دے کر مدرسے بھیجتے ہیں۔ امام غزالی کے مرشد خواجہ ابو یوسف ہمدانی نے فرمایا ہے کہ یہ سب خیالات ہیں جن سے اطفالِ طریقت کی پرورش کی جاتی ہے۔ غرض اکابر روزگار سے کرامات کا اظہار کبھی تو ان کی قابلیت اور استعداد کی وجہ سے بغیر قصد کے ہوتا ہے اور کبھی مریدوں کے اطمینانِ خاطر کے لئے اس نیت سے ہوتا ہے کہ وہ لوگ بھی کوشش کر کے پیر کے درجہ تک پہنچیں اپنی خود نمائی منظور نہیں ہوتی بلکہ مریدوں اور طالبوں کی ہدایت

مقصود ہوتی ہے۔

لطیفہ چھٹا

اہلیت شیخی اور آداب مرشد و مرید

شیخ کو احوالِ مرید سے آگاہ اور علوم زہد و تجرید و تفرید کا عالم ہونا چاہیئے تاکہ مرید کے حال کے موافق ارشاد فرمائے اور اس کو راستے کی دشواریوں سے آگاہ رکھے جس شیخ میں یہ اوصاف نہ ہوں اس کی پیروی جائز نہیں۔

مرید اور مراد کے دو معنی ہیں ایک مقتدی مقتدا اور دوسرے محب اور محبوب۔ مقتدا ہونے کا یہ مقصود ہے کہ ضلالت اور جہالت کے مریضوں کو بلند مقامات کا راستہ دکھا سکے سالک مجذوب ہو جس نے نفسانی ظلمات کی تمام گھاٹیوں سے بقدم سلوک عبور کیا اور جذبۂ حق کی مدد سے کشف و یقین کے مرتبہ تک پہنچا یا مجذوب سالک ہو کہ جذبات کی امداد سے عالم کشف تک پہنچا یا۔ اس کے بعد منازل طے کئے اور حقیقتِ حال کو دنیا کی صورت میں پایا۔

شیخی اور مقتدائی کے لئے یہ دو گروہ مناسب ہیں۔ سالک ابتر جو مشاہدہ تک نہیں پہنچا اور مجذوب ابتر جو سیر و سلوک کے دقیقوں سے واقف نہیں ہوا۔ شیخی کے قابل نہیں ہے وہ مرید پر جو کچھ تصرف کرے گا اس میں اصلاح سے زیادہ فساد کا اندیشہ ہے۔

ہر تدادی را کہ ایشاں می کنند   آں عمارت نیست ویراں می کنند

مرید کے وجود میں کمال کی استعداد مثل بیضۂ مرغ کے ہے۔ جس میں اڑنے استعداد موجود ہوتی ہے لیکن کسی بالغ کی حمایت اور ہمت کی ضرورت ہے جو کچھ عرصہ تک اس کو گرمی پہونچائے تاکہ انڈے سے ایک صورت پیدا ہو کر اڑنے کے قابل ہو انڈا ایسے مرغ کے پر کے نیچے رکھا جائے جو مرتبۂ بلوغ کو نہیں پہنچا ہے تو وہ بیضہ گندا ہو جائے گا اور اڑنے کی استعداد فاسد ہو جائے گی اسی طرح مرید صادق اپنے وجود کو شیخ کامل کے تصرف میں رکھے تو مرتبۂ کمال کو پہنچ سکتا ہے لیکن سالک ابتر یا مجذوب ابتر کے تصرف سے کمال استعداد فاسد ہو جائے گی۔

دنیا میں سنتِ الٰہی یوں جاری ہے کہ توالد و تناسل کا وجود مرد اور عورت کے ازدواج سے ہوتا ہے۔ اسی طرح عالم معنی میں بھی آدمی کی حقیقت جو عبودیت محض ہے بغیر مراد اور مرید کے وجود میں نہیں آتی اور اسی کو اہلِ مکاشفہ ولادت ثانیہ کہتے ہیں من لم یولد مرتین لم یلج ملکوت السموات والارض (یعنی جو شخص دوبارہ پیدا نہ ہو وہ آسمان اور زمین کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا) پہلی ولادت یہ تھی کہ پیٹ سے پیدا ہوا اور آدمی بنا دوسری زائیدگی یہ ہوئی کہ جسم کی تاریکیوں سے نکل کر مرشد کے وسیلے سے نور تک پہنچا تب زمین و آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونے کے قابل ہوا۔

اگرچہ فرزند کا وجود خدا کی قدرت سے عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بغیر باپ کے ممکن ہے اور بعض مجذوبوں کا بغیر مرشد کے ترقی کرنا منقول ہے لیکن ولادت بے پدر میں آفات ہیں جیسے کہ ولادتِ عیسیٰ علیہ السلام سے بعض نصاریٰ گمراہ ہوئے اور ان کو خدا کا بیٹا کہنے لگے اسی طرح مجذوب بے وسیلہ مرشد کے پیروی سے آفات

کا خطرہ ہے طالبِ صادق کو لازم ہے کہ کسی سالکِ مجذوب یا مجذوب سالک کا دامن پکڑے اور قولِ فعل اور حال سے اس کی پیروی کرے اور کوئی کلمہ غرور کا اپنی زبان پر نہ آنے دے۔ اور یہ وسوسہ نہ ہو کہ اس کو مرشد کی احتیاج باقی نہ رہی سالک کتنی ہی منزلیں طے کر جائے لیکن شیخ کا محتاج رہے گا۔

شیخ مجدالدینؒ بغدادی ایک دن درویشوں کی جماعت میں بیٹھے تھے سکر کی حالت میں کہا کہ ہم دریا کے کنارے مثل بطخ کے انڈے کے تھے اور ہمارے شیخ نجم الدین کبریٰ مرغ تھے جنھوں نے تربیت کر کے ہم کو بیضہ سے نکالا۔ ہم بطخ کے بچے تھے دریا میں چلنے لگے لیکن شیخ کنارے پر رہے۔ شیخ نجم الدین کو اس قول کی خبر ہوئی تو ان کی زبان سے نکلا کہ "الٰہی یہ دریا میں مرے" مجدالدین نے سُنا تو بہت خوفزدہ ہوئے اور چند روز کے بعد جب شیخ کی طبیعت خوش تھی ننگے پاؤں آگ سے بھرا ہوا طشت سر پر رکھ کر ان کی جوتیوں کے پاس کھڑے ہوئے شیخ نے فرمایا کہ عذرخواہی درویشوں کے طریقہ سے کرتا ہے تو تیرا ایمان سلامت رہے لیکن سر جائے اور تو دریا میں مرے۔ میرا سر ملک خوارزم کے سرداروں کا سر تیرے سر کے ساتھ ہو اور عالم خراب ہو۔ مجدالدین شیخ کے قدموں پر گر پڑے اور سلامتی ایمان کی خوشخبری سے جان جانے کا بالکل غم نہ کیا اس قول کے تھوڑی مدت کے بعد شیخ مجدالدین نے خوارزم میں وعظ کہنا شروع کیا بادشاہ کی ماں جو

---

[1] شیخ مجدالدین بغدادی اور شیخ نجم الدین کبریٰ کا تذکرہ ابتدائی لطائف میں آچکا ہے۔ اس جگہ کسی قدر تفصیل سے ہے آئندہ اوراق میں بھی جستہ جستہ نظر آئے گا۔ (مترجم)

نہایت خوبصورت تھی وعظ سنتی تھی اور کبھی کبھی شیخ کی زیارت کو بھی جاتی تھی۔ دشمنوں نے بادشاہ کو خبر کی کہ آپ کی ماں نے امام ابو حنیفہ کے مذہب پر مجد الدین سے نکاح کر لیا ہے سلطان اس خبر سے رنجیدہ ہوا اور حکم دیا کہ شیخ کو دریائے دجلہ میں غرق کر دو حکم کی تعمیل ہوئی اور شیخ کی جان گئی شیخ نجم الدین نے سُنا ان کو بہت رنج ہوا سجدے میں گر پڑے اور اس کے بعد کہا "میں نے خدا سے درخواست کی ہے کہ اس فرزند کے خونبہا میں سلطان کا ملک چھین لے اور خدا نے قبول کر لیا"

بادشاہ کو خبر ہوئی نہایت پشیمان ہوا شیخ کی خدمت میں پیادہ پا حاضر ہوا ایک سونے سے بھرے ہوئے طشت پر شمشیر و کفن رکھ کر ننگے سر حضرت کے نعلین کے پاس آکر کہنے لگا کہ حضور خونبہا چاہتے ہیں تو یہ سونا حاضر ہے قصاص چاہتے ہوں تو یہ تلوار ہے اور میرا سر جھکا ہوا ہے۔ شیخ نے جواب دیا کہ اس کا خونبہا تیرا تمام ملک ہے تیرا سر جائے اور بہت سی مخلوق کا سر جائے اور میرا بھی سر جائے کان ذالک فی الکتاب مسطورا (یعنی ایسا ہی کتاب محفوظ میں لکھا ہوا تھا) سلطان نا امید ہو کر واپس گیا تھوڑے ہی عرصہ کے بعد چنگیز خان نے خروج کیا۔ خوارزم کی سلطنت تباہ ہوئی اور جو کچھ شیخ نے کہا تھا دنیا نے دیکھا۔ اگر مرید میں قابلیت و استعداد اپنے پیر سے زیادہ ہو تو شیخ کو چاہیئے کہ اس کو ارشاد کے لئے دوسرے اعلیٰ مشائخ کے سپرد کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو مقتدائی کے قابل نہیں لیکن مرید کسی حال میں شیخ سے انکار نہ کرے۔ البتہ اس کا مسکن بہت دور ہو یا شیخ کی وفات ہو جائے تو جائز ہے کہ کسی دوسرے بزرگ کا دامن تھامے

اور اس کی ہدایت سے منازل طے کرے۔

شیخ نجم الدین کبرےٰ ہمدان میں حدیث پڑھتے تھے سنا کہ اسکندریہ میں ایک محدث ہیں جن کے اسناد بہتر ہیں۔ اسکندریہ گئے اور ان سے بھی اجازت حاصل کی۔ واپسی کے وقت رسول علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور درخواست کی کہ مجھکو کنیت عطا فرمایئے۔ حضور نے فرمایا "ابوالجناب" خواب سے بیدار ہوئے تو سمجھے کہ دنیا سے اجتناب کا حکم ہے مرشد کی تلاش شروع کی۔ جس بزرگ کے پاس جاتے تھے عقیدہ نہ جمتا تھا کیونکہ خود عالم تھے ولایت خراسان میں پہنچے تو بیمار ہوگئے کوئی شخص اپنے مکان میں ٹھہرانے کا روادار نہ تھا۔ عاجز ہوکر ایک شخص سے پوچھا کہ یہاں کوئی مسلمان ایسا ہے جو غریب بیمار کو چند روز قیام کے لئے جگہ دے اس شخص نے کہا یہاں ایک خانقاہ ہے۔ وہاں کے شیخ اسمٰعیل نصری تمہاری خاطر کریں گے۔ شیخ نجم الدین وہاں گئے اور خانقاہ میں درویشوں کے مقابل صفہ پر جگہ ملی ان کی بیماری کو طول ہوا لیکن اس خانقاہ میں سماع ہوتا تھا اور ان کو بیماری سے اتنی تکلیف نہ تھی جتنی سماع سے مگر کمزوری کے باعث نقل و حرکت سے معذور تھے۔ ایک رات خانقاہ میں سماع ہورہا تھا۔ شیخ اسمٰعیل نے ان کو ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور محفل سماع میں دیوار کے سہارے سے کھڑا کردیا۔ ان کو کیفیت ہوئی۔ گرجانے کا اندیشہ تھا حالت درست ہوئی تو خود کو تندرست پایا اور بیماری باقی نہ رہی۔

دوسرے روز شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر مرید ہوئے اور سلوک شروع کیا۔ مدت تک مشق کرتے رہے ایک شب خیال آیا کہ علم سیکھ لیا اور

علمِ ظاہر شیخ سے زیادہ مجھ کو حاصل ہے۔ صبح کے وقت شیخ نے طلب کیا اور حکم دیا کہ تم عمار یاسر[1] کے پاس جاؤ یہ سمجھ گئے کہ شیخ ان کے وسوسہ سے واقف ہو گئے ہیں لیکن زبان سے کچھ نہ کہا اور عمار یاسر کی خدمت میں پہنچے۔ مدت تک سلوک کیا لیکن ایک رات وہاں بھی وہی وسوسہ ہوا جو شیخ اسمٰعیل کے یہاں ہوا تھا۔ اسی صبح کو شیخ عمار نے حکم دیا کہ مصر جاؤ اور روزبہان کی خدمت کرو۔ وہ تمہاری ہستی کو فنا کر دیں گے۔ حکم کی تعمیل میں مصر گئے اور خانقاہ روزبہان میں پہنچے تو شیخ اس جگہ موجود نہ تھے۔ مریدین مراقبہ کر رہے تھے کوئی متوجہ نہ ہوا۔ انھوں نے ایک شخص سے پوچھا کہ شیخ روزبہان کون ہیں۔ اس نے کہا کہ وہ باہر ہیں وضو کر رہے ہیں۔ ان کے قریب گئے تو دیکھا کہ شیخ تھوڑے پانی سے وضو کرتے ہیں۔ خیال آیا کہ جس شیخ کو یہ معلوم نہیں کہ اس قدر قلیل پانی سے وضو جائز نہیں تو وہ کیا تعلیم کریں گے۔ اس عرصہ میں شیخ نے وضو تمام کیا اور اپنے ہاتھوں کا پانی ان کے منہ پر چھڑک دیا جس سے فوراً حالت بے خودی طاری ہو گئی۔ شیخ خانقاہ میں داخل ہو کر نماز پڑھنے لگے اور یہ منتظر کھڑے رہے کہ شیخ رکعت ختم کریں تو یہ سلام کریں۔ اسی انتظار میں تھے کہ یکایک غفلت ہوئی دیکھا کہ قیامت قائم ہے۔ دوزخ سامنے ہے اور آدمی پکڑ پکڑ کر آگ میں ڈالے جا رہے ہیں۔ راہ گذر کے پشتے پر ایک شخص بیٹھا ہوا ہے جو گرفتار کہتا ہے کہ میرا تعلق اس

---

[1] عمار یاسر شیخ نجم الدین سہروردی کے اصحاب میں سے تھے اور بڑے بلند پایہ بزرگ تھے۔ ۱۲

شخص سے ہے اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور دوسروں کو آگ میں ڈالتے ہیں۔

آخر یہ بھی پکڑے گئے جب پشتے کے قریب پہنچے تو کہا میرا تعلق اس شخص سے ہے موکلوں نے رہا کر دیا۔ یہ پشتے پر چڑھے تو دیکھا کہ شیخ روز بہان ہیں۔ قدموں پر گر پڑے۔ شیخ نے تھپڑ مارا اور کہا آئندہ اہلِ حق سے کبھی انکار نہ کرنا اس کے بعد ہوش آگیا تو دیکھا کہ شیخ سلام پھیر چکے ہیں۔ ان کے قدموں پر گرے انھوں نے عالمِ شہادت میں بھی تھپڑ مارا اور وہی الفاظ کہے جو عالمِ غفلت میں انھوں نے سنے تھے۔ نجم الدین کبریٰ کا مرض باطنی دور ہو گیا۔ تب شیخ روز بہان نے حکم دیا کہ عمار یاسر کے پاس واپس جاؤ اور ایک خط ان کی معرفت بھیجا جس میں لکھا تھا کہ تمہارے پاس جتنا تانبا ہو بھیج دو میں اس کو سونا بنا کر واپس کر دوں گا۔

حسب الحکم شیخ عمار کے پاس واپس آئے اور سلوک تمام کیا تب درجۂ ولایت کو پہنچے اور ملک خوارزم میں خلق اللہ کی ہدایت سپرد کی گئی۔ مشائخ کا اجماع ہے کہ شیخ اول سے انکار نہ ہو اور متعدد مشائخ سے اجازت لے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ نجم الدین کبریٰ کا واقعہ بیان کیا گیا۔

ایسا ہی قصہ شیخ ابو الغیث یمنی کا ہے وہ پہلے ڈاکو تھے توبہ کی توفیق ہوئی اور شیخ ابن الافلح کی صحبت سے نفس پاکیزہ ہوا کرامات ظاہر ہونے لگیں اور ایک دفعہ عطر کی ضرورت تھی بازار گئے۔ عطار سے کچھ گفتگو ہوئی اس نے کہا "میری دوکان میں عطر نہیں ہے" ابو الغیث بولے "تیری دوکان میں عطر نہ ہوگا" اسی وقت دوکان سے عطر غائب ہو گیا۔ عطار نے ابن الافلح سے شکایت کی شیخ نے ابو الغیث کو بلا کر اظہار کرامت پر تنبیہ کی اور اپنی محفل سے نکال دیا بہت معذرت کی مگر قبول نہ ہوئی۔ مجبوری

سے رخصت ہوئے اور دوسرے شیخ کے پاس گئے مگر جس بزرگ کے پاس جاتے
وہ کہتا تھا کہ تم کو شیخ کی حاجت نہیں۔ یہاں تک کہ شیخ کبیر ابدال کے پاس پہنچے۔
انھوں نے اپنی خدمت میں رکھنا منظور کیا۔ ابوالغیث خود کہتے تھے کہ میں مثل ایک قطرے
کے تھا۔ شیخ کبیر کی صحبت سے دریا میں مل گیا۔

مولانا[1] فخر الدین نورستانی نے تحصیل علوم ظاہری کے بعد سلوک کا ارادہ کیا۔
مصر کے ایک مدرسہ میں رہتے اور کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ ایک دن پڑھنے سے
دل سرد ہوا۔ مکان، اسباب، کتابیں چھوڑ کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلوک
میں مشغول ہوئے جب تک وہ زندہ رہے ان کی خدمت کی۔ ان کی وفات کے بعد
شیخ کامل کی تلاش میں سفر اختیار کیا۔ اس وقت شیخ محی الدین طوسی کی شہرت تھی
ان کے پاس پہنچے لیکن طلب کی پیاس نہ بجھی۔ وہاں سے چل کر ایک ویران گاؤں میں
اخی علی قتلق شاہ[2] کے فرزندوں کے پاس گئے وہاں بھی طبیعت نہ جمی تب ایک

---

[1] سال وفات ۸۲۰ھ کے بعد ہے۔ مصر میں وفات پائی۔ امام شافعی کے مرقد مبارک کے نزدیک قبر ہے۔ ایک بزرگ "شیخ شیبا اللہ" مصر میں صاحب ارشاد تھے۔ ان سے فیض حاصل کیا تھا۔ اس کے بعد شیخ محی الدین طوسی کے پاس پہنچے جو امام غزالی کی اولاد سے تھے۔ اور ان سے بھی مستفید ہوئے۔ ۱۲

[2] شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی کے ایک مرید شیخ عبداللہ غرجستانی تھے۔ ان کے خلیفہ اور جانشین اخی علی قتلق شاہ ہوئے۔ شیخ عبداللہ نے جہاد میں درجۂ شہادت پایا۔ اور قتلق شاہ ان کے جانشین ہوئے۔ ۱۲

گاؤں کی طرف گئے جہاں شیخ حافظ نام ایک بزرگ رہتے تھے وہ اس دن کسی دوسرے گاؤں میں تھے۔ نورِ ولایت سے فخر الدین کے آنے کی خبر ہوئی اپنے دوستوں سے کہا کہ ایک عزیز مہمان ہمارے یہاں آیا ہے فوراً واپس جانا چاہیئے جب مکان پہنچے اور مولانا فخر الدین پر نظر پڑی تو کہا ؏

یار در خانہ و من گرد جہاں می گردم

ایک مدت تک اپنی صحبت میں رکھا اور منزلتِ قرب تک پہنچا دیا۔

سیّد اشرف فرماتے تھے کہ مقتدا کو لازم ہے مرید کی تربیت تبدریج سے کرے ادنیٰ مقام سے شروع کرا کے اعلیٰ تک لے جائے اور عین ثابتہ تک پہنچا دے تاکہ سلوک کی سیر کے بعد جذبہ حاصل ہو اور مشاہدہ تک پہنچے جب یہ نعمت نصیب ہو جائے تو خلافت کی سند دے اور خلعت عنایت کرے مجذوب ابتدائے حال میں جذبہ سے راہ طے کرتے ہیں اور ان کی روحانیت مقامات کی قید سے آزاد ہوتی ہے خواجہ ذوالنون قدس سرہٗ نے بایزید کے پاس پیام بھیجا کہ "خواب راحت کب تک رہے گا قافلہ روانہ ہو گیا۔ بایزید نے جواب دیا کہ" مرد وہ ہے جو تمام رات خواب کرے اور صبح کے وقت قافلہ سے پہلے منزل پر پہنچے "۔ خواجہ ذوالنون نے یہ جواب سنکر کہا "بایزید کو مبارک ہو ہم ان احوال تک پہنچے "۔

خواجہ بہاء الدین نقشبند کہتے تھے کہ محبوب مطلق سید کائنات علیہ السلام ہیں کہ دنیا کی آفرینش سے مقصود وہی تھے۔ خلعت محبوبی صرف ان کو یا ان کے تابعین کو دیا گیا ہے محب کے مرتبہ سے محبوبی تک بغیر ان کی متابعت کے کوئی شخص نہیں پہنچ سکتا۔ حقیقتِ محمدی کے ساتھ محبت قدیم کا جذبہ ویسا ہی ہے جیسا کہ مقناطیس کا

لوہے کے ساتھ مقناطیس نے اپنی خاصیت جاذبہ مجذوب اور محبوب کو عنایت کی
کہ دوسرے لوہے کو جذب کرسکے۔ اسی طرح روحِ محمدی نے جو مجذوب اور محبوب حق
ہے جذب کی خاصیت ہزاروں مومنوں کی ارواح کو عنایت کی اور ان میں سے ہر ایک
نے اپنی استعداد کے مطابق اس خاصیت سے حصہ پایا۔ صحابہؓ تابعین مشائخ اور علماء
سب اسی خاصیت سے فیضیاب ہوئے اور ہر مرید بامراد ہو گیا۔ جو شخص مشائخ کی
ارواح سے رابطہ پیدا کرتا ہے اس میں محبتِ الہٰی کی صفت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ
مشائخ کی ارواح روح نبی علیہ السلام سے متصل ہیں۔ پس جس مرید کی روح شیخ کامل
کی روح سے متصل ہوتی ہے وہ محبت کی خاصیت میراث پاتا ہے اور محبوبی اور مرادی
کے مرتبہ کو پہنچتا ہے لیکن جس شیخ نے محبتِ الہٰی کی خاصیت کسی دوسرے شخص سے
نہ حاصل کی ہو وہ مرتبۂ مرادی اور محبوبی پر نہیں پہنچتا اور ولایت و تصرف کے مقام تک
اس کی رسائی نہیں ہوتی۔

سید اشرف فرماتے تھے کہ شیخی کے لئے بہت شرائط اور آداب ہیں لیکن
دس شرطیں نہایت ضروری ہیں۔

شرط اوّل یہ ہے کہ جب تک پیر مسندِ ارشاد پر نہ بٹھلائے اپنی خوشی سے
بغیر اجازت کے اس منصب کی ہمت نہ کرے ؎

دلا تا بزرگی نیاری بدست　　　　بجائے بزرگاں نباید نشست

شیخ نجیب[1] الدین علی بن برغش کی ولادت سے پیشتر ان کے والد نے خواب

---

[1] شیخ شہاب الدین سہروردی کے شاگرد اور خلیفہ تھے۔ ۶۷۸ھ میں وفات پائی۔ ۱۲

دیکھا کہ امیر المومنین حضرت علی نے ان کے ساتھ کھانا تناول کیا اور بشارت دی کہ حق تعالیٰ
تم کو فرزند صالح و نجیب دے گا جب وہ بیٹا پیدا ہوا تو انھوں نے علی نام رکھا اور
نجیب الدین لقب مقرر کیا صاحب زادہ کو نو عمری سے فقیروں کے ساتھ الفت تھی۔
اور ان کے پاس بیٹھتے تھے والد ماجد بیش قیمت لباس اور لذیذ کھانے ان کے لئے تیار
کراتے تھے لیکن وہ التفات نہ کرتے اور کہتے تھے کہ میں عورتوں کے کپڑے نہیں پہنتا۔ نازک
مزاجوں کی غذائیں نہیں کھاتا جب وہ بڑے ہوئے ذوقِ طلب پیدا ہوا خلوت میں
رہنے لگے تو خواب میں دیکھا کہ شیخ کبیر کے روضہ سے ایک پیر باہر نکلے ان کے عقب
میں چھ درویش تھے جو ایک دوسرے کے پیچھے چلتے تھے۔ پیر اول نجیب الدین کو دیکھکر
مسکرائے ان کا ہاتھ پکڑ کر آخری پیر کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ یہ امانت ہے جو خدا
نے تمہارے سپرد کی ہے۔ نجیب الدین بیدار ہوئے اپنا خواب باپ سے بیان کیا تو
انھوں نے کہا کہ اس خواب کی تعبیر سوائے شیخ ابراہیم مجذوب[1] کے کوئی نہیں دے
سکتا۔ ایک شخص ان کے پاس تعبیر کے لئے بھیجا گیا تو شیخ ابراہیم نے کہا کہ یہ خواب سوائے
علی برغش کے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ پیر اول شیخ کبیر تھے اور دوسرے درویش ان کے
سلسلہ کے خلفاء تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آخری درویش زندہ ہیں اور تربیت ان کے
حوالہ کی گئی ہے۔ اس شیخ کو تلاش کرنا چاہیئے تاکہ مقصود حاصل ہو علی برغش نے اپنے
والد سے سفر کی اجازت لی اور حجاز کی طرف روانہ ہوئے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی

---

[1] شیخ ابراہیم مجذوب کا اسم مبارک مقدمۃ الکتاب میں بھی آیا ہے۔ انھوں نے سید اشرف
رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت کی بشارت دی تھی۔ ۱۲

کی خدمت میں پہنچے تو پہچانا کہ وہی بزرگ ہیں جن کو خواب میں دیکھا تھا۔ حضرت شیخ کو بھی خواب کی خبر تھی انھوں نے کہا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے تمہاری بہت سفارش کی ہے میں تمہارے انتظار میں تھا مسند ارشاد پر حق تعالےٰ کے حکم سے ایسے ہی کاموں کے لئے بیٹھا ہوں علی برغش کئی سال تک شیخ کی خدمت میں رہے۔ خلافت واجازت پاکر شیراز واپس آئے وہاں نکاح کیا خانقاہ بنائی اور طالبوں کے ارشاد میں مشغول ہوئے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ شیخ کی نسبت مع اللہ وآگاہی اس قدر استوار ہو کہ ملکۂ نفس ہو گئی ہو جس طرح دیکھنا اور سننا آنکھ اور کان کی خاصیت ہے وہی حیثیت دل کی یاد الہٰی کے ساتھ ہو تاکہ اشغال صوری یادداشتِ معنوی کے مانع نہ ہوں اور یادداشتِ معنوی اشغالِ صوری میں حرج نہ پیدا کرے۔ جب یہ نسبت حاصل ہو جائے تب خواجگانِ نقشبند اس کو بالغ شمار کرتے ہیں اور طالبوں کی تربیت وتکمیل کی اجازت دیتے ہیں۔

شیخ علاء الدین گنج نبات فرماتے تھے کہ مشاہدہ میں ایسا مستغرق ہونا چاہیئے کہ دکھ درد کی تکلیف محسوس نہ ہو۔ مصر کی کافرہ عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر جو ایک مخلوق تھے ایسی محو ہوئیں کہ ہاتھ کٹنے کی خبر نہ ہوئی تو محبانِ حق کو مشاہدہ خالق کی لذت میں درد کا احساس کیونکر باقی رہ سکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ عامر بن عبد القیس کے پاؤں میں زخم تھا جس کا علاج سوائے قطع عضو کے کچھ نہ ہو سکتا تھا۔ عامر نے پاؤں کٹوانے سے انکار کیا اور کہا کہ حق مختار ہے اس کا حکم مجھ کو منظور ہے۔ وہ زخم بڑھ کر زانو تک پہنچا اور نماز کے قابل نہ رہے تب آسمان کی طرف رُخ کرکے کہا میں بلا برداشت

کرنے کی طاقت رکھتا ہوں لیکن آپ کی خدمت سے باز رہنے کی استطاعت نہیں کتنی ہی سخت بلا ہوتی مگر آپ کی خدمت سے مانع نہ ہوتی تو میں کچھ پرواہ نہ کرتا۔ مگر یہ بلا آپ کی خدمت میں حارج ہے۔ اس لئے دور کرنا چاہتا ہوں۔" کاٹنے کے لئے جراح کو بلایا وہ دوائے بیہوشی لایا کہ پاؤں کاٹنے کا درد محسوس نہ ہو عامر نے کہا۔ "دوا کی ضرورت نہیں میرے پاس بیہوشی لانے کا نسخہ موجود ہے کسی شخص کو لاؤ جو میرے سامنے خدائے تعالےٰ کا کلام پڑھے۔ جب میری حالت متغیر ہو پاؤں کاٹ لینا مجھ کو خبر نہ ہوگی۔"

چنانچہ قرآن پڑھا گیا ان کو محویت طاری ہوئی پاؤں آدھا کاٹ کر جلا دیا گیا اور انھوں نے آہ نہ کی۔ جب قاری خاموش ہوا اور آپ کی طبیعت بحال ہوئی تو پوچھا پاؤں کاٹ لیا حاضرین نے اقبال کیا عامر نے ہاتھ بڑھا کر پاؤں اٹھایا اور کہا "یا الہٰی جب تک آپ نے چاہا پاؤں قائم رکھا۔ جب آپ کی مرضی ہوئی چھین لیا بہر حال آپ کا شکر واجب ہے۔"

شیخ ابوالحسن خرقانی نے کہا ہے کہ سالک کو آسمان سے ریشم کے تار میں باندھکر لٹکائیں اور ایسی تیز ہوا چلے کہ درخت پہاڑ و مکانات درہم و برہم ہو جائیں۔ مگر سالک کو جگہ سے جنبش نہ ہو تب وہ اس قابل ہے کہ مقتدا بنایا جائے اور مسند ارشاد پر جلوس کرے۔

سیّد اشرف فرماتے تھے کہ پیر محقق ہونا چاہیئے کیونکہ اصحاب تقلید کی اقتدا بنیاد فاسد ہے۔

حضرت شیخ احمد جام کی خدمت میں ایک دن ہرات کے اکابر تشریف لائے

اور توحید و معرفت پر گفتگو ہوئی۔ شیخ نے کہا تم یہ باتیں تقلید سے کہتے ہو وہ لوگ ناراض ہوئے اور بولے کہ ہم کو ہزاروں دلیلیں خدا کے وجود۔ توحید اور اس کی ازلیت وابدیت کے معلوم ہیں۔ ہم مقلد کیونکر کہے جا سکتے ہیں۔

شیخ نے فرمایا تم کو دس ہزار دلیلیں معلوم ہوں تو بھی مقلد ہوا انھوں نے دعوے کا ثبوت مانگا تو شیخ نے خادم سے کہا کہ تین موتی اور ایک طشت لاؤ۔ طشت آیا تو شیخ نے ان لوگوں سے پوچھا کہ موتی کی اصلیت کیا ہے جواب دیا کہ ماہ نیسان کی بارش کے قطرے سیپ میں گرے اور خدا کی قدرت سے موتی بن گئے۔ شیخ نے موتیوں کو طشت میں ڈالا اور فرمایا کہ جو محقق ہو وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہے تو یہ تینوں موتی ایک دوسرے سے مل کر پانی بن جائیں گے تم شروع کرو جب میری نوبت آئیگی تب میں بھی کہوں گا۔ انھوں نے بسم اللہ پڑھی مگر موتی اپنی صورت پر برقرار رہے۔ شیخ کی نوبت آئی تو انھوں نے طشت کے قریب منہ کر کے کہا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ تینوں موتی پانی ہو گئے اور طشت میں گھومنے لگے۔ شیخ نے کہا، خدائے بزرگ کے حکم سے ساکن ہو جاؤ فوراً ایک دانہ مروارید ناسفتہ کا بن گیا سب متحیر ہوئے اور اقرار کیا کہ ہم تقلید میں گرفتار تھے اور آپ درجہ تحقیق پر ہیں۔

تیسری شرط یہ ہے کہ مرید کے ہر نامناسب عمل پر مواخذہ کرے۔ سہل انگاری کو دخل نہ دے ورنہ سجادہ کا حق ادا نہ ہو گا پیر کا منصب مرید کو تمام ظاہری اور باطنی برائیوں سے پاک کرنا ہے اس کی مثال بادشاہ کی ہے جو رعایا کے مال میں خیانت کرے تو آخرت میں مواخذہ ہو گا۔ حضرت کے مرید گوہر علی کا قصہ مقدمہ کتاب میں لکھا جا چکا ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ انفاس وحرکات مرید کا محاسبہ لازم سمجھے عمل عزیمت پر کرائے اور رخصت کی اجازت نہ دے کیونکہ تاویلات عوام کے لئے ہیں جو ایمان رکھنے پر قناعت رکھتے ہیں لیکن حقیقتِ ایمان کا طالب عوام سے بلند تر ہے اس کو ریاضات اور مجاہدات کرنا چاہیئے۔ رخصتِ شرعی جائز نہیں۔ حضرت قدوۃ الکبریٰ کی عادت تھی کہ نماز شام اور حلقہ ذکر کے بعد اپنے اصحاب کا محاسبہ کرتے تھے۔ جاسوس مقرر تھے کہ ایک دوسرے کے افعال حضرت سے بیان کریں کوئی مرید ادائے نوافل میں سستی کرتا یا کارِ خیر میں تاخیر اس پر بہت خفا ہوتے تھے۔ شیخ علاء الدولہ سمنانی کا ارشاد نقل کرتے تھے کہ تمام انبیاء دنیا میں اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ مخلوق کو نفس کی شرور سے آگاہ کریں اور حق کا کمال دکھلائیں۔ اسی طرح شیخ کا بھی فرض ہے کہ مرید کو اس کے نقائص دکھلائے۔ کمال کا وسوسہ پیدا ہو یا ایسا عمل کرے جس سے کمال ظاہر ہوتا ہو تو شیخ کو ناراض ہونا چاہیئے۔ کیونکہ پیر اس لئے رنج اٹھاتا ہے کہ مرید کے نفس کو توڑے اس کی عاجزی ثابت کرے اور حق کا کمال دکھلائے۔ اگر مرید اپنا کمال دیکھتا ہے تو وہ شیخ کو رنج پہنچاتا ہے اور پیر کی محنت ضائع کرتا ہے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ مرید کے سامنے تنزیہہ و تقدیس سے ظاہر ہو اپنے اسرار پر مرید کو مطلع نہ کرے کیونکہ بشریت کے اوصاف دیکھنے سے عزت و حرمت کم ہوتی ہے اور مرید کو نقصان پہنچتا ہے یہ بھی لازم ہے کہ اسرار حقانی طالب کے حوصلہ کے مطابق کہے ورنہ اس کے لئے زہر قاتل ہے۔ منتہی کے لئے جو معارف صحیح ہیں وہ مبتدی کو بتائے جائیں تو انکار کرے گا اور فیض سے محروم رہے گا۔ شیخ

عمر عثمان مکی حضرت منصور کے استاد تھے۔ انھوں نے چند اجزا علم توحید میں لکھے تھے جن میں حقائق و معارف بیان کئے تھے وہ ان اوراق کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ منصور چھپا کر لے گئے۔ اور علمائے ظاہر کو دکھلا دیئے نازک بحثیں تھیں علما سمجھ نہ سکے اور شیخ عمر سے منکر ہو گئے۔ شیخ نے منصور کو بد دعا دی کہ الٰہی کسی شخص کو مسلط کر جو منصور کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر سولی پر چڑھا دے۔ منصور پر جو کچھ گذرا وہ اسی بد دعا کا اثر تھا۔

سب سے پہلے جو بزرگ معرفت کے اسرار زبان پر لائے وہ خواجہ ذوالنون مصری تھے۔ ان کے بعد سید الطائفہ نے یہ علم کتابوں میں لکھا شیخ شبلی کا وقت آیا تو انھوں نے منبر پر بیان کرنا شروع کیا اور کہا کہ "میں سنتا ہوں اور میں ہی کہتا ہوں دونوں جہاں میں میرے سوا کون ہے"۔

رازِ درون پردہ بروں کرد چوں خطیب
آمد فراز ممبر خود آشکار کرد!

خواجہ ذوالنون کا قول ہے کہ میں نے تین سفر کئے اور تین علم لایا پہلے سفر کا علم خاص و عام نے قبول کیا۔ دوسرے سفر کا علم خواص نے قبول کیا اور عوام نے انکار کیا۔ تیسرے سفر سے جو علم لایا اس کو نہ خواص نے قبول کیا نہ عوام نے۔ پہلا علم توبہ تھا جس کو خاص و عام نے قبول کیا۔ دوسرا علم توکل و محبت تھا جس کو خاص نے قبول کیا اور تیسرا علم حقیقت تھا جو خلق کی عقل سے باہر تھا اور کسی نے قبول نہ کیا۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ اپنے مرید کو دوسرے شیخ کے پاس بیٹھنے سے منع کرے

کرے بلکہ ان کے مریدوں کی ہمنشینی سے بھی باز رکھے۔ کیونکہ مشائخ طریقت مرید کی خواہشات کے خلاف حکم دیتے ہیں اگر وہ ایسے شخص کے پاس بیٹھا جس کی ہوا وہوس کچھ اور تھی اس نے اپنے شیخ کا حکم بیان کیا اور وہ اس مرید کی مرضی کے موافق ہوا تو اسی شیخ کی طرف توجہ کرے گا اور اپنے پیر سے منحرف ہو جائے گا جو ارتداد معنوی ہے۔ اگر دوسرے شیخ نے بھی اس کو وہی حکم دیا جو شیخ اول نے دیا تھا تو اپنے شیخ کی طرف رجوع ہونا چاہے گا۔ ادہر سے راندہ ادہر سے درماندہ ہو کر طبیعت اور جہالت کے زندان میں گرفتار رہے گا۔

نقل ہے کہ جس زمانہ میں خواجہ فرید الدین گنج شکر اپنے مرشد خواجہ قطب الدین بختیار کی خدمت میں حاضر تھے حضرت معین الدین چشتی کسی ضرورت سے تشریف لائے خواجہ قطب الدین ان کے استقبال کو گئے اور بہت تعظیم سے شہر میں لائے لیکن گنج شکر ان کی زیارت کو نہ گئے لوگوں نے اعتراض کیا کہ مرشد کے پیر تشریف لائے اور آپ ملازمت کو نہ گئے تو جواب دیا مجھ کو اپنے پیر سے کام ہے نہ کہ دوسرے سے علاوہ اس کے ایک مجلس میں دونوں بزرگ موجود ہوتے تو میں پہلے مرشد کے قدم چومتا جس کو وہ اپنے پیر کے لحاظ سے خلاف ادب سمجھتے اگر مرشد کے پیر کے قدم پہلے چومتا تو اپنے مرشد سے بے ادبی ہوتی۔ آخر کار ایک دن خواجہ معین الدین نے خود گنج شکر کو یاد کیا تو خواجہ قطب الدین نے گنج شکر کو دست گرفتہ پیر کے قدموں پر گرا دیا۔ دونوں بزرگ گنج شکر کو حجرے میں لے گئے اور عطا و عنایت سے مالا مال کر دیا۔

تمام مشائخ کا اتفاق ہے کہ مرید کو اس کی عادت کے خلاف حکم دینا چاہیئے

مثلاً وظائف واوراد کا شوق ہو ذکر وفکر کی طرف توجہ نہ ہو تو اس کو مشغولی بتانا چاہیئے اور جس کو وظائف کی طرف رغبت نہ ہو بلکہ نماز فرض بھی کبھی کبھی قضا ہو جاتی ہو۔ اس کو وظائف کی ترغیب دینا چاہیئے اور شغل باطنی میں زیادہ غلو نہ چاہیئے۔

اگر دو مرید مختلف مشائخ کے جن میں سے ایک کو وظائف کی تعلیم تھی اور دوسرے کو ذکر وفکر کی باہم ملاقات کریں اور ایک دوسرے کے اشغال دریافت کریں تو عجب نہیں کہ مشائخ سے انکار کی نوبت آئے۔

ابوبکر قطیعی[1] سے بغداد کے ایک شیخ نے پوچھا کہ تمہارے پیر نے کیا تعلیم کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ عبادت کرنے اور تقصیرات پر شرمندہ رہنے کی تاکید کی ہے۔ اس نے شیخ سے کہا کہ تمہارے پیر کو تصوف اور توحید میں زیادہ دخل نہیں معلوم ہوتا جو اپنی خطا دیکھتے ہیں اور واللہ خلقکم وما تعملون۔ ملاحظہ نہیں کرتے تاکہ کردار وگفتار بلکہ تمام اعمال کو حق کی طرف منسوب کریں۔ اس بزرگ کا قول صحیح تھا لیکن یہ تعلیم ہر مرید کے مناسب حال نہیں اور مبتدی کیلئے یقیناً زہر ہے۔ ابوبکر قطیعی کے دل میں اگر اپنے پیر سے انکار پیدا ہو جاتا تو ان کے سلوک میں ضرور خلل پڑتا۔

حکیم حاذق ہر مریض کو اس کی بیماری اور طبیعت کے موافق دوا بتاتا حرارت یا صفرا کا غلبہ ہوتا تو شربت تجویز کرتا ہے لیکن تپ یا بدہضمی ہو تو فاقہ کراتا ہے۔

---

[1] سال وفات ۳۶۸ھ ہے۔ عبداللہ بن احمد حنبل کے شاگرد تھے۔ بغداد میں وفات پائی۔ ۱۲

اسی طرح مشائخ بھی جو مجاہدہ مریض کے مناسب حال ہو بتاتے ہیں کسی کو سخت کسی کو آسان۔ ایک مرید دوسرے کے حال پر قیاس کرنے لگے تو نعمت سے محروم رہے۔ خواجہ مظفر کرمان شاہی کو سیاست اور سلطنت کی حالت میں ولایت اور کرامت عطا ہوئی۔ شیخ ابو سعید ابوالخیر فرماتے تھے کہ ہم کو اپنی درگاہ میں بندگی کی راہ سے لائے اور خواجہ مظفر کو خداوندی کے راستہ سے یعنی ہم نے مجاہدہ سے مشاہدہ پایا اور خواجہ مظفر مشاہدہ کے بعد مجاہدہ میں آئے۔

ساتویں شرط یہ ہے کہ مرید کو قوت حلال کی تاکید کرے اور اس کو سمجھائے کہ اللہ رزاق ہے وہ بغیر سعی و کوشش کے رزق دے گا جب تک مرید کو یقین اور توکل حاصل نہ ہو جائے اس کو تجرید ہی کے راستے پر رکھے۔ طعام مثل تخم کے ہے جو معدے کی زمین میں جاتا ہے حلال ہے تو نیک اعمال کے درخت پیدا ہوں گے مشتبہ ہے تو خطرات فاسد پیدا ہوں گے عبادت میں کاہلی ہوگی۔ حرام ہے تو گناہ کے درخت اگیں گے۔ اسی لحاظ سے شیخ ابو اسحاق شامی نے شیخ احمد ابدال کی ماں کو اکل حلال کی تاکید کی تھی تاکہ بچہ کو پاکیزہ دودھ پلایا جائے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ شیخ احمد ابدال چشت کے ایک رئیس زادے ہیں اور ان کی بہن بڑی صالحہ تھیں جن کے پاس شیخ ابو اسحق کبھی کبھی آتے تھے۔ انھوں نے بشارت دی کہ تیرے بھائی کے ایک بیٹا پیدا ہوگا جو مرتبۂ ولایت کو پہنچے گا اپنی بھاوج کی حفاظت کرو ایام حمل میں کوئی مشتبہ یا حرام غذا اس کے شکم میں نہ جائے وہ ضعیفہ صالحہ اپنے ہاتھ سے رسی بٹتیں اور اس کو بیچ کر بھاوج کی ضروریات پوری کرتی تھیں۔ ابو احمد پیدا ہوئے تو بہن نے اپنے گھر میں رکھا اور حلال کمائی سے پرورش کی۔ شیخ ابو اسحق آئے تو

خواجہ احمد کو دیکھ کر کہتے تھے کہ اس لڑکے سے خاندان بزرگ ظاہر ہوگا اور احوالِ عجیبہ کا مشاہدہ ہوگا۔ (آج دنیا میں سلسلۂ چشتیہ کا نور اسی چراغ کا اجالا ہے)

آٹھویں شرط یہ ہے کہ کوئی بزرگ اس سے بڑھ کر صاحبِ نسبت ہو تو اس بزرگ کی ملازمت اختیار کرے اور اپنے مریدوں کو بھی اس کی خدمت کا حکم دے اگر ایسا نہ کرے تو سمجھنا چاہیئے کہ اس کی شیخی حبِ جاہ اور جلبِ قلوب کے لئے ہے حقانیت نہیں ہے حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ موسیٰ اگر آج زندہ ہوتے تو میری پیروی کرتے پس مشائخ میں بھی یہی وصف ہونا چاہیئے۔ شیخ الاسلام احمد زندہ پیل نے ہرات کا سفر کیا اور موضع شکیبان تک پہنچے تو فرمایا کہ مشائخ شہر ہرات کو باغچہ کہتے تھے اور قاعدہ ہے کہ باغبان کی اجازت کے بغیر کوئی شخص باغ میں داخل نہیں ہو سکتا لہٰذا انصاریانِ ہرات مجھ کو بلائیں گے تو شہر میں داخل ہوں گا ورنہ نہیں۔ جابر بن عبداللہ کو اطلاع ہوئی تو اپنے والد شیخ عبداللہ[1] انصاری کا محافہ ہمراہ لے کر اس نیت سے باہر نکلے کہ شیخ احمد جام کو محافہ میں سوار کرا کے شہر میں لائیں بہت سے اکابر ہمراہ تھے موضع شکیبان میں پہنچے اور شیخ کا سامنا ہوا تو ان کی حالت غیر ہو گئی اور کچھ عرض معروض نہ کر سکے۔

دوسرے دن پھر محافہ لائے اور عرض کی کہ ہم حضور کو اپنے کاندھے پر سوار کر کے

---

[1] ابو اسماعیل عبداللہ بن ابی منصور محمد الانصاری الہروی نے نفحات الانس میں ان کو "شیخ الاسلام" کے لقب سے یاد کیا ہے لطائف اشرفی میں ان کے اقوال جگہ جگہ درج ہیں۔ شیخ احمد جام زندہ پیل بھی اپنے عہد میں شیخ الاسلام تھے۔

شہر میں لے جائیں گے۔ شیخ الاسلام نے منظور کیا محافہ پر بیٹھے اور اس کے دونوں بازو اکابر نے تھامے کسی دوسرے کو چھونے نہ دیتے تھے تھوڑی دیر خاموش رہے اس کے بعد فرمایا کہ محافہ رکھدو مجھے ایک بات کہنا ہے محافہ زمین پر رکھا گیا تو بولے تم جانتے ہو کہ ارادت کیا چیز ہے انھوں نے کہا آپ ہی فرمایئے ارشاد کیا کہ ارادت فرمانبرداری ہے اب تم لوگ سوار ہو جاؤ تاکہ میرے محافہ کو دوسرے لوگ اٹھائیں اور ہر ایک کو حصہ ملے۔ اکابر سوار ہوئے اور دوسروں نے محافہ لیا غرض شیخ عبداللہ انصاری کی خانقاہ میں پہنچے تو وہاں کے بیشتر بزرگوں نے جو صاحب ارشاد تھے اپنے اصحاب کو شیخ الاسلام کا مرید کرایا اور خود بھی ان سے مستفیض ہوئے۔

سید اشرف فرماتے تھے کہ مرید کو اخوان طریقت کے سوا کسی دوسرے سے گفتگو نہ کرنا چاہیئے اور اپنے واردات دوستوں سے بھی بیان نہ کرنا چاہیئے غیر جنس کی صحبت سے پریشانی ہوتی ہے۔ ع

روح را صحبت ناجنس عذابیست الیم

ہم نشینی اس شخص سے مناسب ہے جس سے پورا ربط ہو اور نسبت جنسی حاصل ہو سکے اسی وجہ سے بعض اکابر طریقت نے ارباب وجد و حال کو ان لوگوں کی ملاقات سے منع کیا ہے جن پر شریعت کے احکام غالب ہوں کیونکہ وہ لوگ طریقۂ وجد و توحید سے ربط نہیں رکھتے۔ صلحا۔ زہاد اور علمار فی نفس الامر عزیز ہیں اور محترم لیکن نسبت اور طریقت کے مناسب نہیں ہیں صحبت خاص میں اس قسم کے لوگوں سے وحشت ہوتی ہے۔ ایک دن سید اشرف رحمۃ اللہ علیہ معارف و حقائق بیان کر رہے تھے۔ ناگاہ ایک صاحب جن پر زہد و تقوی کا غلبہ تھا آ گئے آپ فوراً خاموش ہو گئے اور

فرمایا کہ یہ لوگ ان باتوں کے معتقد نہیں لہذا گفتگو کا رُخ بدل دینا چاہیئے۔ اس عزیز نے کہا میں معتقد ہوں آپ نے فرمایا کہ آمد سخن بند ہوگئی اور یہی میرے نزدیک حسنِ اعتقاد کا معیار ہے۔ ایک بار حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم محرم اسرار جماعت سے حقائق بیان فرما رہے تھے اتفاقاً وہاں بعض حضرات ایسے آگئے جو ان بلند باتوں کو سننے کی قابلیت نہ رکھتے تھے آنحضرت نے فرمایا کہ خمروا انائیکم یعنی اپنے برتنوں کو ڈھانکو جو محرم اسرار تھے وہ اس جوامع الکلم کا مطلب یہ سمجھے کہ اپنی استعداد کو چھپاؤ مگر جو حضرات نو وارد تھے اور ان معارف کی اہلیت نہ رکھتے تھے حضرت کے ارشاد کا یہ مطلب سمجھے کہ اپنے پیالوں کا منہ ڈھانکو تاکہ زہریلے حیوانات سے گزند نہ پہنچے۔

خواجہ حسن بصری نکات و معارف منبر پر بیان کرتے تھے اکثر یہ ہوتا تھا کہ جب تک بی بی رابعہ بصری حاضر نہ ہوں وعظ شروع نہیں کرتے تھے۔ ایک دن زیادہ انتظار کرنا پڑا تو کسی شخص نے ٹوکا کہ اصحاب انتظار کر رہے ہیں اور آپ ایک بڑھیا کا راستہ دیکھتے ہیں خواجہ نے فرمایا کہ جو لقمہ میں نے ہاتھی کے لئے بنایا ہے وہ چیونٹی کے منہ میں کیسے رکھ دوں۔

ایک بادشاہ نے اپنی لڑکی کا عقد سلطان[1] احمد خضرویہ کے ساتھ کرنا چاہا وہ بوجہ عدم مناسبت قبول نہ کرتے تھے۔ لڑکی نے ان کے پاس خفیہ پیام بھیجا کہ میں

---

[1] احمد بن خضرویہ نام۔ مسکن بلخ تھا مشائخ خراسان کے اکابر میں شمار ہے۔ شیخ بایزید بسطامی اور شیخ ابراہیم ادہم کی زیارت کی تھی۔ مزار مبارک بلخ میں ہے۔ ۱۲

آپ کو جوانمرد سمجھتی تھی۔ آپ کے واسطہ سے کسی فقیر کو دولتِ معنوی حاصل ہو جائے تو آپ کا کیا نقصان ہے یہ سنکر سلطان احمد نے نکاح قبول کیا چند روز کے بعد اس لڑکی کے معارف اور واردات اس قدر بڑھے کہ شیخ احمد کشف سے عاجز تھے۔ سلطان العارفین کی خدمت میں بسطام لے گئے تب وہ دقائق حل ہوئے بیوی کی آمدورفت سلطان العارفین کی خدمت میں زیادہ ہونے لگی تو سلطان احمد کو غیرت معلوم ہوئی بیوی نے کہا کہ تم میرے تن کے محرم ہو مگر وہ میری جان کے محرم ہیں سلطان العارفین کی خدمت میں وہ بے حجاب جاتی تھیں۔ ایک روز سلطان العارفین نے فرمایا کہ تمہارے ہاتھ میں مہندی لگی ہے فوراً انہوں نے منہ ڈھانپ لیا اور عرض کی کہ جب تک آپ کی نظر میرے ہاتھ پر نہیں تھی مجھ کو آپ کے پاس بیٹھنا درست تھا مگر آپ نے آج ہاتھ کی مہندی دیکھی تو اب میرے لئے آپ کے پاس نشست و برخاست جائز نہیں۔

شیخ علاء الدولہ سمنانی اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے تھے ناگاہ ایک حالتِ خاص پیدا ہوئی۔ حفاظت کے لئے خلوت میں چلے گئے تو وہ حال غائب ہو گیا باہر آئے تو پھر وہی کیفیت پیدا ہوئی سمجھے کہ ان اصحاب کی برکت اجتماع سے واردات کا نزول ہوا تھا لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ ناجنس کی صحبت مبتدی و متوسط کے لئے زہر قاتل ہے۔ نزولِ برکات اصحاب باصفا کی صحبت میں ہوتا ہے۔

نویں شرط یہ ہے کہ شیخ راہِ سلوک کا عالم ہو تاکہ مرید کو جو اشکال پیش آئیں ان کو دفع کرے اور جلالی و جمالی تجلیوں میں تمیز کر سکے۔ شیخ کے لئے یہ لازم نہیں کہ اس کو مرید کے اسرار پر ہر وقت اطلاع رہے بلکہ مرید کو چاہیئے کہ اپنی مشکلات و

احوال شیخ سے عرض کرتا ہے اور یہ نہ کہے کہ شیخ خود میرے احوال پر مطلع ہیں۔

امام قشیری کا قول ہے کہ مرشد اگر اہل اشراق سے ہے تو مرید کا عرض احوال ترک ادب ہے اور اگر اہلِ اشراق سے نہیں ہے تو عرض نہ کرنا ترکِ ادب ہے۔ بلشیتر مشائخ نے شیخ کے لئے اشراق خواطر ضروری نہیں سمجھا لیکن پیر کو یہ لیاقت ضرور ہونا چاہیئے کہ مرید کو جو اشکال پیش آئیں ان کا حل کر سکے۔ بہر صورت مرید کو احوالِ عرض کرنا چاہیئے اور یہ نہ کہنا چاہیئے کہ شیخ جانتے ہیں کبھی ان کو علم ہوتا ہے۔ کبھی نہیں ہوتا۔

شیخ سعدی شیرازی نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بابت لکھا ہے کہ ایک شخص نے ان سے دریافت کیا کہ آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جب وہ کنعان کے کنوئیں میں قید تھے نہ دیکھا مگر ان کے لباس کی خوشبو جب وہ مصر میں تھے سونگھ لی۔ انھوں نے فرمایا ہمارا احوال بجلی کا سا ہے جو ایک دم پیدا ہوتی ہے اور دفعتاً غائب ہو جاتی ہے۔

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم　　　گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

سید اشرف فرماتے تھے کہ اشراق خواطر اگرچہ ارشاد کی شرط نہیں ہے لیکن ایسے شیخ نادر ہیں جو مرید کے ظاہری و باطنی احوال سے مطلع نہ ہوں۔ کیونکہ مریدوں میں بعض برائیاں ایسی ہوتی ہیں جن کو وہ شیخ کے سامنے ظاہر نہیں کر سکتے اگر شیخ ان کے باطن پر مطلع نہ ہوں تو ان برائیوں کی اصلاح کیونکر کی جائے۔ خواجہ ابو علی فارمدی کو حق تعالےٰ نے خواطر پر واقف بنایا تھا۔ لیکن اظہار کی اجازت نہ تھی شیخ احمد زندہ پیل کو بھی خواطر پر اشراق تھا اور اس کے اظہار پر بھی حاکم تھے۔

صاحب کشف المحجوب کو سلوک میں ایک دقیقہ پیش آیا جس کا حل دشوار تھا۔ شیخ ابو القاسم گرگانی کے پاس گئے دیکھا وہ مسجد میں تنہا کھڑے ہیں اور ستون سے مخاطب ہو کر وہی عقدہ حل کر رہے ہیں جس کو دریافت کرنے وہ گئے تھے عرض کی یہی میرا معاملہ ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کے حکم سے ستون نے مجھ سے یہی سوال کیا تھا اور میں نے اس کو جواب دیا جو تم نے سُنا۔

دسویں شرط یہ ہے کہ شیخ دن رات میں ایک بار سے زیادہ مرید کے ساتھ نہ بیٹھے کیونکہ مشاہدہ کی کثرت سے عزت و حرمت کم ہو جاتی ہے بہتر ہے کہ اپنے لئے حجرہ جداگانہ مقرر کرے اور اصحاب کے لئے مکان الگ ہو شیخ عبداللہ انصاری کی مشغولی کے لئے حجرہ جدا تھا اور اصحاب کے لئے خانقاہ دوسری تھی۔ سمرقند کے خواجگان نقشبند کا بھی یہی اصول تھا۔

مرشد کے لئے دس شرطیں مذکور ہوئیں مرید کے لئے بھی کچھ شرطیں ہیں جو اب بیان کی جاتی ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ کوئی امر مرشد سے پوشیدہ نہ رکھے نیکی اور بدی کا جو خطرہ دل میں آتا ہو پیر سے عرض کرے تاکہ اس کی استعداد کے موافق امراض کا علاج کیا جائے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ پیر کے کسی فعل پر اعتراض نہ کرے اگر بظاہر نامناسب ہو تو حضرت موسیٰ و خضر علیہ السلام کا قصہ یاد کرے کیونکہ اس طریق میں اعتراض سے زیادہ کوئی چیز مضر نہیں ہے۔ اعتراض کا حجاب نہایت نامبارک

ہے وہ کسی چیز سے دفع نہیں ہوتا اس گروہ کے افعال ظاہرا خلاف شریعت ہوں تو بھی سمجھے کہ کوئی خاص وجہ ہوگی کیونکہ پیر کا ہر فعل صواب ہے۔

سیّد اشرف فرماتے تھے کہ عارف جب اپنے اعیان ثابتہ (یعنی حقیقت قبل وجود فی علم اللہ) پر مطلع ہوتے ہیں اور اس میں ذمائم پاتے ہیں تو ان افعال پر اقدام کرتے ہیں تاکہ جلد ہی استغفار کر لیا جائے۔ مشائخ کے بعض افعال جو ظاہر بد معلوم ہوتے ہیں اسی قبیل سے ہوتے ہیں۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اعمال ظاہر میں بد ہوں لیکن ان سے کسی دوسرے کو فائدہ پہنچانا منظور ہوتا ہے۔

حضرت مولانا روم نے اپنے فرزند سلطان ولد کو حضرت شمس الدین تبریزی کی خدمت میں دمشق بھیجا چاندی سونا دیا اور کہا کہ یہ نقد مولانا شمس الدین کے جوتے میں ڈال دینا اور نعلین کا رُخ روم کی طرف پھیر دینا۔ یہ بھی بتایا کہ تم مولانا کو ایک خوبصورت فرنگی زادہ کے ساتھ شطرنج کھیلتے ہوئے پاؤ گے۔ جب وہ بازی جیتتے ہیں کہ تو اس لڑکے سے سونا لیتے ہیں اور جب ہارتے ہیں تو لڑکا انکے تھپیڑ مارتا ہے۔ خبردار ان کے افعال پر انکار نہ کرنا کیونکہ وہ لڑکا گروہ صوفیہ سے ہے مگر ہنوز اپنے مرتبہ سے آشنا نہیں ہے۔ مولانا اس کی ہدایت کے لئے کھیل کے بہانہ سے دوستی پیدا کر رہے ہیں۔ سلطان ولد دمشق پہنچے تو شمس تبریزی کو شطرنج کھیلتے ہوئے پایا۔ سلطان ولد کے ہمراہیوں نے مولانا کے سامنے سر جھکایا اور رقت شروع کی۔ فرنگی زادہ نے جو یہ حال دیکھا تو سمجھا کہ شمس تبریزی کوئی بزرگ صوفی ہیں۔ اپنی بے ادبیوں پر شرمندہ ہوا۔ سر سے ٹوپی اتار کر ان کے قدم پر رکھی۔ ایمان لایا اور جو کچھ مال اسباب اس کے پاس تھا لٹانا چاہا۔ شمس تبریزی

نے حکم دیا فرنگستان جاؤ اس ملک کے عزیزوں کو راہِ حق دکھلاؤ اور خود
اس جماعت کے قطب بنو۔ بعد ازاں سلطان ولد نے حضرت کے کفش مبارک
میں زر نقد رکھا اور نعلین کا رخ موڑ کر سفر روم کے لیے استدعا کی آپ نے قبول
کیا۔ گھوڑے پر سوار ہوئے اور سلطان ولد ان کے رکاب میں چلے مولانا نے
فرمایا کہ تم بھی سوار رہو تو عرض کی یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ شاہ سوار ہو اور غلام
بھی سوار ہو۔ دمشق سے قونیہ تک رکاب میں پیادہ رہے۔ مولانا نے سلطان
ولد کی خدمت کی بہت تعریف کی اور کہا مجھ کو حق تعالےٰ نے دو چیزیں عنایت
کی تھیں سر اور سِر۔ سَر میں نے مولانا کی راہ میں فدا کیا اور سِر سلطان کو بخشا
اگر ان کو عمر نوح عطا ہوتی تو بھی اس قدر ترقی نہ کرتے جتنی اس سفر میں میری
خدمت سے ان کو حاصل ہوئی۔

تیسری شرط یہ ہے کہ شیخ کی طلب میں صادق ہو۔ تمام عالم اس کے سامنے
تلوار لے کر کھڑا ہو جائے تو بھی طلب سے باز نہ رہے۔ شیخ تک رسائی ہو تو پہلے
یہ اطمینان کرلے کہ اس میں مقتدائی کی صلاحیت ہے یا نہیں پیر کی صلاحیت
ان لوگوں کے احوال سے دریافت ہو سکتی ہے جو اس کی پیروی کرتے ہوں یا
اس کی صحبت میں رہتے ہوں۔ مگر سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ جب اس کی
ملازمت میں پہنچے تو حق تعالےٰ کی طرف دل کا جذبہ ہو اور روزگار کے علائق سے
دل سرد ہو جائے ایسا شیخ کبریت احمر کا حکم رکھتا ہے جب دستیاب ہو تو اس
کا دامن مضبوط پکڑے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اس کے سوا کوئی دوسرا شیخ خدا
تک نہیں پہنچا سکتا صوفیہ اس کو توحید مطلب کہتے ہیں اور یہ بہت بڑا رکن

ہے جس میں غلطی واقع ہونے سے طریق خدا سے جدا ہو جاتا ہے کیونکہ مشائخ میں تردد پیدا ہوا اور مختلف طریقوں کی چاشنی چکھی تو توحید مطلب باقی نہ رہی۔ حق واحد ہے۔ قبلہ واحد مطلب بھی واحد ہونا چاہیئے۔ مرید صادق اور مخلص ہونا چاہیئے ظاہر و باطن میں باخدا رہے اور اس کے سب حرکات و سکنات خدا کے واسطے ہوں۔ خواجہ بہاء الدین نقشبند فرماتے تھے کہ اعتقاد صادق سے پتھر کی طرف توجہ کرے تو فائدہ حاصل ہوگا لیکن اعتقاد و نیاز کے بغیر پیغمبر کی صحبت سے بھی مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

ایک زاہد جنگل میں عبادت و مجاہدہ کرتے تھے جمعہ کے دن نماز کے لئے شہر کی مسجد تک آتے اور فرض ادا کر کے جنگل واپس جاتے تھے۔ مدت تک یہی حال رہا۔ شہر کے اکابر کو ان سے ملاقات کی آرزو ہوئی مگر وہ اپنا حال نہ ظاہر کرتے تھے۔ ایک شخص نے جرأت کر کے ان کا دامن پکڑ لیا اور کہا کہ جب تک اپنا حال ظاہر نہ کریں گے دامن نہ چھوڑوں گا۔ مجبور ہو کر عابد بولے "کیا پوچھتے ہو" اس نے کہا "اسم شریف کیا ہے آپ کہاں رہتے ہیں اور کس کے مرید ہیں" جواب دیا کہ "میرا نام عبدالصدق ہے" توکل کے بادیہ میں رہتا ہوں اور میرے شیخ بھی اسی جنگل میں ہیں اس نے کہا کہ مہربانی فرما کر اپنے شیخ کی زیارت کرا دیجئے جواب دیا "حضرت معذور ہیں چلنے پھرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ انشاء اللہ دوسرے جمعہ کو تمہیں ساتھ لے جا کر زیارت کرا دوں گا۔"

یہ کہہ کر پہاڑ کی طرف چلے گئے لیکن سخت متفکر تھے کیونکہ ان کا کوئی شیخ نہ تھا آئندہ جمعہ کو کیا جواب دیا جائے گا۔ اسی فکر میں نیند آ گئی تو خواب میں دیکھا کہ

ایک شخص نورانی محاسن سفید کہتے ہیں کہ کل جو تیرا دامن پکڑے وہی تیرا پیر ہے
خواب سے بیدار ہوئے تو بہت خوش تھے۔ صبح سویرے دامن ایک کانٹے سے
اُلجھ گیا تو کہا کہ میرا پیر یہی ہے اسی نے دامن پکڑا ہے۔ اس خار کے سامنے تعظیم سے
بیٹھے اور اس کی ملازمت شروع کی کئی ہفتہ شرم سے شہر کی طرف نہیں گئے
کہ وہاں لوگ پوچھیں گے تو کیا جواب دوں گا مگر نماز فرض تھی آخر کار ایک دن
شہر میں آئے تو سب لوگوں نے گھیر لیا۔ پیر کی زیارت کے لئے ان لوگوں کو ساتھ
لے کر جنگل کی طرف چلے۔ متردد تھے کہ یہ جماعت جب دیکھے گی کہ میں ایک کانٹے
کا مرید ہوں تو کیا کہے گی۔ مگر خدا کی قدرت سے جب اس خار کے قریب پہنچے تو
دیکھا کہ فرش بچھا ہوا ہے اور اس پر ایک مرد بزرگ نورانی صورت محاسن سفید
بیٹھے ہیں خدا کا شکر کیا کہ رسوائی سے بچے نزدیک پہنچے تو جماعت سے کہا کہ یہی میرے
پیر ہیں۔ ان کی قدم بوسی کر کے وہ جماعت خدمت میں حاضر ہوئی۔ تھوڑی دیر تک
مناسبِ حال تصوف کی گفتگو ہوتی رہی۔ بعد ازاں اس بزرگ نے فرمایا کہ تم
آئندہ مجھ کو نہیں دیکھو گے جس شخص کو ملاقات کا شوق ہو وہ میرے مرید و خلیفہ
عبدالصدق کی خدمت کرے سب نے قبول کیا اور چلے گئے۔ جب جماعت رخصت
ہو گئی۔ اس صورت نے بھی نظر سے غائب ہونے کا عزم کیا تو عبدالصدق نے
اس کا دامن پکڑ کر اپنا احوال عرض کیا۔ اس نے جواب دیا کہ میں تیرے صدق کی
صورت ہوں۔ حق تعالےٰ نے تیرے صدق و خلوص کو متمثل کر کے اس جماعت کے
سامنے پیش کیا اور تیرا سب کام بنا دیا۔ اب تو کچھ غم و فکر نہ کر جس طاعت و بندگی
میں مشغول ہے اسی میں مستغرق رہنا کافی ہے۔

خواجہ بہاء الدین نقشبند سے منقول ہے کہ ایک جگہ کی استقامت مرادات و مقامات کے حصول کا سبب ہے جو ایک جگہ ہے وہ سب جگہ ہے جو ہر جگہ ہے وہ کہیں نہیں۔ اس کو سوائے اوقات ضائع کرنے کے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ مرید کو چاہیئے کہ اپنے پیر کے سب افعال محبوب سمجھے اور اس کا کوئی کام مکروہ نہ خیال کرے اگر کسی وقت کوئی فعل یا قول نامناسب معلوم ہو تو یقین رکھے کہ اس میں کوئی حکمت ہوگی جو اس کے علم سے باہر ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ بغیر پیر کے حکم کے اس کے کسی فعل کا اقتدا نہ کرے کیونکہ ممکن ہے بعض چیزیں جو شیخ کے مناسب بہ مقام ہوں وہ مرید کے لئے زہر کی خاصیت رکھتے ہوں۔ شغل اور مراقبہ میں بلکہ نوافل میں بھی بغیر حکم شیخ کی تقلید جائز نہیں۔ چلنے کھانے اور سونے وغیرہ میں بغیر خاص حکم کے تقلید نہ کرے کہتے ہیں کہ ایک بڑھیا اپنے بیٹے کو تعلیم و تربیت کے لئے حضرت غوث الثقلین کے سپرد کر گئی تھی چند روز کے بعد آئی تو دیکھا کہ لڑکا جو کی روٹی کھاتا ہے اور بہت زرد اور دبلا ہو گیا ہے مگر شیخ کی خدمت میں پہنچی تو دیکھا کہ حضرت غوث کے سامنے ایک طباق مرغ کی ہڈیوں سے بھرا رکھا ہے جس کا گوشت انھوں نے تناول فرمایا تھا۔ بڑھیا نے کہا آپ مرغ کھاتے ہیں اور میرا لڑکا جو کی روٹی کھاتا ہے۔ شیخ نے ان ہڈیوں پر ہاتھ رکھا اور کہا "اس خدا کے حکم سے جو سڑی ہوئی ہڈیوں میں جان ڈالتا ہے تو زندہ ہو جا" جیسے ہی آپ نے یہ فرمایا وہ مرغ کھڑا ہو گیا اور بانگ دینے لگا۔ تب شیخ نے بڑھیا سے کہا کہ تیرا لڑکا اس درجہ پر پہنچ جائے تب اس کو بھی اختیار ہوگا کہ جو جی چاہے کھائے۔

سید اشرف فرماتے تھے کہ مرید مبتدی مثل ایک مریض کے ہے اور پیر

تندرست ہے۔ بیمار کو نقصان رساں چیزوں سے پرہیز ضروری ہے۔ مگر تندرست کو احتیاط کی ضرورت نہیں۔ شیخ اور مرید کا حال اس پر قیاس کرنا چاہیئے۔ بعض غذائیں جو صحیح المزاج کے لئے مفید ہیں بیمار کو ہلاک کر دیں گی۔ بعض اسرار و احوال شیخ کے لئے مناسب ہیں اور بعض اذکار و اشغال مرید کے لئے مناسب ہیں۔ حکیم حاذق مرض کی تشخیص کرتا ہے تو بیمار کو مخالف غذاؤں سے منع کر دیتا ہے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ شیخ کا کلام درست سمجھے اور اس کی تاویل نہ کرے کہتے ہیں کہ ایک مرید سلوک کر رہا تھا اور شیخ نے اس کو لکڑیاں لانے کی خدمت سپرد کی تھی روز لکڑیاں لاتا اور شیخ جس جگہ حکم دیتے وہاں رکھتا تھا یا کسی کو دلائے تو اس کو دے دیتا تھا۔ اتفاقاً ایک دن شیخ حقائق و معارف کا بیان کر رہے تھے کہ وہ لکڑیاں لیکر آیا اس نے دوبارہ پوچھا کہ یہ لکڑیاں کہاں رکھوں۔ شیخ ملتفت نہ ہوئے جب تیسری بار پوچھا تو شیخ نے ناراض ہو کر کہا کہ چولھے میں جا' مرید صادق اور سلیم القلب تھا۔ پیر کے فرمانے کے مطابق آگ میں جا بیٹھا، حضرت کو خبر ہوئی تو فوراً موقع پر گئے اور اس کو چولھے سے باہر نکالا دیکھا گیا کہ اس کا ایک بال بھی نہ جلا تھا بلکہ آگ اس کے لئے گلزار بن گئی تھی۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ شیخ کے احکام کی تعمیل کرے اس کا حکم ظاہراً خلافِ شریعت معلوم ہوتا ہو تب بھی امتثال امر کرے۔ جب تک مرید کی عقیدت اس مرتبہ کی نہ ہو ترقی نہیں کر سکتا جس طرح مولانا رومی نے شمس تبریزی کی اطاعت کی ویسی ہی مرید کو اپنے پیر کی کرنا چاہیئے۔

سید اشرف فرماتے تھے کہ میں نے اس قصہ کی تحقیق مولانا کے پوتے یعنی

سلطان ولد کے صاحبزادے سے جو سجادہ نشین درگاہ تھے کی تو انھوں نے کہا کہ شمس الدین تبریزی جب مکتب میں پڑھتے تھے تو چالیس چالیس دن تک ان کو کھانے پینے کی خواہش نہ ہوتی تھی۔ وہ شیخ ابوبکر تبریزی یا شیخ رکن الدین یا شیخ اوحدالدین کرمانی کے مرید تھے بعض لوگ کہتے ہیں کہ بابا کمال خجندی کے مرید تھے۔ ممکن ہے کہ ان سب اکابر کی صحبت میں پہنچے ہوں اور سب سے فیض پایا ہوا۔ خیر حال میں ہمیشہ سفر میں رہتے تھے اور جہاں جاتے سرائے میں اترتے تھے جب بغداد آئے تو شیخ اوحدالدین کرمانی سے پوچھا کیا کرتے ہو جواب دیا کہ چاند کو پانی کے طشت میں دیکھتا ہوں۔ شمس الدین نے فرمایا کہ گردن میں دنبل نہیں ہے تو آسمان پر کیوں نہیں دیکھتے۔ جس وقت شمس تبریزی بابا کمال کی صحبت میں تھے تو شیخ فخرالدین عراقی بھی اپنے مرشد بہارالدین زکریا کے حکم سے وہاں موجود تھے۔ شیخ عراقی کو جو کشف ہوتا تھا وہ نظم کرکے بابا کمال کو دکھاتے تھے لیکن شمس الدین کچھ اظہار نہ کرتے تھے۔ ایک دن بابا کمال نے پوچھا کہ عراقی پر جو معارف ظاہر ہوتے ہیں وہ تم کو نظر نہیں آتے تو جواب دیا کہ اس سے زیادہ مشاہدہ ہوتا ہے لیکن عراقی مصطلحات استعمال کرکے نظم ونثر میں جلوہ دیتے ہیں مجھ کو یہ قوت نہیں ہے۔ بابا کمال نے فرمایا کہ حق سبحانہ تم کو ایک مصاحب دے گا جو کل معارف تمہارے نام سے ظاہر کرے گا غرض مولانا شمس الدین ۶۴۲ھ میں قونیہ آئے مولوی رومی اس زمانہ میں علوم پڑھانے میں مصروف تھے ایک دن جماعت کے ساتھ حوض کے کنارے بیٹھے تھے اور چند کتابیں سامنے تھیں شمس الدین نے وہاں آکر پوچھا یہ کونسی کتابیں ہیں مولانا نے کہا' یہ قیل وقال ہے تم کو اس سے کیا مطلب' شمس الدین نے ہاتھ بڑھا کر سب کتابیں پانی میں ڈال دیں۔ مولوی کو بہت افسوس ہوا۔

کیونکہ ان میں سے بعض ان کے والد کے تصانیف تھیں جو دوسری جگہ حاصل نہ ہو سکتی تھیں۔ شمس الدین نے وہ سب کتابیں پانی سے نکال کر پیش کردیں تو ان پر پانی کا کچھ اثر نہ معلوم ہوا۔ مولانا نے کہا "یہ کیا بھید ہے" شمس الدین نے کہا "یہ ذوق و حال ہے تم کو اس سے کیا مطلب" یہ اسرار دیکھ کر مولوی ان کے معتقد ہو گئے اور تعلیم چھوڑ کر ان کی خدمت شروع کی ایک دن خلوت میں شمس الدین نے کہا کہ ایک شاہد کی ضرورت ہے۔ مولانا اپنی حرم کا ہاتھ پکڑ کر سامنے لے گئے۔ شمس تبریزی نے کہا یہ میری بہن ہے اس کے بعد اپنے فرزند سلطان ولد کو پیش کیا تو فرمایا کہ یہ میرا فرزند ہے تھوڑی سی شراب درکار ہے۔ تاکہ ذوق پیدا ہو مولانا پھر نکلے اور یہودیوں کے محلہ سے ایک گھڑا شراب کا لے آئے تب شمس تبریزی بولے میں تمہارا امتحان کرتا تھا۔ اس کے بعد مرید کیا اور تین مہینہ تک خلوت میں بٹھایا نہ خود باہر نکلے نہ ان کو نکلنے دیا نہ کسی دوسرے شخص کو خلوت میں آنے دیا۔

ایک روایت یہ ہے کہ مولانا روم شاگردوں کے ساتھ سرائے کی طرف سے گذرے تو شمس الدین نے ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر روکا اور پوچھا۔ اے مسلمانوں کے امام بایزید زیادہ بزرگ تھے یا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مولانائے روم خود فرماتے تھے کہ اس سوال کی ہیبت سے میری نظر میں زمین و آسمان تاریک ہو گئے حواس درست ہوئے تو میں نے جواب دیا کہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ماعرفناک حق معرفتک یعنی میں نے تجھ کو نہیں پہچانا۔ جو حق پہچاننے کا تھا۔ مگر بایزید نے کہا سبحانی ما اعظم شانی وانا سلطان السلاطین (یعنی میں سبحان ہوں میری شان بزرگ ہے اور میں بادشاہوں کا

بادشاہ ہوں) بایزید کی پیاس ایک گھونٹ سے بجھ گئی اور انھوں نے یہ کلمات استعمال کئے۔ روشنی اسی قدر آتی ہے جتنی کھڑکی میں وسعت ہو۔ لیکن حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظرف بہت عالی تھا۔ آپ کی پیاس کسی وقت نہیں بجھتی تھی اور ہر وقت زیادتی قربت کا خیال تھا اور اس کے واسطے دعا کرتے تھے تو بایزید کو ان سے کیا نسبت۔ سمندر اور قطرے کی مثال ہوئی۔ یہ سنکر شمس الدین نے نعرہ مارا اور گر پڑے مولوی نے گھوڑے سے اتر کر آپ کا سر زانو پر رکھا اور اس کے بعد مرید ہوئے۔

ساتویں شرط یہ ہے کہ خود کو سب سے کمتر سمجھے اپنا حق کسی پر نہ جانے اور نہ کسی دوسرے کا حق خود پر دیکھے اور یہ اعتقاد رکھے کہ دنیا میں سوائے خدائے تعالےٰ اور اس کے شیخ کے کچھ موجود نہیں ہے۔ مرید کو چاہیئے کہ پیر کو اپنی قوم میں اسی عزت کا مستحق سمجھے جیسے نبی کر اپنی امت میں ہوتی ہے الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ۔

ایک مرید سید الطائفہ کی خدمت میں آیا اور ارشاد طلب کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ طالب صادق ہو تو کہو لا الہ الا اللہ جنید رسول اللہ۔ مرید نے تعمیل کی۔ تب آپ نے فرمایا کہ رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ میں ان کی درگاہ کا ادنیٰ غلام ہوں لیکن تمہارے اعتقاد کے امتحان کے لئے میں نے یہ الفاظ کہلائے تھے۔

سید اشرف شیخ مظفر بلخی[1] کی بہت تعریف کرتے تھے اور فرماتے تھے

---

[1] شیخ مظفر علی بلخی شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے خلیفہ تھے حضرت کے بہت سے مکتوبات ان کے نام ہیں۔ ۱۲۔

کہ ہزاروں آفرین شیخ مظفر کے مقولہ پر کہ "جب تک فردوس میں حق تعالےٰ شرف الدین کی صورت میں جلوہ نہ کرے گا میں اس طرف نہ دیکھوں گا۔ ؏

فردوس چہ کار آید گر یار نباشد

آٹھویں شرط یہ ہے کہ کسی امر میں خیانت نہ کرے۔ شیخ کے احترام کی کوشش کرتا رہے اور جو ذکر اس نے تعلیم کیا ہو اس سے غفلت نہ کرے اگر دل میں ذکر کے سوا کوئی اور خواہش پیدا ہو تو فوراً ذکر کی طرف رجوع کرے اور جانے کہ ایک وقت میں امر مخالف سے مشغولی نہیں سکتی۔ مرید کی ہمت ایسی بلند ہونا چاہیئے کہ پیر کو اپنی جان اور خود کو اس کا قالب سمجھے اور تصور کرے کہ قالب خرقہ ہے اور جان خرقہ پوش تاکہ اتحاد کے غلبہ سے یہ حال ہو جائے کہ جو بات مرید کہے وہ گویا پیر نے کہی ہو جو مرید سنے وہ گویا پیر نے سُنی جو مرید دیکھے وہ پیر نے دیکھا جہاں مرید جائے وہاں پیر گیا۔ مرید کا تمام وجود قالب ہو اور پیر کا تمام وجود مرید کی جان تب یہ قول درست ہو گا کہ میرا ہاتھ پیر کا ہاتھ ہے میری صحبت پیر کی صحبت ہے۔ اور میرا خرقہ پیر کا خرقہ ہے۔

نویں شرط یہ ہے کہ مرید کو دو جہان میں کوئی خواہش و ضرورت نہ رہے جب تک اس کو خواہش باقی ہے وہ ہوا کا طالب ہے مرید نہیں ہے مرید کو پیر کے سامنے مثل مردے کے ہو جانا چاہیئے جو غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ جدھر چاہے حرکت دے مرید اپنے پیر کی طرف کبھی خطا کا گمان نہ کرے۔ کیونکہ شیخ کا قول عین مقولۂ حق ہے اگر کوئی نقص معلوم ہو تو اس کو اپنی سمجھ کا قصور سمجھے۔ جب ادراک صحیح ہو گا تو وہی مقولہ درست معلوم ہو گا۔ سلطان نظام الدین کو ان کے پیر

شیخ فریدالدین نے ایک دعا تعلیم کی تھی جس میں ایک جگہ ظاہرا اعراب کی غلطی تھی۔ ہر چند علماء سمجھاتے تھے کہ اعراب درست کر دی جائے لیکن آپ اسی طرح پڑھتے تھے کہ جس طرح پیر نے بتلایا تھا اور فرماتے تھے کہ میں اس اعراب کو غلط سمجھوں تو اپنے پیر کی طرف غلطی منسوب کرنا پڑے گی جو محال ہے میرے پیر سے غلطی ہو نہیں سکتی۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ سلطان نظام الدینؒ جس طرح پڑھتے تھے وہی اعراب صحیح تھے ؎

کسے کہ سالک و طالب رہ خدا باشد

دم از خطاش زدن بر تر از خطا باشد

دسویں شرط یہ ہے کہ جس شخص کو شیخ نے مقدم رکھا ہو اس کو مرید بھی مقدم سمجھے اگرچہ وہ علم میں اس سے کم ہو اور یہ اعتقاد رکھے کہ جو طریق مرشد نے اختیار کیا وہی بہترین ہے۔ حضرت خواجہ بہاء الدین فرماتے تھے کہ میں ایک بار مولانا ابو بکر کو دیکھنے گیا ان کی صحبت میں ایک شخص تھا جو کسی شیخ کا مرید تھا حضرت خواجہ نے اس شخص سے پوچھا کہ تو اپنے شیخ کو زیادہ دوست رکھتا ہے یا امام اعظم کو اس نے کہا کہ میں اپنے پیر کو زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ حضرت خفا ہوئے اور کہا کہ "تو کتا ہے جو اپنے پیر کو امام اعظم سے بڑھکر سمجھتا ہے۔" اور گھر کے اندر چلے گئے ہم لوگوں کو بہت حیرت ہوئی تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص چلا گیا میں تنہا رہا اور حیران تھا کہ یہ کیا گفتگو ہوئی مولانا نے اس کو کتا کیوں بنایا ایک لحظہ کے بعد مولانا باہر آئے اور پوچھا وہ شخص کہاں گیا جب معلوم ہوا کہ چلا گیا تو فرمایا کہ چلو اس سے عذر خواہی کریں گے۔ اس کی تلاش میں نکلے وہ راستہ میں اسی طرف آتا ملا اور بولا کہ میں آپ کی ملازمت کے لئے آ رہا تھا۔ اسوقت

آپ غضب میں تھے جواب عرض نہ کر سکا تھا کیفیت یہ ہے کہ میں پچاس برس سے امام اعظم کے مذہب پر ہوں لیکن وہ مجھ کو کسی نامناسب عمل سے روک نہیں سکے شیخ کی ملازمت میں نے چندروز سے کی ہے مگر انھوں نے مجھ کو تمام بُرے افعال سے روک دیا ہے اور میرے دل کو حق سبحانہ کی طرف متوجہ بنا دیا ہے۔ اگر ایسے شخص کو امام اعظم سے زیادہ دوست رکھنا شریعت و طریقت سے ناجائز ہو تو اپنا قول واپس لوں اور استغفار کروں حضرت خواجہ نے اس کے سر کو بوسہ دیا اور عذر خواہی کی۔

خواجہ ابو یوسف ہمدانی نے آخر حیات میں چار خلفاء کو اجازت دی تھی۔ اول خواجہ عبداللہ برقی دوسرے خواجہ حسن تیسرے خواجہ احمد یسوی چوتھے عبدالخالق غجدوانی۔

خواجہ ابو یوسف کے بعد جس خلیفہ کو انھوں نے مقدم کیا تھا یعنی خواجہ عبداللہ برقی مقام دعوت میں نہ بیٹھتے دوسرے خلفاء ان کا ادب کرتے اور خدمت میں حاضر رہتے تھے جب ان کی رحلت ہوئی تو خواجہ حسن قائم مقام ہوئے ان کا وقتِ آخر نزدیک آیا تو سب دوستوں کو خواجہ احمد یسوی کی ملازمت کی ہدایت کی۔ خواجہ احمد ترکستان جانے لگے تو مریدوں کو خواجہ عبدالخالق غجدوانی کی متابعت کا حکم دے گئے۔

مرید کو چاہیئے کہ شیخ کی مالی و جانی خدمت سے دریغ نہ کرے۔ کیونکہ کوئی دولت شیخ کی خدمت سے بڑھ کر نہیں ہے اور جو لذت خدمت میں ملتی ہے اس کا کوئی مماثل نہیں۔ شیخ نجم الدین کبریٰ کے لئے ایک کنیزک ملک خطا سے لائی گئی۔ شیخ نے فرمایا کہ آج شب کو میں ایک لذت مشروعہ میں مشغول ہوں گا میرے اصحاب بھی آج آرام کریں اور ریاضت نہ کریں۔ شیخ کے حکم سے سب مریدین آرام کرنے کے لئے اپنے اپنے گھر

چلے گئے لیکن شیخ سیف الدین باخرزی ایک گھڑا پانی سے بھرا لئے ہوئے شیخ کے دروازہ پر کھڑے رہے جب صبح کو شیخ باہر نکلے تو ان کو دیکھ کر بولے کہ ہم نے آج رات کی تم سب کو آرام کی اجازت دی تھی۔ تم یہاں کیوں کھڑے رہے۔ شیخ سیف الدین نے کہا کہ حضور نے آرام کا حکم دیا تھا مگر میرے لئے کوئی لذت و آرام اس سے بڑھ کر نہیں ہے کہ شیخ کے آستانہ پر حاضر رہوں۔ حضرت خوش ہوئے بشارت دی کہ ایک وقت آئے گا جب بادشاہ تمہاری رکاب میں چلیں گے۔ چنانچہ مدت کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک بادشاہ شیخ سیف الدین کی زیارت کو آیا اور ایک گھوڑا نذر میں پیش کر کے التماس کی کہ وہ شیخ کو اپنے سہارے سے گھوڑے پر سوار کرانا چاہتا ہے۔ شیخ نے منظور کیا خانقاہ کے دروازے پر آئے بادشاہ نے رکاب تھامی اور شیخ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ گھوڑے نے سرکشی کی تو بادشاہ نے لگام تھام لی اور تقریباً پچاس قدم تک گھوڑے کے ساتھ دوڑا۔ یہ گھوڑا کبھی شرارت نہ کرتا تھا۔ شیخ نے بتایا کہ اس کی سرکشی کا باعث میرے شیخ کی بشارت تھی۔ انھوں نے فرمایا تھا کہ بادشاہ تمہاری رکاب میں دوڑیں گے وہ قول آج پورا ہوا۔

سید اشرف فرماتے تھے کہ مرید شیخ کی خدمت میں سستی کرے تو ہرگز مقصود کو نہ پہنچے گا۔ جان فدا کرے تو کچھ بات نہیں ہزار جان سے نثار ہونا چاہیئے۔ مجذوب شیرازی نے خوب کہا ہے ؎

جانِ نقد محقر است حافظ   از بہر نثار خوش بناشد

شیخ امیر[1] علی دینوری نے اپنے ایک مرید کو بازار سے کوئی شے لانے کے لئے

---

[1] نفحات الانس میں آپ کا نام "امیر علی عبو" لکھا ہے - ۱۲

بھیجا مرید کے پاس دام نہ تھے خود کو فروخت کیا اور وہ چیز بازار سے لاکر پیر کے نذر کردی چند روز تک خدمتِ مرشد میں حاضر نہ ہو سکا جب اس شخص کو جس نے خرید کیا تھا اس قصہ سے آگاہی ہوئی تو اس نے آزاد کردیا اور وہ واپس ہو کر شیخ کی خدمت میں آیا پیر نے بہت تعریف کی اور جوانمرد کا خطاب دیا۔

سید اشرف نے فرمایا کہ اگلے وقتوں کے مشائخ مرید کی تربیت میں عجلت نہ کرتے تھے جب تک اس کے اعتقاد کا پورا امتحان نہ کر لیتے بیعت سے سرفراز نہ کرتے تھے۔ زیدیوں کے خانوادہ میں قاعدہ تھا کہ جو شخص ان کی ملازمت کی خواہش کرتا وہ پہلے اپنی اصلاح کرتا قرآن حفظ کر کے دن رات میں دو ختم کرتا اور متواتر روزے رکھ کر جنگل کی گھاس اور میوہ سے افطار کرتا تھا گھر کا سب مال و اسباب چھوڑ دیتا تھا تب مرید کیا جاتا۔ اس کے بعد تلقین و ارشاد کا آغاز ہوتا تھا۔ اب زمانہ متغیر ہو گیا ہمتیں پست ہیں آج مرید ہوتا ہے اور دوسرے ہی دن خلافت اور ولایت کا امیدوار بنتا ہے۔

شیخ شبلی وزیر زادہ تھے شہر میں ان کی حکومت تھی۔ جب سید الطائفہ کی خدمت میں آئے اور ان کی بیعت کرنا چاہی تو شیخ نے فرمایا کہ تم وزیر زادے ہو میرے حکم کی تعمیل شاید نہ کر سکو اور بیعت درست نہ ہو۔ انھوں نے کہا کہ آپ جو حکم دیں گے میں بسر و چشم قبول کروں گا۔ تین مرتبہ اقرار و انکار کے بعد حضرت نے فرمایا کہ تمہارا کام سر منڈانا اور گدڑی پہننا ہے۔ شبلی نے منظور کیا۔ ان کو گدڑی پہنائی گئی بال مونڈے گئے اور زنبیل دی گئی کہ اس کو ہاتھ میں لے کر بھیک مانگنے جاؤ اور جن لوگوں نے تم کو معزز سمجھا ہے ان کے دروازے جا کر بھیک مانگو شبلی

نے قبول کیا پہلے دن تو سونا چاندی لائے اور دوسرے دن اجناس تیسرے دن صرف پیسہ اور کوڑی اس کے بعد نوبت آئی کہ دن بھر مانگا اور کچھ نہ ملا۔ خالی جھولی شیخ کے پاس لے کر گئے تو انھوں نے پوچھا کہ آج کچھ نہیں لائے جواب دیا کہ آج مجھے کسی نے خرید نہیں کیا۔ پیر نے فرمایا کہ اب تمہارا خریدار خدا ہے ان سے چلہ کشی کرائی اور اس مرتبہ کو پہنچایا کہ مقتدائے روزگار ہوئے۔

مندرجہ بالا شرائط کے علاوہ شیخ کے لئے چند آداب لکھی ہیں۔

پہلا ادب یہ ہے کہ شیخ مرید کی استعداد پر نظر کرے اور اس کی قابلیت کے مطابق اشغال تعلیم کرے اگر مرید کو درجۂ مقربین تک پہنچنے اور "درجۂ خاص" کے قبول کی۔ لیاقت ہو تو اسے سلوک کی تربیت کرے ورنہ پہلے مواعظ حسنہ سے ترغیب و ترہیب کرے دوزخ و بہشت کا ذکر سنائے۔ فرائض و سنن چاشت اشراق و تہجد وغیرہ کا شوق دلائے اس کے بعد جو شغل مناسب حال ہو بتلائے ایسے شخص کے لئے ذکرِ جہر بہت مفید ہے۔ جس شخص کو مرید کے استعداد اور قابلیت کی شناخت نہ ہو اس کو مسندِ ارشاد پر بیٹھنا حرام ہے اگر پہلی نظر میں یہ دریافت نہ کر لے کہ مرید کا مرتبہ کیا ہے اور اس کا انجام کیا ہوگا تو اس کو شیخی جائز نہیں کیونکہ صوفیہ لوہاروں سے کم مرتبہ نہیں ہیں جو لوہا دیکھ کر پہچان لیتے ہیں کہ اس میں کس چیز کی صلاحیت ہے اور کونسا ہتھیار اس سے تیار ہو سکتا ہے مشائخ چشت کسی شخص کو مرید نہیں کرتے تھے جب تک اس کا احوال لوحِ محفوظ میں نہیں دیکھ لیتے تھے مرید کی قابلیت شیخ کو کبھی اپنی فراست سے معلوم ہو جاتی ہے اور کبھی کشف و الہام سے۔

شیخ علاء الدولہ سمنانی فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں چلہ کشی کر رہا تھا۔ آخری شب کو کشف ہوا کہ مسافروں کی ایک جماعت آئی ہے اور اس کے ساتھ ایک جوان ہے جس پر حق تعالےٰ کی نظر عنایت ہے جب ہوش آیا تو خادم کو حکم دیا کسی مسافر کو میرے خلوت سے باہر نکلنے تک رخصت نہ ہونے دینا اتفاقاً اسی دن ایک جماعت مسافروں کی آئی میں خلوت تمام کر کے مسجد جامع میں بیٹھا تو مسافر بلا درویش میرے پاس آئے مگر ان میں وہ جوان نہ تھا۔ میں نے خیال کیا کہ شاید دوسری جماعت آتی ہوگی جس میں وہ جوان ہوگا نماز پڑھ کر خانقاہ چلا آیا تب خادم نے کہا کہ اس جماعت کا ایک درویش جو خدمت اصحاب میں مشغول تھا اور اسباب کی نگرانی کر رہا تھا مسجد میں حاضر نہ ہو سکا تھا۔ اب سلام کے لئے آنا چاہتا ہے۔ میں نے اجازت دی اور وہ شخص سامنے آیا میں نے اجازت دی اور وہ شخص سامنے آیا میں نے دور سے دیکھ کر پہچان لیا کہ یہی وہ شخص ہے جو مجھ کو دکھلایا گیا تھا وہ تھوڑی دیر تک میرے پاس بیٹھا اور اس کے بعد چلا گیا میں نے خادم سے کہا کہ اس جوان سے کہو چند روز میرے ساتھ رہے مجھ کو اس سے کچھ کام ہے۔ خادم باہر گیا تو دیکھا وہ دروازے کے پاس کھڑا ہے خادم سے بولا کہ اپنے شیخ سے عرض کرو مجھ کو اپنی خدمت میں رکھ لیں۔ خادم نے جواب دیا کہ وہ خود اسی پیام کے لئے بھیجا گیا تھا۔ خادم جوان کو میرے پاس لایا اس نے تین برس تک میری ایسی خدمت کی کہ اس سے بہتر ممکن نہ تھی تب میں نے ذکر تعلیم کیا اور اس کو خلوت میں بٹھلایا۔

حق تعالےٰ بعض مشائخ کو ایسی فراست نصیب کرتا ہے کہ وہ مرید کی

آئندہ واردات سے مطلع ہو جاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ فلاں دن مرید پر واردات کا نزول ہوگا۔

شیخ علاء الدولہ سمنانی ایک بار سفر میں تھے وہاں سے دیکھا کہ ان کے کسی طالبِ علم پر حال نازل ہو رہا ہے فوراً واپس ہوئے مرید حال سے مغلوب تھا اس سے کیفیت دریافت کی لیکن وہ کچھ بیان نہ کر سکا شیخ کو اندیشہ ہوا کہ طالب کو غرور نہ پیدا ہو جائے لہٰذا اس بلند حال سے باز رکھا اور مناسب راستے پر لگا دیا۔

سید اشرف فرماتے تھے کہ صوفیہ فراست سے آئندہ واقعات طرفۃ العین میں معلوم کر لیتے ہیں اور آگاہ ہوتے ہیں کہ طالب کا انجام کیا ہوگا۔ اور کیا آثار پیش آئیں گے۔ شیخ رکن الدین ابو الفتح سہروردی پہلی مرتبہ ملتان سے دہلی آئے تو یہاں کے بعض عالموں نے ان کی لیاقت کا امتحان لینا چاہا اور بزدوی کے پانچ مسئلہ انتخاب کر کے شیخ سے سوالات کئے۔ شیخ نے معقول جواب دیئے لیکن علماء کے دماغ میں اخلاص نہ تھا بحث کرنے لگے۔ تب شیخ نے علومِ باطن سے ان کے جوابات دیئے علماء شرمندہ ہو گئے اور اپنے انکار سے توبہ کر کے شیخ کے مرید ہوئے۔ جب شیخ نے یہ جوابات دیئے تو ان پر گریہ طاری ہوا اور بہت رونے لگے۔ لوگوں نے گریہ کا سبب پوچھا تو بولے کہ میں تیس تنتیس برس سے جس معاملہ کے انتظار میں تھا وہ آج پیش آیا جب میں پڑھتا تھا اور میرا سبق بزدوی میں اس جگہ تک پہنچا تھا۔ استاد مطلب مجھ کو سمجھاتے تھے مگر میری تسکین خاطر نہ ہوتی تھی۔ میرے والد شیخ صدر الدین عقب میں کھڑے

تھے بولے کہ اے پسر یہ پانچوں مسئلے ہیں تم کو سمجھاؤں گا مجھکو خانقاہ لے گئے اور ان مسائل کی ایسی شرح کی کہ اس سے بہتر ممکن نہ تھی اور آخر میں فرمایا کہ ان مطالب کو خوب یاد رکھنا ایک دن تم کو اس کی ضرورت پیش آئے گی۔

اسی قسم کی ایک حکایت یہ ہے کہ ایک بزرگ اپنے بیٹے کو مکتب بھیجتے تھے اور علم سیکھنے کی تاکید کرتے تھے مگر وہ بالکل توجہ نہ کرتا تھا اور پڑھنے میں دل نہیں لگاتا تھا وہ بزرگ ایک دن کسی مسافر کے انتظار میں تھے۔ انھوں نے کہا جو شخص مجھ کو مسافر کی آمد کی خبر دے تو مجھ سے جو طلب کرے گا میں اس کو دوں گا۔ اتفاقاً اس لڑکے نے مسافر کو آتے دیکھا تو باپ کو خوشخبری سنائی اور ان کا دامن پکڑ کر کہا کہ میں نے مسافر کی بشارت دی ہے آپ اپنا وعدہ پورا کیجئے باپ نے پوچھا تو کیا مانگتا ہے۔ لڑکے نے کہا میری خواہش یہ ہے کہ مجھ کو اب مکتب نہ بھیجئے باپ یہ سنکر متفکر ہوئے نہ انکار کی گنجائش تھی نہ قبول کرنے کا یارا۔ تامل کے بعد فرمایا کہ اس شرط سے تمہاری درخواست قبول ہے کہ سورۂ انا فتحنا یاد کرو بیٹے نے منظور کر لیا اور وہ سورت یاد کرلی۔ ایک مدت کے بعد باپ کی وفات ہوئی اور ان کے مریدوں نے اصرار کر کے اسی بیٹے کو باپ کے سجادہ پر بٹھایا۔ چند روز میں ان کی شہرت ہو گئی اور سجادے کی برکت سے کرامات کا بھی ظہور ہونے لگا۔ ایک شہر میں ان کے باپ کے مریدین بہت تھے وہاں جانے کا قصد کیا جب قریب پہنچے تو اس شہر کے باشندے چند میل استقبال کے لئے آئے اور بادشاہِ شہر بھی تھوڑی دور تک آیا علمار نے اعتراض کیا کہ جس جاہل نے میزان بھی نہ پڑھی ہو اس کی عزت و توقیر غلط ہے کیونکہ اس راہ کی لازمی شرط علم ہے جب یہ نزاع بڑھی تو بادشاہ نے شیخ زادے اور علمار کو اپنے پاس بلایا اور شیخ زادے

کے اصحاب کی طرف رخ کرکے کہا کہ یہ علمار کہتے ہیں کہ آپ نے کچھ پڑھا نہیں ہے اس کی تصدیق و تکذیب کیونکر کی جائے مریدوں نے کہا علمار کو فقرار کے اسرار کی خبر نہیں ہوتی لہذا ہم علمار کے قول پر التفات نہیں کرتے لیکن وہ امتحان کرنا چاہتے ہیں تو شیخ زادے سے سوالات کریں علمار نے کہا کہ اس شخص نے قرآن نہیں پڑھا ہے پہلے ہم کو قرآن کی کوئی سورت سنائے انھوں نے پوچھا کون سورت پڑھی جائے۔ علمار نے باہم اتفاق کرکے کہا کہ سورہ انّا فتحنا پڑھیں۔ شیخ زادے نے باپ کے حکم سے یہی صورت یاد کی تھی۔ فوراً سنادی اور ایک حرف کی بھی غلطی نہ ہوئی۔ علمار شرمندہ ہوئے بادشاہ نے شیخ زادے سے معذرت کی اور خود اس کا مرید ہوا۔

سید اشرف فرماتے تھے کہ میں نے خواجہ بہار الدین نقشبند سے سُنا ہے کہ جب کوئی طالبِ صوفیہ کے سامنے آتا ہے تو وہ اپنے آئینۂ دل پر نظر کرتے ہیں اور جو مکشوف ہوتا ہے اسی کے مطابق آنے والے سے برتاؤ کرتے ہیں کیونکہ شیخ کی روحانیت عالمِ مثال میں جلوہ افروز رہتی ہے جو شخص سامنے آتا ہے اس کا مثالی نقشہ سامنے آجاتا ہے شیخ محی الدین ابن العربی نے اسی کو تجلی مقابلہ کہا ہے۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ شیخ اموالِ مرید کی طمع نہ کرے اور اس سے خدمت کا طلبگار نہ ہو اگرچہ مرید کے لئے شیخ کی خدمت سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں ہے۔ لیکن پیر کو خود خدمت کا متمنی نہ ہونا چاہیئے اگر مرید یکبارگی اپنی املاک و اموال ترک کرنا چاہے تو شیخ اجازت نہ دے بعض نے کہا ہے کہ مرید عالی ہمت ہو تو تمام اموال کے صرف کی اجازت دی جاسکتی ہے حضرت ابوبکر صدیق نے اپنا کل مال خیرات کردیا تھا لیکن عام طور سے یہ مناسب نہیں ہے کیونکہ جمعیتِ خاطر فوت ہونے کا اندیشہ ہے۔

ایک مرید سید الطائفہ جنید کے پاس آیا اور سب مال خیرات کرنے کی اجازت مانگی آپ نے فرمایا کہ مقدار کفاف رکھو اور جو زائد ہو خیرات کردو تاکہ آئندہ نفس کے مطالبہ سے حیرانی نہ ہو۔ حضرت قدوۃ الکبریٰ کے مرید تنکر قلی سمرقند کے شاہزادے تھے انھوں نے کل اسباب دنیوی ترک کرنا چاہا لیکن حضرت نے اجازت نہ دی اور کہا کہ تمہارا نفس ابھی کمالِ توکل کو نہیں پہنچا ہے۔ تمہارے لئے یہ تجرید مناسب نہیں ہے

تیسرا ادب یہ ہے کہ شیخ صاحبِ ایثار ہو قطع تعلقات ظاہر کا غلبہ ہو تاکہ اس کے صدق دلیقین کو دیکھ کر مریدوں کا عقیدہ زیادہ ہو اور ان کو بھی قطع تعلقات کا شوق ہو شیخ کے پاس کچھ فتوح آئے تو جس قدر ضرورت سے زیادہ ہو ایثار کرے اور جمع نہ کرے مشائخ نے اموال کی زیادتی سے جو ممانعت کی ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ شیخ ضرورت کے موافق نقد و جنس رکھے۔ حاجت سے زیادہ نہ ہو یہ مقصود نہیں ہے کہ شیخ محتاج ہو کیونکہ اس کے پاس مریدوں اور طالبوں کی ضروریات مہیا کرنے کا سامان موجود رہنا چاہیے۔ مبتدی کو کھانے پینے سے بے فکری نہ ہو تو اس کے کام میں تفرقہ پڑے گا۔

شیخ علاء الدولہ سمنانی کہتے تھے کہ اس زمانے کے آدمیوں کا عجب اعتقاد ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ درویش کو فقیر و محتاج ہونا چاہیے لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ حق تعالےٰ کسی مرشد کو ہرگز محتاج نہیں بناتا ہے۔ بندگانِ خدا سوائے حق تعالےٰ کے کسی کے محتاج نہیں ہوتے دنیا کی تمام عیش ان کی برکت سے قائم ہے۔ وہ کیونکر دوسرے کے محتاج ہو سکتے ہیں۔

شیخ مجد الدین بغدادی کے دستر خوان کا خرچ ہر سال دو لاکھ اشرفی تھا اور پانچ لاکھ اشرفی کی املاک انھوں نے وقف کی تھی۔ شیخ ابو سعید ابو الخیر نے سفر کعبہ کا عزم کیا تو ان کے لئے ریشمی خیمے کھڑے کئے جاتے تھے جن کی طنابیں بھی ریشمی ہوتی تھیں اور سونے کی میخیں لگائی جاتی تھیں جب وہ خرقان پہنچے اور ان کا شاہانہ خیمہ شہر کے کنارے نصب ہوا تو شیخ ابو الحسن خرقانی نے اپنے خادم سے کہا کہ ایک مہمان عزیز آئے ہیں ان کی ضیافت فقیرانہ ہونا چاہیے۔ جو کی دو روٹیاں خادم کے ہاتھ ان کیلئے بھیجیں۔ جب نوکر بارگاہ تک پہنچا تو سراپردہ کے گرد پہرہ تھا اور اندر جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی مجمع اتنا کثیر کہ شیخ تک پیام بھی نہ پہنچا سکتا تھا۔ دیر تک دروازہ کے پاس بیٹھا رہا اور شیخ تک اطلاع نہ ہوئی جب شیخ کا دستر خوان بچھایا گیا تو انھوں نے خود اپنے خادم سے کہا کہ میرے بھائی شیخ ابو الحسن خرقانی کا خادم باہر بیٹھا ہے اور میرے لئے ضیافت لایا ہے تب وہ خادم اندر بلایا گیا اور جو کی روٹیاں شیخ کے سامنے رکھی گئیں۔ شیخ نے بڑے شوق سے ان روٹیوں کو کھایا اور ابو الحسن کے فضائل بیان کر کے کہا" سبحان اللہ عجب شان ہے کسی کو ناز و نعمت سے پال لیتے ہیں اور کسی کو جلا کر پگھلا ڈالتے ہیں۔ لیکن دوسری ہی صورت بہتر ہے"۔

شیخ اشرف فرماتے تھے کہ شیخ کے پاس اس قدر مال ضرور ہونا چاہیئے کہ اس کے مریدوں کو دنیا کے کاروبار میں مشغول نہ ہونا پڑے کیونکہ شغل دنیا مبتدی کے کمال کے لئے مضر ہے بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ شیخ کو صاحبِ جاہ بھی ہونا چاہیئے تاکہ مرید اس کے سامنے کمال عاجزی کریں جو طریقت کا ایک بڑا رکن ہے۔

چوتھا ادب یہ ہے کہ شیخ کا فعل قول کے موافق ہو یعنی مرید کو جس کام کے

کرنے یا نہ کرنے کا حکم دے خود بھی ویسا ہی عمل کرتا ہو ورنہ دوسرے نفوس میں زیادہ تاثیر نہ ہوگی۔ اس مصلحت سے شیخ پر لازم ہے کہ جو کچھ فرماتا ہو پہلے اس پر خود عمل کرلے تب دوسرے کو ہدایت کرے۔

امام اعظم کے پاس ایک عورت آئی اور عرض کی کہ میرا بیٹا مٹھائی بہت کھاتا ہے گھر میں جو کچھ ہوتا ہے وہ سب لے جاکر مٹھائی لے آتا ہے میں فقیر ہوں آپ عنایت کرکے میرے لڑکے کو مٹھائی کھانے سے منع کریں۔ امام نے فرمایا کہ تین دن کے بعد اپنے لڑکے کو میرے پاس لانا میں نصیحت کروں گا۔ چنانچہ تین دن کے بعد وہ لڑکے کو لے گئی اور حضرت نے اس کو زیادہ مٹھائی کھانے سے منع کیا۔ عورت نے پوچھا کہ آپ نے تین دن کی مہلت کیوں طلب کی پہلے ہی روز کیوں نصیحت نہ کی امام نے فرمایا کہ مجھ کو مٹھائی سے رغبت تھی۔ میں نے تین دن مٹھائی نہیں کھائی تاکہ میرے کلام میں اثر پیدا ہو اور لڑکا نصیحت قبول کرے۔

کسی شخص نے خواجہ ابوحفص سے ایام بیض کے روزوں کا ثواب پوچھا تو آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ چند روز کے بعد اس شخص سے پھر ملاقات ہوئی تو ان صیام کا ثواب بہت زیادہ بتلایا۔ سائل نے کہا آپ نے اسی دن کیوں نہ جواب دیا تو فرمایا کہ میں اس دن خود روزے سے نہ تھا مجھ کو حق سے شرم آئی کہ دوسرے سے ثواب بیان کروں اور خود اس پر عمل نہ ہو۔ خواجہ سری سقطی سے کسی نے صبر کے معنی پوچھے اسی وقت ایک بچھو نے آپ کو کاٹا مگر آہ نہ کی اور اپنی جگہ سے نہ ہلے تب صبر کا بیان شروع کیا اور کہا کہ اپنی جگہ سے تجاوز کرتا تو میرا قول فعل کے خلاف ہوتا خواجہ ابراہیم ادھم سے کسی نے درویشی کی صفت پوچھی وہ فوراً گھر کے اندر

چلے گئے۔ وہاں سے واپس آکر جواب دیا کہ میری املاک میں چار پیسے موجود تھے مجھکو شرم معلوم ہوئی کہ اس قدر مال موجود ہو اور میں درویشی کا بیان کروں۔ ایک مجلس میں چند حضرات درود شریف کا ورد کر رہے تھے وہاں ایک بزرگ بیٹھے تھے ان کی حالت میں تغیر ہوا اٹھ کر گھر کے اندر چلے گئے اور وہاں سے واپس آکر درود پڑھنا شروع کیا۔ کسی نے پوچھا کہ آپ نے پہلے درود کیوں نہیں پڑھا تو جواب دیا کہ مجھکو شرم معلوم ہوئی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھوں اور میرے گھر میں کوئی چیز خلاف سنت موجود ہو۔ خواجہ شفیق بلخی نے شروع زمانہ میں ایک کافر کو اسلام کی تلقین کی۔ اس نے انکار کیا اور خواجہ کو مارا مدت کے بعد جب شفیق کامل ہو گئے تو وہی کافر آیا اور اسلام قبول کیا۔ شفیق نے حال پوچھا تو وہ بولا کہ پہلے آپ گناہوں سے آلودہ تھے اور میں کفر کی حالت میں تھا نجس نجس کو پاک نہیں کر سکتا جب آپ طاہر ہوئے تو حق سبحانہ نے آپ کے وسیلہ سے مجھکو بھی پاک کیا۔

جس طرح علمِ ظاہر اس شخص سے سیکھنا چاہیئے جس نے خود علم سے فائدہ اٹھایا ہو کیونکہ جس علم سے استاد مستفید نہ ہوا دوسرے کو کیا فائدہ ہوگا اسیطرح علومِ باطن کی تعلیم بھی اسی شخص کو سزاوار ہے جو ان کا عامل کامل ہو۔

پانچواں ادب یہ ہے کہ ضعیف اور کم حیثیت مریدوں سے نفس کی مخالفت زیادہ نہ کرائے کیونکہ صدق وارادت کا بلند مرتبہ نہ ہوا تو نعمت سلوک سے محروم رہ جائیں گے۔ ابتدا میں سخت ریاضتوں سے باز رکھے۔ رفتہ رفتہ فقیروں کی صحبت میں بیٹھ کر ہمت خود ہی بلند ہو جائیں گی۔ کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ درویشوں کی صحبت میں بیٹھا اور دنیا ترک کی شیخ کو اس کی کمزوری کا احساس تھا

اس لئے کبھی کبھی اس کے واسطے خوش مزہ کھانے مہیا کرتے اور کہتے تھے کہ اس کو نفیس غذاؤں کی عادت ہے آہستہ آہستہ عادت ترک کرانا چاہیئے۔ جب وقت آئے گا تو وہ خود نفیس غذاؤں سے متنفر ہو جائے گا۔ حضرت قدوۃ الکبریٰ نے تنکر قلی کے ساتھ یہی معاملت کی تھی وہ صاحب جاہ تھے توبہ کی توفیق ہوئی۔ اور حضرت کی خدمت میں آئے تو ان کو ریاضت کا حکم نہیں دیا بلکہ ان کے پسند خاطر غذا اور لباس کا انتظام کرتے تھے۔

چھٹا ادب یہ ہے کہ شیخ کی گفتگو ہزل اور فضول سے پاک رہنا چاہیئے تاکہ مرید پر اس کی نصیحت کا اثر ہو کلام مثل تخم کے ہے جیسا گڑے گا ویسا ہی پھل لائے گا شیخ کو چاہیئے کہ بیانِ معارف کے وقت خودی سے خالی ہو جائے۔ اور مثل ناودان کے ہو تاکہ جو سحابِ رحمت سے بارش ہو وہی دریا سے جاری ہو اسی اعتبار سے حضرت مولوی نے خود کو نرکل سے تعبیر کیا ہے ؎

بشنو از نے چوں حکایت میکند در جدائی ہا شکایت میکند

سید اشرف رحمۃ اللہ علیہ کے مرید شیخ ابو المکارم کو سلوک کا شوق ہوا تو خراسان سے مکہ معظمہ گئے اور صوفیہ کا طریق سیکھا۔ حضرت نے فرمایا "شکر کا محل ہے کہ ایک مرد پانچسو کوس چل کر اور منزلیں قطع کر کے سلوک کے لئے یہاں تک آیا ہے۔ ایک بزرگ شیخ ابو بکر قالیز بان کی زیارت کے لئے بخارا گئے۔ سلام کے بعد بیٹھے۔ دستر خوان لایا گیا جو کی روٹی تھی اور نمک بزرگ بھوکے تھے بہت شوق سے کھایا۔ شیخ ابو بکر رونے لگے تو بزرگ نے ہاتھ روک لیا اور گریہ کا باعث پوچھا جواب دیا "میں فرطِ مسرت سے روتا ہوں۔ ابو القاسم جنید نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ

وقت جلد آنے والا ہے جب ایک گلی میں دو مکان ہوں گے ایک میں تصوف
کی گفتگو ہوگی اور دوسرے میں خموشی مگر دوسرے گھر کا رہنے والا معارف سیکھنے کیلئے
پڑوس کے حجرے میں جانے کی تکلیف برداشت نہ کرے گا آپ ہرات سے چل کر بخارا
آئے ہیں تو یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔"

ساتواں ادب یہ ہے کہ پیر کو مرید کے کسی فعل شنیعہ یا صفت مذمومہ کی
اطلاع ہو اور اس کی اصلاح کے لئے مواخذہ کی ضرورت معلوم ہو تو صاف الفاظ میں
ممانعت نہ کرے بلکہ اشارات وکنایات سے اپنا مقصود ظاہر کرے تاکہ نصیحت
بطریق حکمت ہو۔ بعض مشائخ کا قول ہے کہ مریدوں سے علی الاعلان مواخذہ کرنا چاہیئے
خواجہ علاءالدین عطار کے ایک مرید اجازت لے کر اپنے وطن گئے تھے واپس آئے
تو خواجہ نے کہا ہمارے بزرگوں کا دستور محاسبہ ہے لہذا اپنا مفصل احوال ایام
غیبت کا بیان کرو مرید نے سب حال عرض کیا۔ لیکن ایک بات کہنے کے قابل نہ
تھی اس کو چھپایا۔ خواجہ نے حکم دیا وہ عیب بھی بیان کرو ورنہ میں ظاہر کردوں گا
اور تمہاری رسوائی ہوگی۔ مجبور ہو کر اس نے وہ خطا بھی بیان کی۔ لیکن قدوۃ الکبریٰ
فرماتے تھے کہ مرید کو برُے افعال سے بر سبیل کنایت منع کرنا افضل ہے۔ اور
مطابق سنت کے ہے۔

حضرت رسول علیہ السلام اپنے کسی صحابی کو تنبیہ کرنا چاہتے تھے تو فرماتے
تھے "کوئی شخص ایسا ایسا کام کرتا ہے یا کسی جماعت میں ایسی ایسی بری عادتیں
ہیں " قصوروار اپنی خطا دریافت کرلیتا تھا اور اس کا نام دوسروں کو معلوم نہ ہوتا
تھا یہ خلق مصطفوی کی شان میں مالک الملک کا ارشاد ہے۔ انک لعلی خلق عظیم

آٹھواں ادب یہ ہے کہ شیخ نوافل بکثرت ادا کرے غلبۂ احوال سے اعمالِ صالحہ میں کمی نہ ہو اور یہ گمان نہ کرے کہ اسکو اعمال کی حاجت نہیں حضرت پیغمبر علیہ السلام باوجود کمالِ حال کے جس کا مثل ممکن نہیں رات کو اس قدر نماز پڑھتے تھے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا۔

سید اشرف فرماتے تھے کہ میں نے دنیا کی سیر کی بڑے بڑے مشائخ کی خدمت میں پہنچا لیکن کسی بزرگ کی زبان سے ایک لفظ ایسا نہیں سنا جس سے ظاہر ہوتا کہ ان کو عبادت کی ضرورت نہیں رہی۔ بزرگانِ دین موت کے وقت بھی شریعت کا کوئی ادب ترک نہیں ہونے دیتے۔

حضرت شبلی کا وقت اخیر تھا حالت نزع میں حکم دیا کہ مجھ کو وضو کرا دو۔ ایک معتقد نے وضو کرایا مگر اتفاق سے داڑھی میں خلال کرانا بھول گئے۔ شبلی کی زبان بند ہو چکی تھی اس معتقد کا ہاتھ پکڑ کر داڑھی تک لے گئے اور تخلیل کرائی۔ اس کے بعد دنیا سے رخصت ہوئے حضرت ابوالحسین مانجی کہتے تھے کہ خیر نساج[1] کی نزع کے وقت میں حاضر تھا ان پر غشی طاری تھی مغرب کا وقت آیا تو آنکھ کھولی اور دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا "ٹھہر جا مجھ کو امان دے تو خدا کا محکوم ہے میں بھی اس کا محکوم ہوں۔ تیرے پاس جو حکم ہے وہ فوت نہیں ہوتا میں تیرے قبضہ میں ہوں لیکن مجھ کو نماز کا حکم ہے اس کا وقت آگیا اور فوت

---

[1] محمد بن اسماعیل نام ابوالحسن کنیت سامرہ کے رہنے والے تھے۔ بغداد میں سکونت اختیار کی حضرت سری سقطی کے مرید تھے اور جنید کے ہمعصر۔ ۱۳۰ سال کی عمر پائی ۳۲۲ھ میں وفات ہوئی۔ ۱۲ (مترجم)

ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس کے بعد پانی طلب کر کے وضو کیا مغرب کی نماز پڑھی۔
سلام کے بعد آنکھیں بند کر لیں اور جان جان آفریں کے سپرد کی۔

اگر یہ خطرۂ فاسد دل میں آئے کہ اس کو عبادت کی ضرورت نہیں تو
اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ یحییٰ معین رازی سے کسی نے کہا کہ بعض صوفیہ ایسے
مقام عالی تک پہنچنے کے مدعی ہیں کہ ان کو نماز کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ جواب دیا
کہ بیشک وہ ایک مقام تک پہنچے ہیں لیکن وہ مقام دوزخ ہے۔

یہ دنیا دار العمل ہے سالک و عارف کو چاہیئے کہ احکام مشاہدہ کا مغلوب
نہ ہو بلکہ وظائف عبادات اور اعمال نیک کا ہمیشہ پابند رہے امام زین العابدین
ہزار رکعت نماز روز پڑھتے تھے ایک رات ان کو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا
دیوان اعمال مکشوف ہوا تو دیکھا کہ ان کی عبادت حضرت امیر سے بہت کم تھی۔
اس کے بعد اپنے اعمال میں زیادتی شروع کی۔ منصور حلاج باوجود انا الحق کا دعویٰ
کرنے کے روزانہ ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے اور جس روز قتل کئے گئے اس
شب کو بھی پانچسو رکعت پڑھی تھیں۔ بعض جاہل کہتے ہیں کہ عبادت کا حکم اس
اس وقت تک ہے جب تک یقین کا مرتبہ حاصل نہ ہو جائے اور سند
میں یہ آیت پیش کرتے ہیں واعبد ربك حتیٰ یاتیك الیقین لیکن کوئی
عاقل اس قول کو تسلیم نہیں کر سکتا کیونکہ علمائے ظاہر کے نزدیک یہاں "یقین"
سے مراد موت ہے یعنی موت کے دن تک خدا کی عبادت کرو اور اصحاب تصوف
کہتے ہیں کہ جب تک بندہ یقین سے مشرف نہیں ہوا وہ عابد ہے اور عبادت
اس سے منسوب ہے مگر جب یقین کمال تک پہنچا تو عبادت کی نسبت اس سے

زائل ہو گئی۔ ہو العابد ہو المعبود وہی عابد ہے وہی معبود۔

نواں ادب یہ ہے کہ مرید سے تعظیم کی توقع نہ رکھے اگرچہ مرید کے لئے شیخ کی تعظیم بہت ضروری ہے لیکن اس کی توقع رکھنا شیخ کے لئے پسندیدہ نہیں ہے۔ شیخ کسی وقت مرید کے حقوق سے غافل نہ ہو صحت ہو یا مرض سفر ہو یا حضر ہر حال میں مرید سے باخبر رہے۔ امراض مرید کی تشخیص کے لئے شیخ کو مثل طبیب کے ہونا چاہیئے تاکہ اس کے تمام اعضاء کے خطرات سے آگاہ رہے۔ مولانا روم نے مثنوی میں کنیزک کی حکایت بیان کی ہے۔ وہاں شیخ نے کنیزک کی نبض سے دریافت کر لیا تھا کہ اس کا معشوق سمرقند میں ہے۔ حکایت بہت مشہور ہے لہٰذا تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ شیخ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے اصحاب کے اسرار پوشیدہ رکھے اور ان کے مکاشفات اور واقعات کا کا اظہار نہ کرے وہ واقعات خلوت میں سُنے اور مرید کو سمجھائے کہ ان کی طرف توجہ نہ کرنا چاہیئے مکاشفات کی طرف زیادہ توجہ سے حقیقت مقصود تک پہنچنے میں دیر لگ جاتی ہے اسی وجہ سے بعض صوفیہ مکاشفات کو غول راہ کہتے ہیں۔

دسواں ادب یہ ہے کہ شیخ کی عظمت مرید کی نظر میں اگر کثرت مشاہدے سے کم ہونے کا خطرہ ہو تو اس سے دوری اختیار کرے۔ مرید کو ایسی جگہ آباد کرے جو شیخ کے مقام سے نہ بہت دور ہو نہ بالکل نزدیک مرید کبھی کبھی زیارت کیلئے آیا کرے اور پھر اپنے موضع کو واپس جایا کرے تاکہ حدیث نبوی ذر غباً تزدد حباً پر عمل ہو تصوف سراسر ادب ہے۔ ادب سے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے مرید شیخ کی صحبت میں آداب ملحوظ رکھتا ہے تو شیخ کے دل میں محبت پیدا

ہوتی ہے اور حق سبحانہ کا منظورِ نظر ہو جاتا ہے حق تعالےٰ ہر روز تین سو ساٹھ بار دوستوں کی طرف نظر رحمت کرتا ہے۔ مرید کی جگہ شیخ کے دل میں ہوئی تو اس پر بھی نظر پڑتی ہے اور دولت ولایت نصیب ہو جاتی ہے۔

سلطان ولد سے منقول ہے کہ جو مرغ زمین سے اونچا اڑتا ہے اگرچہ آسمان تک نہیں پہنچا لیکن صیاد کے جال سے محفوظ رہتا ہے اسی طرح جو شخص درویشوں کی صورت بنائے اگرچہ ان کے کمال تک نہ پہنچے زمرہ خلق سے ممتاز ہو جاتا ہے اور دنیا کی بہت زحمتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ مرید کے لئے حسب ذیل دس آداب ضروری ہیں۔

پہلا ادب یہ ہے کہ مرید یقین رکھے کہ فتح الباب شیخ کی ملازمت سے ہوگا اس کے آستانہ پر جان دے یا اپنے مقصود تک پہنچے۔ مجذوب شیرازی نے خوب کہا ہے۔ شعر

خدارا رحمے اے منعم کہ درویشی سر کوئیت
در دیگر بمیداند رہے دیگر نمیگیرد

مخلص مرید کی علامت یہ ہے کہ شیخ کی رد و البعاد سے اس کے عقیدے میں فتور نہیں ہوتا۔ مشائخ مریدین کے امتحان کرتے ہیں جو کامیاب ہوا وہی نظرِ کیمیا تاثیر کا منظور بنتا ہے۔ حضرت ابو عثمان حیری شیخ ابو حفص کی زیارت کیلئے

لہ سعید بن اسمٰعیل نام حیرت میں سکونت تھی جو نیشاپور کے ایک محلہ کا نام ہے اصل باشندے آرے کے تھے یگانہ وقت اور استاد زمانہ تھے ۲۹۸ھ میں وفات پائی مزار مبارک نیشاپور میں ہے

گئے اور ان کا نور ولایت دیکھ کر مرید ہونے کا عزم کیا۔ ابو حفص نے نکال دیا اور اپنے پاس بیٹھنے سے منع کیا۔ ابو عثمان تعمیلِ ارشاد کے لئے سامنے سے ہٹ گئے مگر شیخ کے دروازے کے قریب ایک گڈھا کھود کر اس میں بیٹھ رہے اور عہد کیا جب تک شیخ نہ بلائیں گے باہر نہیں نکلوں گا۔ ایک سال تک اسی گڈھے میں بیٹھے رہے جب ان کا صدق و خلوص شیخ پر ثابت ہوا تو ان کو طلب کیا اور بڑی تعظیم سے اپنی مجلسِ خاص میں جگہ دی۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ شیخ کے تصرفات تسلیم کرے اور وہ جو کچھ فرمائے اس پر راضی رہے۔ حضرت شیخ عثمان روحانی نے ایک دن خرچ کے لئے بعض مسلمانوں سے کچھ طلب کیا اور کسی نے نہ دیا ان کے ایک مرید ابو عمر نمازِ عشاء کے بعد دو ہزار درہم کی تھیلی لے کر حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ اس کو خرچ کریں۔ شیخ عثمان بہت خوش ہوئے اور ان کے لئے دعائے خیر کی صبح کے وقت حضرت نے مجلس میں بیٹھ کر یہ واقعہ بیان کیا۔ ابو عمر نے کہا وہ مال میری ماں کا تھا۔ وہ اس کے ہبہ پر رضامند نہیں ہے لہذا آپ واپس کر دیجئے۔ حضرت نے وہ تھیلی واپس کر دی۔ مگر رات کے وقت وہ پھر تھیلی لے کر آئے اور کہا کہ اس رقم کو اس طرح صرف کیجئے کہ سوائے میرے اور کوئی نہ جانے۔ حضرت نے منظور کیا اور سعادتمند مرید کی تحسین کی۔

تیسرا ادب یہ ہے کہ مرید اپنا اختیار کچھ نہ سمجھے دنیا اور آخرت کا کوئی کام بغیر اجازتِ شیخ کے شروع نہ کرے یہاں تک کہ مرید نہ کھائے نہ پئے نہ پہنے نہ سوئے نہ لے اور نہ دے۔ مگر شیخ کی اجازت سے اسی طرح سے روزہ اور افطار۔ ذکر۔

مراقبہ اور تلاوت وغیرہ بھی بغیر اجازتِ شیخ کے شروع نہ کرے۔

شیخ ابوالخیر کے بعض شاگرد حج کی نیت سے نکلے راہ میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ تم بغیر اجازتِ شیخ کے باہر آئے ہو واپس جاؤ جس کے گھر میں کعبہ ہو وہ جنگل میں پھرے تو دیوانہ ہے۔ بعض شاگرد اس فہمائش سے شیخ کی خدمت میں واپس گئے۔ اور سلامت رہے مگر جن شاگردوں نے حج کی نیت ترک نہ کی وہ بادِ سموم سے ہلاک ہوئے اور عرفات میں نہیں پہنچ سکے

چوتھا ادب یہ ہے کہ شیخ کی جگہ بیٹھنے کا کبھی خیال دل میں نہ لائے۔ شعر

دلا تا بزرگی نیاری بدست بجائے بزرگاں نباید نشست

مرید کو چاہیئے کہ جو فعل شیخ کو مکروہ معلوم ہوتا ہو اس کا اقدام ہرگز نہ کرے اور اس کے حُسنِ اخلاق پر اعتماد نہ کرے کیونکہ شیخ کی نظر میں حقیر ہوا تو نقصان پہنچے گا۔

پانچواں ادب یہ ہے کہ اپنے واقعات کے کشف کے لیے وہ خواب کے ہوں یا بیداری کے شیخ کی طرف رجوع کرے اور خود ہی ان کی صحت پر بھروسہ نہ کرے کیونکہ خطا اور شک کی بہت گنجائش ہے تمام امور میں منتظر رہے کہ شیخ کی زبان سے کیا نکلتا ہے اور یقین رکھے کہ وہ خدا کے حکم سے گویا ہوتا ہے ہوا و ہوس سے کچھ نہیں کہتا۔

چھٹا ادب یہ ہے کہ شیخ کی صحبت میں آواز بلند نہ کرے۔ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بعض نے آواز بلند کی تھی تو ان کی تادیب کے لئے یہ آیت نازل ہوئی یا ایھا الذین اٰمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی

(یعنی اے مسلمانو اپنی آوازوں کو آواز نبی سے بلند نہ کرو) اسی طرح اکابر کے حضور میں بھی آواز بلند کرنا ترک ادب ہے۔ شیخ سے خطاب، تعظیم و ادب سے کرنا چاہیئے ابتدائے زمانہ میں حضرت رسول علیہ السلام کا اسم مبارک لوگ تعظیم و توقیر سے نہیں لیتے تھے اور یا محمدؐ یا احمدؐ کہہ کر خطاب کرتے تھے ان کی تادیب کے لئے آیتیں نازل ہوئیں جن کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ کو ان کا نام یا کنیت لے کر نہ پکارو بلکہ یا نبی اللہ یا رسول اللہ وغیرہ مناسب خطابوں سے یاد کرو۔ اسی طرح اپنے شیخ کا نام بھی توقیر و احترام سے لینا چاہیئے سوائے نماز فرض کے اس کے سامنے نفل نہ پڑھے۔ اس کے حضور میں نہ ہنسے اور سماع کے وقت جب تک بے اختیار نہ ہو جائے احتیاط کرے کہ کوئی بے ادبی سرزد نہ ہو۔

ساتواں ادب یہ ہے کہ شیخ کے اوقاتِ کلام سے واقفیت رکھے جب دنیا یا دین کی بابت کوئی سوال شیخ سے دریافت کرنا ہو تو پہلے معلوم کر لے کہ ان کو اس وقت گفتگو کی فرصت ہے یا نہیں۔ دلیرانہ گفتگو کی جرأت نہ کرو۔

آٹھواں ادب یہ ہے کہ شیخ اپنے واقعات اور کرامات پوشیدہ رکھنا چاہتا ہو اور مرید کو اطلاع ہو جائے تو بغیر اجازت شیخ کے کسی سے بیان نہ کرے جان کا خطرہ ہو تو بھی افشائے اسرار نہ چاہیئے۔ ایک شیخ کے بہت سے مرید تھے جن کو طریق مخصوص سے تقرب عنایت کیا تھا لیکن ایک مرید میں حفظِ اسرار کی اہلیت نہ تھی وہ اپنا عیب نہ جانتا تھا اور بار بار شیخ سے عرض کرتا تھا کہ وہ مخلص ہے اس کو بھی کوئی علم و عمل بتایا جائے جیسا دوسرے مخصوصین کو عنایت ہوئے۔ جب اس نے کئی بار اصرار کیا تو شیخ نے قصد کیا کہ اس کی کمزوری دکھائیں کہا کہ آج رات کو مجھے ایک کام درپیش

ہے تم اس میں میری مدد کرنا مگر وہ بھید کسی پر ظاہر نہ ہو مرید نے کہا میں مخلص ہوں ممکن نہیں کہ راز ظاہر کروں رات کے وقت حسب وعدہ حاضر ہوا شیخ گھر سے ایک تلوار لئے ہوئے نکلے ہاتھ پاؤں خون آلودہ تھے مرید سے کہا کہ آج میں نے فلاں شخص کو قتل کیا ہے اس کی لاش ایک بورے میں رکھدی ہے تم میرے ساتھ چل کر اس بورے کو ایسی جگہ دفن کر دو کہ کسی کو پتہ نہ چلے۔ غرض وہ بورا مرید سر پر رکھوا کر ایک مقررہ جگہ پر لے گئے اور وہاں دفن کر دیا۔ جب شیخ واپس آئے تو وہ مرید اس مقتول کے باپ کے پاس گیا اور کہا کہ تیرے بیٹے کو آج شیخ نے قتل کر کے فلاں مقام پر دفن کیا ہے باپ یہ خبر سنتے ہی بادشاہ کے پاس گیا اور اپنی مصیبت بیان کی بادشاہ اس شیخ کا معتقد تھا اس کو یقین نہ آیا۔ مرید نے حاضر ہو کر شہادت دی کہ میں نے خود پیر کی ہمراہی میں وہ نعش دفن کی ہے کسی کو میرے ہمراہ بھیجئے تو میں دعویٰ ثابت کر دوں۔ بادشاہ نے اپنے چند معتمد اس کے ساتھ کئے جب موقع پر پہنچے اور زمین کھودی گئی تو معلوم ہوا کہ ایک مقتول بکری بوری میں تھی۔ شیخ کو جب واقعہ کی خبر ہوئی تو اس مرید کی بڑی فضیحت و رسوائی کی اور اپنی صحبت سے نکال دیا۔ بادشاہ نے مرید کو سزا دینی چاہی۔ شیخ نے کہا کہ اس کے لئے یہی تنبیہ کافی ہے کہ میری مجلس سے خارج کر دیا گیا۔

نواں ادب یہ ہے کہ اپنے سب اسرار شیخ پر ظاہر کرے کل وارداتِ صوری معنوی اور واقعاتِ کلی و جزوی شیخ سے عرض کرے کوئی کرامت حق تعالےٰ سے عنایت ہو تو اس کو بھی مناسب الفاظ میں شیخ سے بیان کر دے جو بھید شیخ سے چھپایا جاتا ہے اس سے مرید کے باطن میں گرہ پڑ جاتی ہے اور اس گرہ سے فتوح

اور امداد شیخ کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ جو سالک اپنے واقعات شیخ سے عرض نہیں کرتا وہ گمراہ اور سرگرداں ہو جاتا ہے۔ بنی اسرائیل میں ایک بڑا زاہد اور متوکل شخص تھا۔ ریاضاتِ شدیدہ کرتا اور ایک درویش کی تعلیم سے اشغالِ باطنی میں مشغول رہتا تھا۔ ایک رات اس کے حجرہ میں دو نور سیاہ سفید نظر آئے۔ اس نے خیال کیا کہ دن کا خالق نور سفید ہے اور رات کا خالق نور سیاہ ہے۔ اپنے شیخ سے انوار کا حال بیان نہیں کیا انجام کار وہ اسی عقیدہ پر مضبوط ہو گیا۔ شیخ کا منکر ہو کر اہرمن و یزداں کی طرح ایک نیا مذہب بنا لیا۔

دسواں ادب یہ ہے کہ مرید اپنے شیخ کا قول کسی دوسرے سے نقل کرے تو سننے والے کی سمجھ کے مطابق کہے۔ کوئی نازک مسئلہ ہو جس کی حقیقت سننے والے کی استعداد سے باہر ہو تو وہ قول بیان نہ کرنا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسانوں سے ان کی عقل کے مطابق کلام کرو۔ مرید کو یہ بھی لازم ہے کہ شیخ کی طرف پشت نہ کرے۔ ادھر پاؤں نہ پھیلائے اس کے سامنے بیٹھے مگر تیز نظر نہ کرے۔ اکثر اوقات پشت اور زانو پر نظر کرے وظائف اور نوافل میں بھی مشغول نہ ہو کیونکہ مشغولی پیر کے چہرے کی زیارت سے بڑھ کر نہیں ہے شیخ ابو سعید ابوالخیر کا ایک مرید سوائے چہرہ پیر کی زیارت کے کچھ کام نہ کرتا تھا۔ کسی دوسرے مرید نے اعتراض کیا کہ یہ غلو اعمالِ ظاہر میں مانع ہے تو اس مرید نے جواب میں یہ رباعی پڑھی۔

لطیفہ آٹھواں

معرفت راہِ سلوک و حجابات نورانی و ظلماتی

سلوک سے مقصود صفات بشری سے خروج اور مقامات بلند میں دخول ہے کلماتِ مشائخ میں ہے کہ اللہ کی طرف سے راستے بہ شمار انفاس خلائق ہیں اور حق تعالےٰ نہ شرق میں ہے نہ غرب میں نہ عجم ہے نہ عرب میں ہے بلکہ بندے کے دل میں ہے۔ ظاہراً ان دونوں کلمات میں تعارض ہے۔ کیونکہ پہلے مقولہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کے راستوں کا کوئی حصر نہیں اور دوسرے کلمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حصر ممکن ہے یعنی خدا بندے کے دل میں ہے لیکن درحقیقت دونوں میں کوئی فرق نہیں کیونکہ مقولہ اول میں انفاس خلائق سے راستوں کی کثرت مراد نہیں ہے۔ جن سے سلوک کیا جائے بلکہ حقیقت کا وجدان مراد ہے جو سالک عارف کو ہر نفس میں خداوند تعالےٰ کی صفتیں دیکھ کر پیدا ہوتا ہے۔

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی جس میں اللہ کو نہ دیکھا ہو۔ ما رایت شیئاً الا رایت اللہ۔ ہر مصنوع سے صانع کی طرف راہ ہے تو اللہ کے راستے بہ شمار انفاس خلائق ہیں۔ نظامی گنجوی نے سچ کہا ہے۔ شعر

ہر آنچہ آفریداست بنیندہ را   نشان می دہد آفرینندہ را

یعنی جو پیدا کیا گیا وہ دیکھنے والے کو پیدا کرنے والے کا نشان دیتا ہے۔ اس غیر منحصر راستہ سے سلوک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کی کوئی حد و غایت نہیں تو سلوک

کا راستہ سوائے راہِ دل کے کچھ نہیں اور اسی سلوک کے طریقے مشائخ نے مقرر کئے
ہیں۔ مشارب بہت ہیں لیکن وہ سب دو طریقوں پر جمع ہو جاتے ہیں ایک کو سلوک
سلسلہ تربیت" کہتے ہیں اور دوسرے کو سلوک وجہ خاص" ابرار و اخیار اور اشطار وغیرہ
مشرب "سلسلۂ تربیت" میں داخل ہیں اور بیشتر اولیاء کاملین اسی سلسلہ سے مقصد
کو پہنچتے ہیں لیکن بعض مشائخ نے اپنے مریدوں کو مشرب وجہ خاص کا بھی سلوک کرایا
ہے جو ہر طالب کے بس کا نہیں ہے۔ سلوک تربیت میں بعض کو چالیس سال اور بعض کو
۵۰ لگ گئے ہیں لیکن دوسرے سلوک میں پیر کامل کی دستگیری ہو تو تھوڑی مدت
میں مقصود حاصل ہو سکتا ہے۔ بعض طالبوں نے یہ راہ ایک مہینہ بلکہ ایک ہفتہ
میں طے کر لی ہے اور ورائے غیب کے ساحلِ شہود تک پہنچ گئے ہیں۔ سلوک سلسلۂ
تربیت کی شرح یہ ہے کہ جب حقیقت انسانی آشیانۂ وحدت سے نکل کر وحدانیت
میں پہنچی اور وہاں سے عالم ارواح میں آئی تو اس میں بہت سی شاخیں پیدا ہو گئیں
جن کو فروعِ کثرت کہتے ہیں۔ ایک شاخ سے انبیاء کی ارواح پیدا ہوئیں۔ انبیاء
کی ارواح سے اولیاء، اولیاء کی ارواح سے مومنین اور مومنین کی ارواح سے گنہگار
گنہگار سے منافق اور منافقوں سے کافر۔ اسی حقیقت سے عقل کل اور نفس کل وغیرہ
کا وجود ہوا اور عرش و کرسی افلاک آب و آتش خاک و باد جماد نباتات اور حیوان
کا ظہور ہوا۔ حیوان کے زمرہ میں آدمی شامل ہے۔ پس حقیقت انسانی نے تمام مراتب
مذکورہ بالا سے عبور کر کے اس عالم میں ظہور ہوا۔ اور جو فیض وجود انسانی کو پہنچا ہے
وہ مراتب بالا سے گذر کر اس تک آتا ہے کیونکہ وہ تمام موجودات کا جامع ہے دوسرے
الفاظ میں یوں کہا جائے کہ عالم انسانی عبارت ظہور ذات سے ہے جس میں تمام

موجوداتِ سفلی و علوی و صوری و معنوی شامل ہیں۔ حقیقتِ انسانی تمام مراتب سے تنزل کر کے تعین و تقیید میں آئی تو دولتِ قرب و شہود سے دور ہو گئی اور بعض افرادِ انسانی خود کو مستقل وجود کا مالک سمجھنے لگے ناگاہ سعادتِ ازلی نے دستگیری کی اور مراتبِ قرب کی طرف بعض افراد کو رجوع کی خواہش ہوئی۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کا اشتیاق ہوا جن کی بابت کلام مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔ فوجدا عبداً من عبادنا اٰتیناہ رحمۃ من عندنا وعلمناہ من لدنا علما یعنی پایا ایک بندہ ہمارے بندوں میں سے جس کو ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور اپنے پاس سے رحمت دی اور اپنے پاس سے علم سکھایا۔

سید اشرف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ شرائطِ اہلیتِ شیخی اسی آیت سے استخراج کئے گئے ہیں۔ پس لازم ہے کہ شیخ میں یہ پانچوں وصف موجود ہوں۔ اول یہ کہ وہ اللہ کے خاص بندوں میں سے ہو (من عبادنا) دوسرے اللہ سے بے واسطہ حصول کا استحقاق رکھتا ہو (اٰتیناہ) تیسرے اللہ کے پاس سے رحمت پائی ہو (رحمۃ منا) چوتھے حق سے علوم کی تعلیم ہو (علمناہ) پانچویں علوم (من لدنی) بے واسطہ اس کو حاصل ہوئے ہوں۔ جب اس طرح کا کوئی پیر حاصل ہو تو اس کا دامن مضبوط پکڑے اور اس کی پیروی کرے۔

شیخ کو لازم ہے کہ اول مرید کو علم ظاہر جس قدر ضروری ہے سکھلائے اور بعض عقائد صوفیہ سے مختصر طور پر آگاہ کرے۔ اس کے بعد جو شغل مناسب حال ہو تعلیم فرمائے لیکن مرید مبتدی کے لئے ذکر جلی تمام اشغال سے زیادہ مفید ہے

جب مرید دن رات ان اذکار اور افکار میں رہے گا تو اول مرتبہ حیوانیہ کو پہنچیگا اور جو کچھ تمام حیوانات پر مکشوف ہے اس پر کھل جائے گا۔ جب اس مرتبہ سے ترقی کرے گا تو نباتات کے زینہ پر پہنچے گا ان کے خواص معلوم ہوں گے اور ان کی تسبیح سمجھے گا۔ جب اس مرتبہ سے ترقی کرے گا شہر جماد میں پہنچے گا۔ وہاں کے اسرار دریافت ہوں گے جواہر کی کانیں اور پوشیدہ خزائن اور دفینے اس کو نظر آئینگے جب اس منزل سے اوپر جائے گا تو خاک تک پہنچے گا۔ جہاں عجائب و غرائب کا دفتر ہے اس مرتبہ سے عبور کر کے آب تک رسائی ہو گی اور وہاں سے ساحل ہوا پر گذر ہو گا۔ اس کے بعد بمرتبہ عروج کے خلافِ نزول کرے گا۔ یہاں تک کہ اپنے عین[1] ثابتہ تک پہنچ جائے اور یہ درجہ تین مراتب سے خالی نہیں یا اس کا عین ثابتہ تمام اعیان ثابتہ کا جامع ہو اور تمام صورتیں اس میں شامل ہوں جس طرح کہ عین ثابتہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آن کے بعض تابعین کاملین اور سالکین کا تھا (اس درجہ پر اپنے عین ثابتہ کے ذریعہ سے تمام اعیان کے احکام و آثار پر اطلاع ہوتی ہے) یا سالک کا عین ثابتہ چند اعیان ثابتہ کا جامع ہو پس اطلاع اس کو بعض افراد عالم کے احکام و آثار پر ہوتی ہے۔ شیخ عبدالرزاق کاشی بیان کرتے تھے کہ ان کے پیر کی ایک نظر مخصوص تھی جب چاہتے کہ کسی کے حال پر مطلع ہوں تو اس کی طرف نظر کرتے اور اس کے تمام دین و دنیا کے امور سے

---

[1] اصطلاحِ تصوف میں عین ثابتہ سے مراد وہ حقیقت شے ہے جو ظاہرا موجود نہیں لیکن علم الٰہی میں ثابت ہے اس کی تفصیل آئندہ صفحات پر ملے گی۔

باخبر ہو جاتے تھے۔ مقدمہ الکتاب میں بیان ہو چکا ہے کہ مدینۃ الاولیاء میں سید علی ہمدانی کے اشارے سے حضرت قدوۃ الکبریٰ نے ان تمام اکابر کے حالات بیان کر دیئے تھے جو اس مجمع میں موجود تھے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ سالک کا عین ثابتہ دوسرے اعیان کا جامع نہ ہو بلکہ اپنے ہی عین ثابتہ کی خبر رکھے۔ سید اشرف رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مریدین اس شرف سے ممتاز تھے اور شیخ نجم الدین صغریٰ نے ایک بار حضرت سے عرض کیا تھا کہ چلہ کے ختم پر ۲۹ رمضان کی شب کو اپنے حالات اولین و آخرین مجھ پر کشف ہوئے بلکہ تمام معاملات ازل و ابد سامنے آ گئے ہیں۔ غرض جب سالک اللہ کی عنایت سے اپنے عین ثابتہ تک پہنچتا ہے تو سلوک اس جگہ ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد سیر جذبہ سے ہو سکتی ہے کیونکہ خدا تک پہنچنا بغیر جذبہ کے ممکن نہیں جو خدا کا بندہ سلوک کی یہ منزلیں طے کرتا ہے اس کو سالک مجذوب کہتے ہیں۔ جب اس مرتبہ سے نزول کر کے اپنے اصلی مقام پر آئے تب اس قابل ہوتا ہے کہ مریدوں کی تربیت کر سکے۔ اگر کوئی طالب بواسطہ سلوک کے جذبہ کے درجہ تک پہنچے اور کوئی پیر اس کو سلسلۂ تربیت کے سلوک کی طرف واپس لا کر دوبارہ منزل بہ منزل جذبہ تک پہنچائے تو اس کو مجذوب سالک کہتے ہیں۔ ایسا بزرگ بھی اقتدا کے قابل ہے۔ سوائے ان دو کے اور کوئی تربیت کی صلاحیت نہیں رکھتا اگر کوئی طالب درگاہ جذبہ تک نہ پہنچے اور راستہ میں رک جائے تو اس کو فقط سالک کہتے ہیں۔ اسی طرح کوئی بندہ جذبہ کی سرحد تک پہنچے اور سلوک کی ہوا نہ لگے تو اس کو فقط مجذوب کہتے ہیں۔ ان دونوں بزرگواروں سے سالکوں کی تربیت بہت ہی کم ممکن ہے۔ البتہ مجذوبوں کی زبان جلد کارگر ہوتی ہے۔

اور کھانے پینے اور پہننے میں اکثر ان کی روش درویشوں سے خلاف ہوتی ہے کبھی
ایسا ہوتا ہے کہ کھانے سے سیر نہیں ہوتے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کچھ نہیں کھاتے شیخ
نجیب الدین برغش فرماتے تھے کہ مجھ کو شیخ ابراہیم مجذوب کی ملاقات کا بہت اشتیاق
تھا ایک دن جاڑوں کے موسم میں وہ مجھکو بازار میں نظر آئے میں نے سوچا آج اچھا موقعہ
ہے ان کے ساتھ ہولوں بازار کی مسجد تک میں ان کے ساتھ گیا اور کہا کہ تمہارے لئے
کھانا لاؤں جواب دیا میں سیر ہوں کھانے کی احتیاج نہیں اس کے بعد بارش شروع
ہو گئی بجلی چمکنے لگی نماز مغرب و عشا تک وہ خاموش رہے۔ جب خلقت مسجد سے
چلی گئی اور میں تنہا ان کے ساتھ رہا تب کہا میں بھوکا ہوں میرے لئے کچھ کھانے کو لاؤ۔
اندھیری رات تھی پانی برس رہا تھا بجلی چمک رہی تھی میں نے معذرت کی۔ میرے
پاس چند اشرفیاں تھیں وہ میں نے ان کی نذر کیں اور کہا کہ اس وقت سخت بارش
کی حالت میں کھانا لینے کہاں جاؤں آپ کل ان اشرفیوں سے اپنی خوراک کا سامان
کر لیجئے گا۔ مجذوب نے کچھ دیر صبر کیا اور اس کے بعد پھر کہا میں بھوکا ہوں کچھ میرے
لئے لاؤ۔ میرا مکان اس مسجد سے دور تھا لیکن میرا ایک دولتمند رشتہ دار اس مسجد
کے قریب رہتا تھا۔ میں اس کے پاس گیا اور کہا میرے یہاں ایک جماعت مہمانوں کی
آگئی ہے جو کچھ کھانے کا سامان موجود ہو دو۔ رات زیادہ گذر چکی تھی پختہ طعام باقی
نہ تھا۔ انھوں نے چاول دال اور چنا وغیرہ کے طباق عنایت کئے اور ایک دنبہ بھی دیا
تاکہ سب مہمانوں کے لئے کافی ہو۔ میں یہ سب سامان ہمراہ لے کر مسجد آیا میرے
اندازمیں کل جنس ۵۰ من کے قریب ہوگی۔ میں نے مجذوب سے کہا ذرا دیر صبر کیجئے
تو میں کھانے کو پکا دوں وہ بولے میں اسی طرح کچا کھالوں گا۔ چنانچہ جس قدر جنسِ خام

تھی سب کھا گئے اتفاق سے ایک سائل راستہ سے گذرا یہ مسجد سے دوڑ کر گئے اور جو کچھ روٹیاں اور کھانا وہ بھیک مانگ کر لایا تھا چھین لیا اور وہ بھی کھا گئے جب آدھی رات گذری تو مجھ سے کہا کہ مسجد کے گوشہ میں جا کر سو رہو کیونکہ تم نے میری وجہ سے بڑی زحمت اٹھائی ہے لیکن کوئی حرکت کی یا نہ سوئے تو ہلاک کر دوں گا۔ میں مسجد کے گوشہ میں جا کر لیٹ رہا اور یہ مجال نہ تھی کہ جنبش کروں اگر بدن میں کسی جگہ کھجلی ہوتی تھی تو کھجانے کی بھی مجال نہ تھی۔ اسی مسجد میں ایک بڑا پتھر رکھا ہوا تھا۔ گھڑی گھڑی اس پتھر کو اٹھا کر مجذوب میرے سرہانے لاتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ پتھر اس کے سر پر ماروں گا اور اس کو ہلاک کر ڈالوں گا۔ اور بعد کو خود ہی کہتا کہ اس کا ہلاک کرنا مناسب نہیں اس کا باپ بہت بڈھا ہے بہت آہ وزاری کرے گا اور یہ کہہ کر پتھر پھر رکھ دیتا تھا۔ جب چند بار یہی نوبت آئی تو اس کے خوف سے میری نیند غائب ہو گئی لیکن میں سوتا بن گیا تب وہ بولا میں جانتا ہوں تو سو نہیں رہا ہے مگر تجھ کو میں نے بہت تکلیف دی ہے اس لئے معاف کرتا ہوں اور تجھ کو خدا کے سپرد کرتا ہوں میں مسجد کی چھت پر جاتا ہوں تاکہ تو اطمینان سے سو سکے۔ یہ کہہ کر وہ مسجد کے بالاخانہ پر چلا گیا جہاں امام مسجد کا کتب خانہ تھا۔ جب وہ چھت پر چلا گیا تو میں نے خوف سے نجات پائی اور کوٹھے کا دروازہ باہر سے بند کر کے آرام سے سویا۔ بالاخانہ سے روٹی کھانے کی آواز آتی تھی اور میں تعجب میں تھا کہ وہ کیا کھا رہا ہے۔ کیونکہ وہاں کوئی چیز کھانے کے قابل نہ تھی۔ صبح کے وقت وہ بالاخانہ سے اترا اور باہر چلا گیا۔ میں اوپر گیا تو دیکھا کہ بعض کتابوں کی جلدیں کھا گیا ہے۔

اصطلاح تصوف میں عین ثابتہ سے مراد وہ حقیقت شے ہے جو ظاہرا موجود

نہیں ہے لیکن علم الٰہی میں ثابت ہے اور یہی وہ مقام ہے جس پر سلوک کی منزل تمام ہوتی ہے۔ اگر سلوک میں متابعت نبوی سے ذرہ برابر بھی انحراف ہو تو منزل مقصود تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ بعض مشائخ نے حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کے بغیر درگاہ نور الانوار تک پہنچنا چاہا تو ان کو کامیابی نہیں ہوئی۔ شیخ علاء الدولہ سمنانی نقل کرتے تھے کہ شیخ مجد الدین بغدادی نے عالم واقعہ میں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ بو علی سینا کے حق میں کیا فرماتے ہیں تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس نے میرے واسطے کے بغیر اللہ تک پہنچنے کا ارادہ کیا مگر میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کا حجاب کر لیا اور وہ آگ میں گرا یہی حال شیخ شہاب الدین مقتول اور ان کے تابعین کا بھی ہوا۔ شیخ فخر الدین رازی پر بھی عتاب تھا لیکن ۳۰ سال کے بعد ان کو اپنے بعض معلومات مقررہ میں شک پیدا ہوا اور بہت رنجیدہ ہوئے وہ روتے تھے کہ میرے سب معلومات کا یہی حال ہوا تو میں کیا کروں گا ان کے ایک شاگرد نے یہ کیفیت شیخ محی الدین ابن عربی سے بیان کی تو امام نے کہا کہ وہ اپنے معلومات سے رجوع کرنا نہیں چاہتا اور حقیقت اشیاء دریافت کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ تصفیہ وجہ خاص پر عمل کرے۔

گروہ مجذوبین کو بعض اوقات کھانے پینے کی بالکل پرواہ نہیں ہوتی۔ شیخ ادریلی جب حالت نزع میں تھے تو لوگوں نے روٹی ترکر کے ان کے حلق میں شوربا اور پانی ڈالنا چاہا۔ انھوں نے منع کیا اور کہا کہ میں ۳۰ سال سے روزہ دار ہوں اور اسی حالت سے خدا کے سامنے جانا چاہتا ہوں۔ بعض مجذوبوں کے ظاہری اقوال خلاف ادب معلوم ہوتے ہیں لیکن حق تعالےٰ کی درگاہ میں آب شیریں سے زیادہ خوشگوار

ہوتے ہیں۔ شیخ جعفر خلدی کہتے تھے کہ میں ایک بار بیت المقدس میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک مرد اپنا چہرہ عبا سے چھپائے ہوئے آیا اور آسمان کی طرف رُخ کر کے کہنے لگا کہ اے خدا تجھ کو کون کام زیادہ پسند ہے تو مجھ کو آج دہی اور فالودہ کھلائیگا۔ یا میں تیرے گھر کی قندیلیں توڑ ڈالوں۔ یہ کہہ کر لیٹا اور سو رہا۔ میں اس گفتگو سے حیرت میں تھا کہ ایک شخص بڑی زنبیل لے کر آیا داہنے بائیں دیکھتا ہوا اس مرد کے سرہانے پہنچا اور اس کو ہوشیار کر کے کہنے لگا میں تیرے لئے ایک چیز لایا ہوں۔ پھر زنبیل سے دہی اور فالودہ نکال کر اس مرد کے سامنے رکھا۔ فقیر نے اس میں سے کچھ کھایا اور کہا جو کچھ باقی ہے وہ اپنے فرزندوں کے لئے لے جا وہ شخص روانہ ہوا تو میں اس کے پیچھے چلا اور میں نے کہا کہ اے شخص تجھکو خدا کی قسم ہے بتا تو اس مرد کو جانتا ہے یا نہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے آج سے پہلے اس کو کبھی نہیں دیکھا۔ چند روز سے میرے لڑکے دہی اور فالودہ کی فرمائش کر رہے تھے میں غریب ہوں اور مزدوری کرتا ہوں میں کہتا تھا کہ جب خدا مجھ کو کہیں سے فتوح دے گا تو لڑکوں کی فرمائش پوری کروں گا آج مجھ کو ایک دینار ملا تو ضروریات خرید کر کے مکان پر لے گیا اور کھانا پکانے میں مصروف تھا۔ اسی دن نیند کا غلبہ ہوا اور میں سو گیا۔ ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ اٹھ اور جو کچھ تو نے پکایا ہے مسجد لے جا اور وہاں ایک مرد اپنا منہ عبا سے چھپائے پڑا ہے اور وہ ہمارا ایک سخت مزاج مہمان ہے۔ ہم نے یہ کھانا اسی کے لئے بنوایا ہے جو کچھ اس کے کھانے سے بچے وہ لا کر اپنے فرزندوں کو دے کیونکہ اس میں سعادت کا اثر ہوگا۔ میں خواب سے بیدار ہوا تو جو طعام تیار تھا وہ لے کر مسجد میں آیا اور یہاں جو کچھ گذرا وہ تم نے دیکھا ہے۔ جب طالبِ صادق افکار اور اذکار میں مشغول ہوتا ہے

اور ریاضت کی کوشش کرتا ہے تو اس پر اچھی اور بڑی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ پس لازم ہے کہ وہ ان کی طرف التفات نہ کرے اس کے سامنے روشنیاں اور تجلیاں رنگین اور منور آئیں گی لیکن وہ یقین رکھے کہ نورِ حقیقی پاک ہے نہ اس میں رنگ ہے نہ شکل نہ جہت۔

حدیث شریف میں ہے کہ بندہ اور خدا کے درمیان نور و ظلمت کے ستر ہزار حجاب ہیں، حجاب ظلماتی مثل حواسِ خمسہ اخلاق ذمیمہ اور وساوس وغیرہ کے ہیں لیکن سالک کے لئے ان حجابات سے گذرنا بہ مقابلہ حجاباتِ نورانی کے آسان ہے جب شغل و اذکار کی ترقی ہوتی ہے تو پہلے حجاباتِ ظلماتی سامنے آتے ہیں اور ان کا رنگ کدورت زدہ ہے۔ جب سالک کا وجود لطیف تر ہوتا ہے تو انوار سفید مثل پانی کے نظر آتے ہیں۔ لطیفۂ نفسیہ کا رنگ نیلا ہے۔ لطیفۂ قلبیہ کا رنگ سُرخ ہے۔ لطیفۂ سِرّیہ کا رنگ سفید ہے۔ لطیفۂ روحیہ کا رنگ زرد۔ لطیفۂ خفیہ کا رنگ قلعی دار آئینہ کے مشابہ ہے۔ لطیفۂ خفیہ کا رنگ اولاً سبز ہے اور بعد کو عقیقی ہو جاتا ہے اور ان سب کے دس دس ہزار پردے ہیں۔ شعر

در اینجا سالکِ سرِ دقیق است
کہ آخر نور از رنگِ عقیق است

سید اشرف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب دل کا آئینہ لا الہ الا اللہ کے صیقل سے صاف ہوتا ہے اور طبیعت کا زنگار دور ہو کر انوارِ غیبی کے قبول کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے تو ابتداء میں انوار مثل بجلی کے سامنے آتے ہیں۔ جب صفائی بڑھتی ہے تو انوار بھی قوی تر ہوتے ہیں اور مثل چراغ یا شمع اور مشعل وغیرہ کے نظر آتے ہیں اسکے

بعد ستاروں کی صورت سے ابتدا ہوتی ہے اور چاند سورج تک رسائی ہوجاتی ہے سالک کے لئے ضروری ہے کہ ان روشنیوں کی طرف بالکل توجہ نہ کرے اور عروج کا طالب رہے ان انوار کا منشار اور منبع مختلف ہوتا ہے۔ جیسے سالک کی روحانیت یا شیخ کی ولایت یا نبوت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار خصوصاً کلمۂ طیب اور قرآن اور ایمان واحسان وغیرہ کے انوار ہر عبادت اور بندگی کا نور الگ ہے اور ہر ایک کا رنگ جدا ہے۔ ایک درویش اپنے مرشد کے حکم کے مطابق خلوت میں مشغول تھا ناگاہ ایک نور اس پر ظاہر ہوا جس نے تمام آفاق کو ڈھانک لیا۔ درویش نے گمان کیا کہ نور الٰہی ہے پیر کو معلوم ہوا تو سمجھے کہ مُرید راستہ سے بھٹکا جاتا ہے۔ بصورت مثال اس کے سامنے آئے اور کہا کہ اے مُرید خبردار کوئی دوسرا خیال نہ لانا۔ یہ صرف تیرے وضو کا نور ہے۔

شیخ علاء الدولہ سمنانی فرماتے تھے کہ سلسلۂ بایزید کے مریدوں میں سے ایک شخص شیخ مجدالدین کے سلسلہ میں داخل ہوا اس سے کسی نے پوچھا کہ تم نے بایزید کی متابعت چھوڑ کر اس خانوادے سے کیوں عقیدت اختیار کی اس نے جواب دیا کہ ایک دن میں وضو کر رہا تھا۔ اسی حالت میں دیکھا کہ دیوار قبلہ میں شگاف ہوا اور ستارہ مشتری آسمان پر نظر آیا۔ میں نے پوچھا کیا ہے تو کسی نے کہا کہ سلطان العارفین کا نور ہے۔ ایک ساعت کے بعد میں نے دوسرا آسمان دیکھا جو آفتاب کی روشنی سے منور تھا میں نے پوچھا یہ کیا ہے تو کسی نے بتایا کہ مجد الدین بغدادی کا نور ہے۔ میں بہت متعجب ہوا اور موخر الذکر بزرگ کی متابعت اختیار کی اس مثال سے شیخ مجد الدین کی سلطان العارفین پر ترجیح دکھانا مقصود نہیں صرف یہ بتانا ہے کہ حق تعالےٰ نے

ہر ایک کو جداگانہ مشرب عنایت کیا ہے۔ اس مشرب کی طرف توجہ کی اس طریق کا تابع ہو گیا۔ الغرض انوار اور الوان بے نہایت ہیں لیکن نور مطلق ہر رنگ اور نور سے پاک اور منزہ ہے جو انوار سامنے آتے ہیں وہ نور ذکر ہوتے ہیں شروع میں مثل برق کے سامنے آتے ہیں اور فوراً غائب ہو جاتے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ توقف کرنے لگتے ہیں اور مثل چراغ و مشعل اور ستاروں وغیرہ کے نظر آتے ہیں جب تمام حجاب برطرف ہو جاتے ہیں اور مقامِ شہودی بے واسطہ میسر آتا ہے تب وہ حالت ہوتی ہے جس کی طرف حضرت علی نے اشارہ کیا تھا کہ میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی مگر اللہ کو اس میں دیکھا اور اسی مرتبہ پر سید الطائفہ کا قول جلوہ گر ہوتا ہے کہ ما فی الوجود سوی اللہ یعنی میرے وجود میں سوائے اللہ کے اور کچھ نہیں۔ انوارِ جمالی کا بیان کسی قدر کیا گیا۔ اب انوار جلالی بھی مختصر طور پر لکھے جاتے ہیں۔ خداوند کی شان جلالی ہے اور فنا ء الفنا اس کا منتضا ہے۔ ایک نور سامنے آتا ہے جس کی خاصیت جلانے کی ہے (لا تبقی ولا تذر) ہر عقل و فہم اس کے معنی کا ادراک نہیں کر سکتی۔ اول و آخر سلوک میں بعض سالک تجلی جلالی سے مشرف ہوتے ہیں اور یہ جگہ ہلاکت کی ہے مرشد کامل چاہیئے جو اس ورطہ سے نکال سکے۔ اخی محمد دہقانی جب مغلوب الحال تھے تو ان کے مرشد نے پوچھا تم کیا دیکھتا ہے۔ کہا میں نہیں جانتا اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس کے بعد ان کے کھانے پینے کی احتیاج باقی نہ رہی

لہ لطیفۂ اول میں پڑھ چکے ہو کہ شیخ ابو الخیر نے محمد بن ابی نصیر حسینی کو یہی جواب دیا تھا کہ "نہ باقی رکھتا ہے نہ چھوڑتا ہے۔" وہ اشارہ اسی مقام فناء الفنا کی طرف تھا۔ مترجم

دل میں خیال پیدا ہوا کہ نہ کھانا حق کی صفت ہے اور یہ صفت مجھکو حاصل ہے۔ گویا کہ باطن میں خدائی کا دعویٰ کرنے لگے۔ خوراک بالکل ترک کردی۔ اگر زبردستی ان کے منہ میں شربت ٹپکایا جاتا تھا تو تھوک دیتے تھے۔ مرشد نے اسی حال میں چھوڑا اور چھ برس تک انھوں نے کچھ بھی نہ کھایا لیکن خدمت سے جدا نہ ہوئے اگر مرشد سے بے نیاز ہو جاتے تو ہلاکت میں شک نہ تھا لیکن سعادت ازلی رفیق ہوئے۔ مرشد ان کو کعبہ لے گئے اور وہاں سے مدینہ پہنچے۔ مدینۂ منورہ میں مرید سے کہا کہ تو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہے اور میرا مرید ہے تو تجھ کو وہ کرنا چاہیئے جو رسول اللہ کرتے تھے اور میں کرتا ہوں۔ ورنہ میرے پاس سے چلا جا کیونکہ میں تجھ کو اب زیادہ اپنی صحبت میں رکھنا نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر ان کے منہ میں ایک لقمہ رکھا اور ان کے لئے ۳ لقمہ روزانہ مقرر کئے۔ تب اللہ تعالےٰ نے ان کو اس ورطہ سے نجات دی (یہ مرشد شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی تھے) نفحات الانس میں یہ حکایت بہ تفصیل لکھی ہے۔ مترجم

المختصر سالک کی نہایت وصول عین ثابتہ تک ہے اور یہ مقام کاملین کو حاصل ہوتا ہے۔ بعض بزرگ اس مرتبہ سے بھی گذر کر منزلِ وحدت کی سرحد تک پہنچ جاتے ہیں ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاءُ محققوں کی اصطلاح میں کشف کے معنی نسبت شہودیت کے ملکہ ہونے کے ہیں۔ اس طرح کہ ایک ساعت کے لئے بھی اس نسبت سے غفلت نہ ہو۔ سید اشرف رحمۃ اللہ علیہ کے بعض واقعات کشفی مقدمہ الکتاب میں بیان ہو چکے ہیں۔ اب دوبارہ تحریر کی ضرورت نہیں البتہ یہ لکھنا ضروری ہے کہ اس راہ میں اکثر ابلیس بھی دھوکہ

دے دیتا ہے ہر تجلی رحمانی نہیں ہوتی۔ بعض سالکوں کو شیطان کی بھی تجلی ہوتی ہے جس طرح رحمٰن کا عرش ہے اسی طرح شیطان کا بھی ایک عرش ہے اس راہ میں مرشد کی سخت ضرورت ہے جو شیطانی تجلیوں سے آگاہ کر سکے۔
شیخ ابو عبداللہ[1] خفیف کہتے تھے کہ ابو محمد خفاف مشائخ شیراز کے پاس بیٹھے تھے اور مشاہدہ کی بابت گفتگو ہو رہی تھی۔ ہر شخص اپنے حال کے مطابق بات کہتا تھا مگر ابو محمد خفاف خاموش تھے۔ ان سے بھی اصرار کیا گیا تو بولے آپ لوگوں نے اپنے علم کی حد تک گفتگو کی ہے۔ مشاہدہ کی حقیقت یہ ہے کہ حجاب دور ہو جائے اور اس کو عیاں دیکھو۔ بعد ازاں کہا کہ میں تبوک کے جنگل میں تھا اور فاقہ کی مشقت میں گرفتار تھا۔ میں نے مناجات کی تو حجاب دور ہوا اور میں نے دیکھا کہ حق تعالےٰ اپنے عرش پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے سجدہ کیا۔ مشائخ نے یہ بات سُنی تو خاموش ہو گئے۔ موسیٰ جصاص[2] وہاں موجود تھے۔ انھوں نے ابو محمد کو اُٹھایا اور کہا کہ چلو بعض مشائخ کی زیارت کریں وہ ان کو ابو سعدان محدث کے پاس لے گئے اور ان سے کہا کہ یا شیخ ہم سے وہ حدیث روایت کیجئے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک عرش شیطان کا ہے۔

---

[1] اسم مبارک بن محمد خفیف شیراز میں اپنے عہد کے شیخ المشائخ تھے۔ علوم ظاہر و علوم حقائق کے فاضل تھے۔ ۳۳۱ھ میں وفات پائی۔
[2] کبار مشائخ شیراز تھے ابو عبداللہ خفیف نے صغر سنی میں ان کی زیارت کی تھی۔ جصاص کے معنی گچ پز کے ہیں۔

جب کسی بندہ کو فتنہ میں گرفتار کرنا چاہتا ہے تو اس عرش کا کشف کرتا ہے۔ ابو محمد خفاف نے یہ حدیث سنی تو رونے لگے اور وہاں سے اٹھ کر چلے گئے چند روز کے بعد ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے پوچھا آپ اس زمانہ میں کہاں تھے انھوں نے کہا میں نے غفلت کے دور میں جو نمازیں پڑھی تھیں۔ ان کی قضا کر رہا تھا کیونکہ اس عرصہ میں شیطان کی پرستش کی تھی اب میں اس موقع کو واپس جانا ہوں جہاں میں نے اس کو دیکھا اور سجدہ کیا تھا تاکہ اس پر لعنت کروں۔ یہ کہہ کر وہ چلے گئے اور دوبارہ نظر نہ آئے۔

سید اشرف فرماتے تھے کہ سالکانِ طریقت الہٰی سلوک وجہ خاص سے بھی سرحدِ مقصود تک پہنچتے ہیں۔ لیکن سلسلۂ تربیت سے چلنے والوں کو فضیلت حاصل ہے۔ شیخ علاء الدولہ سمنانی فرماتے تھے کہ ایک دن خانقاہ سکاکیہ میں خودی سے غائب تھا۔ اسی حالت میں امام احمد غزالی کو دیکھا کہ سر بزانو ہاتھ میں قلم پکڑے متحیر بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا فکر ہے تو بولے کہ میں نے دنیا میں سیمرغ کی بہت تعریف لکھی ہے مگر اب دیکھتا ہوں کہ وہ سب غلط تھی۔ شیخ علاء الدولہ نے یہ واقعہ اپنے پیر شیخ نور الدین سے بیان کیا تو انھوں نے فرمایا کہ مجھ کو بھی مکشوف ہوا ہے کہ امام غزالی کو سب سے بڑی حسرت یہ ہے کہ سلوک تمام کئے بغیر درگاہِ حق میں پہنچ گئے۔ غرض سلسلۂ تربیت بر سبیلِ اجمال مناسبِ حال اس لطیفہ میں بیان کیا گیا اور سلوک وجہ خاص لطیفۂ اذکار میں لکھا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ سلوک صوفیہ سے مخصوص ہے لیکن انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو تمام دنیا سلوک میں مصروف ہے اس کی مثال یوں سمجھو کہ آسمان و

زمین کے درمیان ایک خانقاہ فرض کرو جس میں حضرت حق شیخ کامل ہیں۔ اولیاء ان کے خلفاء ہیں۔ مشائخ اور صوفیہ طلباء۔ اور اصحاب ہیں۔ طالب و مرید خدام ہیں جو اس گروہ کی جان ومال سے خدمت کرتے ہیں۔ پیشہ ور اور ارباب حرفت وصنعت اپنے اپنے کام میں مشغول ہیں جو در حقیقت ان طالبوں کی خدمت ہے امراء اور سلاطین اور خزانہ دار وغیرہ اسی طائفہ کی حفاظت کے لئے مامور ہیں۔ اللہ صاحب فرماتے ہیں وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ یعنی ہم نے نہیں پیدا کیا جن اور انس کو مگر واسطے عبادت کے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام جن اور انس اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں تاکہ مخلصانِ حق خدمت حق میں مشغول رہیں اور خانقاہ کے عملہ کو آرام ملے اور دنیا خراب نہ ہو لہذا ان میں سے ہر ایک خدا کی عبادت میں ہے البتہ یہ ہے کہ اپنے پیشہ کو مالِ حرام سے محفوظ رکھے نہ زیادہ دے اور نہ کم۔ ایک دن حضرت پیغمبر علیہ السلام بازار تشریف لے گئے اور وہاں گیہوں کے انبار میں ہاتھ ڈالا تو نمی پائی۔ تاجر نے کہا اس گیہوں کو پانی پہنچ گیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ جو گیہوں تر ہو گیا تھا اس کو اوپر کرنا چاہیئے تھا۔ تاکہ سب لوگ دیکھ لیتے۔ جس نے ہم کو دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔ لیس منا من غشنا۔

روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے حق تعالےٰ سے مناجات کی کہ خداوندا بہشت میں میرا ہمنشین کون ہوگا۔ میں اس کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ حکم ہوا کل شہر سے باہر نکلو جو شخص تم کو سب سے پہلے ملے وہی تمہارا ہمنشین ہوگا۔ وہ شہر سے باہر گئے تو دیکھا کہ ایک شخص لکڑی کا گٹھا پیٹھ پر لادے چلا آرہا ہے انھوں نے

اس کو سلام کیا اور پوچھا کہ حق تعالےٰ کے ساتھ تیری کیا معاملت ہے جو تجھ کو پیغمبر کے برابر بہشت میں مرتبہ دیا گیا ہے اس نے جواب دیا کہ میں ہر روز لکڑی کا ایک پشتارہ جنگل سے جمع کر کے شہر میں لاتا ہوں۔ اور نصف درم میں اس کو فروخت کرتا ہوں۔ میری ماں ہے دو دانگ اس کو دیتا ہوں دو دانگ اپنے عیال کے نفقہ میں صرف کرتا ہوں اور ایک دانگ خدا کے واسطے درویشوں کو دیتا ہوں۔ حضرت داؤدؑ نے فرمایا کہ تو بے شک اس لائق ہے کہ انبیاء رکا رفیق ہو تو میرے ساتھ رہ۔ اس نے کہا میں لکڑی اٹھانے کی محنت کی بدولت بہشت کی نعمت تک پہنچا تو زندگی بھر اسی حال میں رہوں گا۔ کلام مجید میں اسی طرف اشارہ ہے یا ایھا الذین اٰمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم یعنی اے مومنو اپنے کسب کی پاکیزہ چیزوں سے خرچ کرو اور دوسری جگہ تاکید کی گئی ہے فکلوا منھا واطعموا البائس الفقیر یعنی اس میں سے کھاؤ اور سخت حاجتمند محتاج کو کھلاؤ۔ غرض دنیا میں جو اعمالِ کسب ہیں وہ بھی ایک صورت سلوک کی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ہر کہ را توفیق ایں افعال شد
در جہاں او صاحبِ احوال شد
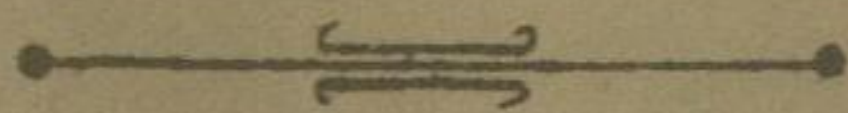
حصہ اول تمام شد

(۹ ذی الحجہ ۱۳۸۱ھ)

دوسرا حصہ زیرِ طبع ہے

اذکار و اشغال چشتیہ

دوازدہ تسبیح

۱۔ **تسبیح چشتیہ:۔** تاثیر تصفیہ قلب و تجلیہ روح ۔ ۷ مرتبہ بعد نماز ۔

دعا:۔ اللھم طھر قلبی عن غیرک ونور قلبی بنور معرفتک ابداً یا اللہ یا اللہ۔

طریقہ:۔ توبہ و استغفار کر کے بعجز و انکسار دعا پڑھے ۔ پھر گیارہ بار استغفار گیارہ بار درود شریف پڑھ کے چار زانو یوں بیٹھے کہ پاؤں کے انگوٹھے اور اس کے برابر والی انگلی کے درمیان رگ کیاس کو کہ گھٹنے کی طرف دبالے اور کمر سیدھی کر کے بدلجمعی تمام ہیئت و عظمت و جلال کے ساتھ بیٹھے اور اور خوش الحانی سے ذکر شروع کرے بعد اعوذ باللہ و بسم اللہ تین بار کلمۂ طیبہ و ایک بار کلمۂ شہادت پڑھ کے سر کو دل کی طرف جھکائے اور لا کو بزور قوت دل کے اندر سے کھینچے ۔ سر اٹھا کر بازوے راست کی طرف جانب پشت لائے اور الہ کہے ۔ اس وقت یہ تصور کرے کہ غیر خدا کو نکال دیا پھر سانس کو چھوڑ کر الا اللہ کی ضرب اور قوت کے ساتھ دل پر لگائے اس وقت یہ تصور کرے کہ دل میں عشق و نورِ الہیٰ داخل کیا ۔ دو سو مرتبہ یہ ذکر کرے ۔ ہر نو مرتبہ کے بعد دسویں مرتبہ محمد رسول اللہ کہے ۔ جب ختم ہو جائے تین بار

کلمہ طیب ایک بار کلمہ شہادت پڑھے پھر خاموش ہو رہے اور غور و فکر کرے کہ کیا کیفیت پیدا ہوتی ہے چاہیئے کہ بالکل مبتدی لا الہ کے بجائے لا معبود اور متوسط لا مقصود اور منتہی لا موجود کہے۔

۲۔ اثبات مجرد تاثیر تصفیہ و تجلیہ روح۔ ۴۰۰ مرتبہ بعد ذکر مذکورہ بالا۔
دعا:۔ الا اللہ
طریقہ:۔ دو زانو ہو کر کمر سیدھی کرکے سر کو داہنے مونڈھے پر لے جا کر بزور و قوت ضربیں لگائے۔

۳۔ اسم ذات دو ضربی تاثیر تصفیہ قلب و تجلیہ روح ۶۰۰ مرتبہ بعد ذکر اثبات مجرد۔ دعا:۔ اللہُ اللہُ
طریقہ:۔ آنکھیں بند کرکے سر کو بازوئے راست پر لا کے آواز اور قوت سے دونوں ضربیں دل پر لگائے۔ ہر دس مرتبہ کے بعد اللہ حاضری اللہ ناظری اللہ معیی دل سے کہے اسی کا تصور و خیال کرے۔ بعدہٗ تین بار کلمہ طیب ایک بار شہادت درود شریف و استغفار گیارہ گیارہ بار پڑھ کے خدا سے اپنا مطلب عرض کرے اور ارواح سلسلہ کی روح پُر فتوح کو ثواب پہنچائے۔

۴۔ پاس انفاس تاثیر تصفیہ قلب و تجلیہ روح۔ تعداد:۔ ہر سانس میں بے شمار۔ دعا:۔ لا الہ الا اللہ۔

طریقہ :- جب سانس باہر نکلے تو لا الٰہ کہے اور جب داخل ہو تو الا اللہ کہے زبان کو حرکت نہ دے اور منہ بند رہے۔ ہر وقت یہ ذکر جاری رہے۔

۵ - پاس انفاس تاثیر تصفیہ قلب وتجلیہ روح۔ تعداد۔ ہر سانس میں بلاشمار۔

طریقہ :- جب سانس کھینچے تو اللہ کہے اور جب سانس چھوڑے تو ھو کہے۔

۶- اسم ذات تاثیر:- تصفیہ قلب وتجلیہ روح۔ تعداد :- ۲۴ ہزار

دعا :- اللہ

طریقہ :- پاس انفاس کے علاوہ فقط اللہ کی تسبیح پڑھے۔ کم از کم ۲ ہزار مرتبہ

۷- نفی واثبات تاثیر:- تصفیہ قلب وتجلیہ روح تعداد ۲۰۰ بار بوقت شب

دعا :- لا الٰہ الا اللہ

طریقہ :- خلوت میں قبلہ رُخ دو زانو آنکھیں بند کر کے بیٹھے لا کو مقام ناف سے بزور سختی کھینچتا ہوا داہنے مونڈھے تک لائے۔ الٰہ کو دماغ سے نکال دے اور الا اللہ کو بقوت تمام دل پر ضرب کرے لا الٰہ سے ہر موجود و معبود و مقصود کی نفی کرے اور الا اللہ سے وجود ذاتِ باری تعالےٰ سمجھے۔

۸- اسم ذات نفی واثبات تاثیر:- تصفیہ قلب وتجلیہ روح -

تعداد:۔ بے شمار شبانہ روز۔ دعا:۔ اللہ۔

طریقہ:۔ ہر مرتبہ زبان تالو سے لگائے اور دل سے اللہ کہے اور تصور کرے۔

۹۔ حبسِ دم تاثیر: تصفیہ قلب و تجلیہ روح۔ تعداد: جس قدر ہو سکے بوقت شب۔ دعا:۔ لا الٰہ الا اللہ۔

طریقہ:۔ آنکھیں بند کر کے زبان تالو سے لگائے اور سانس قائم کر کے پہلے ناف سے کھینچ کر دل تک لائے۔ اور لا الٰہ کہتا ہوا اپنے بازو تک سر کو لائے اور الا اللہ کی ضرب دل پر مارے ایک سانس میں اول روز تین مرتبہ۔ پھر بڑھاتا جائے۔

۱۰۔ اسمِ ذات یک ضربی دو ضربی سہ ضربی چہار ضربی تاثیر تصفیہ قلب و تجلیہ روح۔ تعداد:۔ بے تعداد۔ بوقت شب۔ دعا:۔ اللہ

طریقہ:۔ ایک ضربی میں دل پر۔ دو ضربی میں مقام روح پر پھر دل پر، سہ ضربی میں اول ضرب زانوئے راست پر دوسری زانوئے چپ پر، تیسری ضرب دل پر۔ چہار ضربی میں ضربِ اول زانوئے راست، ضرب دوم زانوئے چپ ضرب سوم بر مقام روح ضرب چہارم دل پر لگائے۔

۱۱۔ چار ضربی تاثیر: کشف القبور اکشاف جسمانی کلامِ مجید۔ تعداد:۔ بے تعداد:۔ دعا:۔ اللہ

طریقہ:۔ رو بقبلہ بیٹھے قرآن شریف سامنے رکھے یا کسی بزرگ کی قبر ہو۔ ضرب اول پہلوئے راست پر لگائے ضرب دوم پہلوئے چپ پر۔ ضرب سوم قرآن شریف یا قبر پر ضرب چہارم قلب پر لگائے۔ معانی کلام مجید منکشف ہوں۔ یا کشف القبور رہو۔

۱۲۔ ہفت ضربی۔ شش ضربی۔ پنج ضربی تاثیر تصفیہ قلب

تعداد:۔ بے تعداد۔ بوقت شب۔ دعا:۔ اللہ

طریقہ:۔ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر قبلہ رُخ مودب ہو کر پہلی ضرب پہلوئے راست دوسری چپ۔ تیسری پیش چوتھی پشت پانچویں تحت چھٹی فوق۔ ساتویں دل اور شش ضربی میں راست و چپ پیش و پس جانب آسمان دل پنج ضربی میں راست و چپ پیش و پس دل۔

۱۳۔ اسم ذات قلندری تاثیر:۔ رسائی مقام لاہوت۔ تعداد:۔ بے تعداد بوقت شب۔ دعا۔ اللہ

طریقہ:۔ چار زانو بیٹھے اور سر جھکا کر مقام ناف سے کھینچ کر لائے اور ہو کی ضرب لگائے خاص اپنی ذات پر۔

۱۴۔ ذکر ماروب تاثیر:۔ تصفیہ قلب۔ تعداد:۔ بے تعداد۔ بوقت شب دعا:۔ لا الٰہ الا اللہ۔

طریقہ:- دو زانو بیٹھے اور لا الہ زانوئے چپ کی طرف سے شروع کرے اور سر زانوئے راست کی طرف لائے اور سر کو کسی قدر پشت کی طرف مائل کرے پھر الا اللہ سے سختی، اور قوت کے ساتھ دل پر ضرب لگائے اور بار بار یہی شغل کرے۔

۱۵۔ ذکر حداوی تاثیر تصفیہ قلب۔ تعداد:- بے تعداد۔ بوقت شب

دعا:- لا الہ الا اللہ۔

طریقہ:- حسب نشست مذکور بیٹھ کر لا الہ سے گھسیٹ کر بازوئے راست کی طرف لائے اور ساتھ ہی پنجوں کے بل کھڑا ہو جائے پھر الا اللہ کی ضرب دل پر لگائے اور ساتھ ہی دونوں ہاتھ زانو پر زور سے مارے۔ یہ ذکر امام حداوی سے منقول ہے۔

۱۶۔ ذکر ارّہ تاثیر:- تصفیہ قلب۔ تعداد:- بے تعداد۔ بوقت شب

دعا:- لا الہ الا اللہ۔

طریقہ:- سانس الٹی لے کر لا الہ بازوئے راست تک گھسیٹ لائے اور سر پشت کی طرف لے جائے پھر الا اللہ کی ضرب دل پر لگائے۔

• طریق دیگر تاثیر:- تصفیہ قلب۔ تعداد:- بے تعداد۔ بوقت شب

دعا:- اللہ

طریقہ:۔ آنکھ بند کرکے زبان تالو سے لگا کے سانس الٹی لے کر لفظ اللہ
ناف سے بقوت و سختی کھینچ کر دل پر ہوٗ کی ضرب لگائے اس طرح کہ جیسے
آرہ کھینچا جاتا ہے اور یہ تصور کرے کہ اس ذکر کے آرہ سے دل چیرا گیا ہے
اور اس میں برادہ کی طرح ذراتِ نور منتشر ہو کر تمام جسم میں پھیل گئے اور
جسم سے نکل کر تمام عالم میں نور ہو گئے اور ہر طرف نور ہی نور ہے۔

• **طریق دیگر دافع خطرات و وسواس۔** تعداد جس قدر مناسب
ہو۔ دعا:۔ لا الٰہ الا اللہ
طریقہ:۔ سانس ناف سے گھسیٹ کر دل میں قید کرے اور لا الٰہ کو ایک
مقراض سمجھ کر اس سے خطرات جو کہ مثل اژدھے کے دل کے اردگرد بیٹھا ہے۔
اسے دُم پکڑ کر باز و تک لائے اور الا اللہ کی ضرب یہ خیال کرکے بزور د
قوت دل پر لگائے اور یہ تصور کرے کہ خناس کے سر پر ضرب پڑی اور
پاش پاش ہو گیا۔ اسی طرح پے در پے کرے۔

• **شغل سرپایہ تاثیر، مشاہدہ۔** تعداد:۔ ایک سانس میں پانچ مرتبہ
دعا:۔ اللہ سمیع ۔ اللہ بصیر ۔ اللہ علیم
طریقہ:۔ چار زانو بیٹھے سانس ناف سے گھسیٹ کر ام الدماغ میں لے جا کر
قید کرے اور اللہ سمیع کہے اس وقت یہ تصور کرے کہ اللہ سُن رہا ہے اور
بالکل قریب بلکہ متصل ہے۔ پھر دل کی جانب آئے اور اللہ بصیر کہے اس

تصور کے ساتھ کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ پھر ناف کی جانب آ کے اللہ علیم کہے اور تصور میں بے نطق کہے پھر سر کی جانب متوجہ ہو کر اللہ علیم کہے۔ اور اللہ بصیر اور ناف پر اللہ سمیع کہے۔

• سلطانا نصیرا تاثیر:۔ خطرات وغیرہ۔ بوقت صبح و شام

طریقہ:۔ قبلہ رخ بدلجمعی تمام دو زانو بیٹھے اور ایک آنکھ بند کر کے ایک نتھنے پر نظر جمائے اور یہ تصور کرے کہ نور الٰہی ایک ستارہ کی طرح درخشاں ہے پلک نہ جھپکائے اور خالی الذہن رہے۔ ابتدا میں درد سر درد چشم وغیرہ کی شکایت ہو گی، آنکھ سے پانی بہے گا پھر موقوف ہو جائے گا۔ اور عجائب و غرائب مشاہدہ نظر میں آئیں گے۔

• سلطانا محمودا تاثیر:۔ مشاہدہ عالم بالا بوقت صبح یا شام۔

طریقہ:۔ حسب طریقہ مذکورہ بالا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ نتھنوں کی بجائے ناک کے اوپر دونوں بھوؤں کے بیچ میں معائنہ کرے۔ جب پیشانی و سر نظر آنے لگے تو عالم بالا کا مشاہدہ ہونے لگے گا۔ یہ دونوں طریق خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہیں۔

• سلطان اذکار تاثیر:۔ مشاہدۂ نور حقیقت۔ تعداد:۔ بے تعداد بوقت شب۔ دعا:۔ اللہ۔

طریقہ:۔ ناک اور کان میں روئی دے کر منہ اور آنکھیں بند کر کے ناف سے سانس گھسیٹے اور ام الدماغ میں قید کرے۔ اس مقام پر نقطہ مدور لطیفہ اخفیٰ میں اسم ذات داخل کرے۔ یہاں تک کہ وہ نقطہ منور ہو جائے اور تمام جسم میں نور پھیل جائے پھر منتشر ہو کر اس سے عرش تک وسیع ہو جائے۔

- شغل سرمدی تاثیر:۔ سماع راست ۔ تعداد:۔ بے تعداد۔ بوقت شب

طریقہ:۔ چشم و گوش وغیرہ مثل سلطان الاذکار بند کر کے تصور کرے کہ آواز ایسی جیسی کہ پانی کے گرنے کی ہوتی ہے آ رہی ہے۔ رفتہ رفتہ یہ آواز تمام دنیاوی آوازوں پر غالب آجائے گی۔ یہ ایک صدائے غیبی مظہر عجائب و غرائب ہے۔
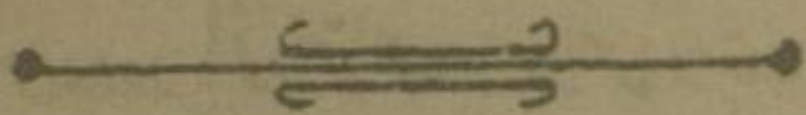
شرائطِ مرشدِ کامل

نام شرط	تعریف
علم دین	یعنی فقہ اصول فقہ حدیث و تفسیر ضرورت کے موافق مرشد جانتا ہو نہ یہ کہ جاہل ہو۔
اتقا (پرہیزگاری)	مطابق شرع شریف ہر ایک کام کرتا ہو۔ گناہ کبیرہ سے

	باز رہتا ہو اور صغیرہ سے بھی بچنے کی کوشش کرتا ہو۔
نفرت دنیوی	طالبِ دُنیا نہ ہو جتنے نعماتِ دنیوی ہوں ان کی طمع اور خواہش نہ رکھتا ہو۔
مستقل مزاج	تلون مزاج نہ ہو متین سنجیدہ اور پختہ کار ہو دینی معاملات
صائب الرائے	میں عقلمند و ہوشیار ہو۔
زمانہ دراز تک کسی ولی کا صحبت یافتہ رہا ہو۔	کسی درویش کامل کا مرید و معتقد اور صحبت یافتہ رہا ہو نہ کہ خودرو۔

علامات انوار

مقام	رنگ	کون نور ہے
نور بالائے ناف پیدا ہو	آتش وددد	نور خناس وسواس دہندہ وابلیس و نفس و دنیا لاحول پڑھے۔
نور اندرونِ سینہ		نور دل ہے مگر دل میں مختلف انوار ہیں۔
نورِ دل	سرخ یا سفید زردی مائل	نور قلب خاص
نور دل	سفید	نور روح
نور قمر	سفید مقابل یعنی سامنے	نور آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم
نور سلطانا محمودا یا سلطانا نصیرا		نور ذات

مراتبِ فنا

نمبر شمار	قسم فنا	کس طریقہ سے مرتبہ فنا حاصل ہوتا ہے	کیفیت
۱۔	فنا صفات ذمیمہ جسمانی	ذکر جسمی	یعنی ذکر لسانی سے اعضا جسم کے اوصاف ذمیمہ فنا ہو جاتے ہیں۔
۲۔	فنا خواہشاتِ نفسانی	ذکر نحری	ذکر نفس وغیرہ سے خواہشاتِ نفسانی فنا ہو جاتی ہیں اور کشف والہام حاصل ہوتا ہے۔
۳۔	فنائے افعال و اوصاف موجودات	مراقبہ	مراقبہ سے ہر شے کی حقیقت (ذات باری) نظر آتی ہے اور جملہ کائنات جسم باطن میں فنا ہو جاتی ہے۔
۴۔	فنائے کثرت در وحدت	ذکر روح	ذکر روح جس کو مشاہدہ کہتے ہیں اس کے حالت غلبہ میں جملہ اشیاء فنا ہو جاتی ہیں اور کوئی شے سوائے ذاتِ مطلق کے باقی نہیں رہتی۔
۵۔	فنائے سالک	ذکر سری	ذکر سری کے غلبہ میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اسے معائنہ کہتے ہیں اس میں یہ کیفیت حاصل ہو کہ اپنی ذات بھی فنا ہو جاتی ہے یہانتک کہ فناء الفنار کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔

نوٹ :- تمام اوراد و اشغال کے لئے انسان کامل کی اجازت شرط ہے۔ بلا اجازت نقصان کا احتمال ہے۔

کتاب ملنے کے پتے

چیپ اسٹیشنری مارٹ ـــــــ لاہور

کتب خانہ ماہ طیبہ۔ کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ

مکتبۂ رضوان ـــــــ لاہور

پاک اکیڈمی ۔گولی مار۔کراچی

ہندوستان میں ملنے کا پتہ :۔

صاحب سجادہ سرکار کچھوچھہ شریف بسکھاری
ضلع فیض آباد

محمد لیسین۔ سدھاری کھیڑا عالم باغ لکھنؤ

(دیگر شہر کے ہر بڑے تاجر سے مل سکتی ہے)

(مطبوعہ انٹرنیشنل پریس کراچی)